

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً (القرآن)  
تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو  
خیر الذکر الخفی (الحرف)

# حکم الذکر بالجہر

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ

ناشر

مکتبہ صفدریہ

ڈومر، لاہور، العلوم گھر گوجرانوالہ

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَعُوا وَخُفَيْتُمْ (قرآن کریم)

تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو ،  
خیر الذکر الخفی (حدیث شریف)

# حکم الذکر بالجہر

جس میں قرآن کریم صحیح احادیث کتب تفسیر وفقہ اور مستند حضرات صوفیاء کرام کے مثنوی حوالوں سے امر ثابت کیا گیا ہے کہ جن من مواقع میں بلند آواز سے ذکر اور دعا ثابت ہے وہاں بلند آواز ہی سے ذکر اور دعا کرنے سے شریعت کی منشا پوری ہوگی اور جہاں آواز بلند سے شرعاً دعا اور ذکر ثابت نہیں وہاں آہستہ دعا اور ذکر ہی بہتر اور افضل ہے بلکہ بعض صریح عبارات کے پیش نظر ایسے مواقع میں خصوصاً جب کہ لوگوں کو تکلیف بھی ہوتی ہو ذکر بالجہر حرام بدعت اور مکروہ ہے اور حضرات صحابہؓ اور تابعینؓ کا عمل بھی عمومی طور پر ذکر بالسر ہی کا رہا ہے اور یہی مسلک حضرت ائمہ اربعہؓ کا ہے۔ مساجد میں بلند آواز سے ذکر اور بلند آواز سے درود شریف کا حکم بھی اس میں واضح حوالوں سے بیان کر دیا گیا ہے اور دیگر کئی مسائل ضمناً اس میں آگئے ہیں اور مجوزین ذکر بالجہر کے دلائل کا خاص علمی اور تحقیقی طور پر مسکت جواب بھی دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں مختلف پہلو یا حوالہ اس کتاب میں آگئے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ

ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد کٹر

صدر مجلس مدرّسۃ العلوم گوجرانوالہ

۴ رجب ۱۴۱۹ھ

۲۵ جولائی ۱۹۹۷ء

﴿جملہ حقوق بحق مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ محفوظ ہیں﴾

نام کتاب ..... حکم الذکر بالجہر  
تالیف ..... شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرسراز خان صفدر  
مطبع ..... مکی مدنی پرنٹرز لاہور  
تعداد ..... ایک ہزار  
طبع ششم ..... اگست ۲۰۱۰ء  
قیمت ..... ۱۱۰/- (ایک سو دس روپے)  
ناشر ..... مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

### ﴿ملنے کے تھے﴾

- ☆ مکتبہ قاسمیہ جشد روڈ بنوری ٹاؤن کراچی
- ☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
- ☆ مکتبہ امدادیہ ملتان
- ☆ کتب خانہ مجیدیہ ملتان
- ☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ الاظمہ یانو بازار رحیم یار خان
- ☆ اقبال بک سنٹر نزد صالح مسجد صدر کراچی
- ☆ مکتبہ الحسن حق سڑک اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوسٹ
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
- ☆ اسلامی کتب خانہ ڈاگامی ایبٹ آباد
- ☆ مکتبہ عثمانیہ میاں والی روڈ تلہ گنگ
- ☆ مکتبہ صفدریہ چوڑی چوک راولپنڈی
- ☆ مکتبہ حلیمیہ درہ عزیز وکی مروت
- ☆ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- ☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور
- ☆ ظفر اسلامی کتب خانہ گلگت
- ☆ مکتبہ حنفیہ فاروقیہ اردو بازار گوجرانوالہ
- ☆ مکتبہ علیہ اکوڑہ خٹک
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
- ☆ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ
- ☆ کتب خانہ صفدریہ حق سڑک اردو بازار لاہور

# فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

صفحہ	موضوع
۲۵	ایک اعتراض اور اس کا جواب
۲۷	مولف ذکر بالجہر کی بوکھلاہٹ
۲۸	دوسری آیت کریمہ اذکر ربکم فی نفسک لآیت
۲۸	حضرت امام ابو حنیفہ سے اس کی تفسیر
۱۶	حضرت امام نسفی سے اس کی تفسیر
۲۹	حضرت امام ابن جریر سے اس کی تفسیر
۱۷	علامہ خازن سے اس کی تفسیر
۳۰	امام بغوی سے اس کی تفسیر
۱۸	امام رازی سے اس کی تفسیر
۳۱	امام عیسیٰ سے اس کی تفسیر
۱۹	قاضی ثناء اللہ صاحب سے اس کی تفسیر
۳۲	علامہ آلوسی سے اس کی تفسیر
۲۲	حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب سے اس کی تفسیر
۲۲	حضرت تاجیون سے اس کی تفسیر
۳۷	باب دوم
۳۷	احادیث سے استدلال
۳۷	پہلی حدیث اذکر ربکم فی نفسک لآیت
۳۷	بخاری اور مسلم وغیرہ
۳۸	حضرت امام نووی سے اس کی تشریح
۳۸	حضرت علامہ عینی سے اس کی تشریح
۳۹	حضرت حافظ ابن حجر سے اس کی تشریح
۱۱	وجہ تالیف
۱۵	باب اقل
۱۵	قرآن کریم سے آیت ذکر کا ثبوت
۱۵	پہلی آیت کریمہ اذکر ربکم فی نفسک لآیت
۱۵	اس کی تفسیر حضرت ابن مسعود سے
۱۵	حضرت ابن مسعود کا وجہ
۱۷	حضرت امام ابو حنیفہ سے اس کی تفسیر
۱۷	اصل اذکار میں اخفاء ہے
۱۷	امام سرخسی سے
۱۸	امام باری سے حافظ ابن البہائم سے
۱۸	امام کاسانی سے
۱۹	مولانا عبدالحی لکھنوی سے
۱۹	قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی سے اس کی تفسیر
۲۰	ذکر خفی کے بارے میں ان کے مزید حوالے
۲۲	حضرت صوفیاء کرام کے ہاں یہ ذکر رائج ہے خواجہ
۲۲	چراغ دہلوی رحمہ
۲۳	امام حن بصری سے اس کی تفسیر
۲۳	تفسیر خازن روح المعانی ابن کثیر اور کیر کے حوالے
۲۳	امام رازی سے اس کی تفسیر
۲۳	قاضی شوکانی سے اس کی تفسیر
۲۵	طالب القیم نے آیت دعا کرنے کی دس مکتبین بیان کی ہیں

## فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

- ۵۲ علامہ عزیزی سے اس حدیث کا معنی؟ ۳۹ مولف ذکر بالجہر کی راہ فرار
- ۵۱ بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنے کا حکم؟ ۴۰ فتاویٰ کشمیریہ کی مکمل عبارت جو مولف مذکور
- ۵۰ حضرت البیاضیؒ کی حدیث ۴۱ نے نقل نہیں کی
- ۴۹ حضرت ابو جرحہؓ کی حدیث ۴۲ امام کرخی سے ادنیٰ الجہر کا معنی؟
- ۴۸ فتاویٰ قاضی خان ۴۱ امام قسبائی سے ادنیٰ الجہر کا معنی؟
- ۵۳ عالمگیری اور مختصر الفتاویٰ المصریہ ۴۲ بخاری شریف سے اس حدیث کے الفاظ
- ۵۲ تفسیر مظہری ۴۳ دوسری حدیث خیر الذکر الخفی
- ۵۱ مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی ۴۴ اس کی تصحیح امام سیوطیؒ اور علامہ عزیزی سے
- ۵۰ باب چہارم (تکبیرات عیدین) ۴۵ تیسری حدیث ذکر اور تلاوت قرآن کریم کے
- ۴۹ امام قاضی خان ۴۶ وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے
- ۴۸ صاحب ہدایہ، ایک اعتراض اور اس کا جواب ۴۷ باب سوم
- ۴۷ جب کوئی چیز سنت اور بدعت میں مترد ہو ۴۸ جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کا حکم
- ۴۶ تو اس کو ترک کیا جائیگا عالمگیری شامی ۴۹ امام قاضی خان اور مارج الدین ادوی سے
- ۴۵ عید الفطر کے موقع پر بلند آواز سے تکبیر ۵۰ فتاویٰ عالمگیری اور امام کردی اور مکارم علی سے
- ۴۴ علامہ خضکیؒ اور شامی سے ۵۱ حضرت ملا علی القاری سے
- ۴۳ علامہ عینیؒ اور کاسانی سے ۵۲ علامہ شرنبلالیؒ اور ابن نجیمؒ اور علامہ عینیؒ سے
- ۴۲ علامہ سرخسیؒ اور ابن نجیمؒ سے ۵۳ بعض حضرات تابعینؒ اور حضرت شاہ محمد باقرؒ سے
- ۴۱ ان کی عبارت میں فوائد ۵۴ صاحب کا حوالہ
- ۴۰ جہود و تعلیم کی جنگ جازنہ تعلیم کے بعد جہود وعت ۵۵ در مختار شامی اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا حوالہ
- ۳۹ امام کردی اور عالمگیری سے ۵۶ مفتی احمد یار خان صاحب کا فتویٰ
- ۳۸ علامہ ابن الحاج سے، یقینہ فوائد ۵۷ مسند فردوس کی حدیث
- ۳۷ تکبیر عید الفطر کے بارے میں علامہ شامیؒ کی تحقیق ۵۸ مسند فردوس کا مقام

# فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

۹۱	نماز وغیرہ میں اذکار کا حکم	۶۹	علامہ ابوبکر الجصاص کا حوالہ
	{ کتاب الاذکار اور شرح مسلم سے	۷۱	علامہ شرنبلالی اور علامہ سید احمد طحاوی کا حوالہ
۹۵	علامہ ابن القاری اور امام غزالی سے	۷۳	کبیری کا حوالہ
	{ دعا کی قبولیت کے لیے یقین ضروری ہے	۷۷	امام ابو جعفر البندوفی کے قول کی تشریح
	{ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث	۷۸	مؤلف ذکر بالجہر کی بدحواسی
۹۶	امام ابن حجرؒ کی عبارت کا مطلب اندوہنا کی حوالہ	۷۹	علامہ حلیؒ کا ایک اور حوالہ
	{ حضرت تھانویؒ، امام ابن الجزریؒ اور شافعیؒ کا قول	۸۰	ذکر بالجہر کے بعض اور مقامات علامہ ابن القاریؒ سے
۹۸	نماز میں آہستہ قرأت اور جہر کا حکم، صاحب البدایہؒ سے	۸۱	علامہ خضکیؒ اور شافعیؒ سے
۹۹	ادنیٰ جہر کا معنی حضرت تھانویؒ سے	۸۲	خلاصہ الفتاویٰ کی عبارت
	{ ضرورت سے زیادہ امام کے لیے جہر درست نہیں ہے	۸۳	امام قسب تائی کا حوالہ
۱۰۰	خضکیؒ کا قول: قنایہ عالمگیریؒ کی اندنیٰ جہر سے	۸۶	مؤلف محیط کون بزرگ ہیں؟
۱۰۱	اقامت میں جہر بقدر ضرورت بہر الجہر شرح المہذب		{ کبریات تشریق صاحب ہدایہ سے
۱۰۲	عمیرات تشریق میں بھی اعتدال ہو نام بن الحاج		{ فتویٰ حضرت صاحبین کے قول پر ہے عالمگیریؒ و غلہ
۱۰۳	مؤلف ذکر بالجہر کا اعتراض اور اس کا جواب	۸۷	یکلیت تشریق میں عقوق اور سفوف کا حکم مابلیہ سے
	{ دعوت میں آواز بلند کرنا درست ہے صحیح حدیث		{ حضرت علامہ ابن القاریؒ سے
	{ امام نوویؒ سے اسکی تشریح	۸۸	تیسرے نمازوں تک تکریر تشریق ہے امام حادقؒ
۱۰۵	اذان میں آواز بلند کرنا مطلوب ہے ابو ذرؓ اور ابن ماجہ		{ ایک طفلانہ سوال اور اس کا جواب
۱۰۶	فرضی نمازوں کے بعد دعا کا ثبوت حضرت ابو داؤدؒ سے	۸۹	علامہ حلیؒ کی ایک اور عبارت
	{ تارک دعا قابل تعزیر ہے مولانا گنگوہیؒ سے	۹۱	باب خیمہ (جہر اور اخفا کی تعین)
	{ حضرت امام بخاریؒ اور غیر تقلیدین حضرات سے		{ طلاق دل میں نہیں ہوتی (مستتر قنادہ) تکمہ اور
	{ اس دعا کا ثبوت		{ کتابت سے ہوتی ہے ہدایہ اور قاضی خان
	{ ہاتھ افکار دعا مانگنے کا ثبوت حضرت ابو داؤدؒ سے		{ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ سے
	{ اور اسود عامریؒ کی حدیث		

## فہرست مضامین

الذکر بالجہر

- |     |   |     |   |
|-----|---|-----|---|
| ۱۱۲ | امام علیؑ کا فارسی سے                                   | ۴-۵ | اور یہ دعا دیر تک ہوتی تھی حضرت عائشہؓ                    |
| ۱۱۳ | اذان کے تحت بلند آواز سے درود شریف پڑھنا فضیلت          | ۱۱  | مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ سے                             |
| ۱۱۴ | کی ایجاد ہے امام شعرانیؒ                                | ۱۰۸ | نوافل اور سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کا ثبوت نہیں           |
| ۱۱۵ | یہ بدعت ائمہ میں مگر کے اندر ایجاد ہوئی                 | ۱۱  | نمازوں کے بعد جماعتی مثنوی میں بلند آواز سے               |
| ۱۱۶ | یہ بدعت ایک ظالم حاکم نے رائج کی تھی                    | ۱۱  | دعا کا حکم؟ امام شاطبیؒ                                   |
| ۱۱۷ | علامہ ترمذیؒ اور امام ابن حجرؒ                          | ۱۰۹ | امام نوویؒ اور سراج الدین حمویؒ علیٰ القاریؒ              |
| ۱۱۸ | قناوی ذخیرۃ السالکین کا حوالہ                           | ۱۱۰ | غیر مستند قصے بیان کرنا اور انکے لئے اجتماع بدعت          |
| ۱۱۹ | مجالس ابراہیم کا حوالہ                                  | ۱۱۱ | ایسے لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ نظر شفقت نہیں               |
| ۱۲۰ | امام ابن امیر الحاجؒ کا حوالہ                           | ۱۱۲ | کر گیا حضرت علیؑ کی حدیث۔ امام بلخیؒ                      |
| ۱۲۱ | ذکر بالجہر بھی مشروط ہے شامیؒ                           | ۱۱۳ | دعا میں خلفاء ہند کی قاضی ثناء اللہ صاحبہؒ نقل فرماتی     |
| ۱۲۲ | قناوی زراذیر کی عبارت کا مطلب؟                          | ۱۱۴ | حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ مولانا عبدالحق شاہؒ       |
| ۱۲۳ | لمیہ میں رفع القنوط واجب ترمذی وغیرہ کی حدیث            | ۱۱۵ | دعا میں تجاویز ناپسندیدہ اور جملہ بدعتوں کی نفی           |
| ۱۲۴ | علامہ آلوسیؒ سے ذکر بالجہر کی کچھ شرائط                 | ۱۱۶ | حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث۔                            |
| ۱۲۵ | مفتی احمد یار خاں صاحبؒ                                 | ۱۱۷ | وغیرہ میں بھی اس طرف درست نہیں ہے                         |
| ۱۲۶ | نہالی میں مسجد کے اندر بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا     | ۱۱۸ | نماز میں بلند آواز سے نیت کرنا بھی جائز نہیں              |
| ۱۲۷ | حضرت عائشہؓ کی حدیث امام نوویؒ سے اسکی تشریح            | ۱۱۹ | حافظ ابن تیمیہؒ   |
| ۱۲۸ | حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ایک حوالہ                        | ۱۲۰ | بک ششم درود شریف ابراہیم خاں افضلؒ سے ملگاری              |
| ۱۲۹ | علامہ ابن الحاجؒ کا حوالہ                               | ۱۲۱ | فتح القدیر  |
| ۱۳۰ | ذکر بالجہر کے بابے حضرت مولانا عبدالحق لکھنویؒ کا فتویٰ | ۱۲۲ | اس پر سبک اتفاق ہے کہ بلند آواز سے درود شریف              |
| ۱۳۱ | علامہ ابن الحاجؒ کی ایک عبارت                           | ۱۲۳ | پڑھنا بدعت ہے علامہ بدر الدین عینیؒ                       |
| ۱۳۲ | امام شاطبیؒ کا حوالہ                                    | ۱۲۴ | مفتی احمد یار خاں صاحبؒ کی علمی حیثیت امام نوویؒ کی تقلید |
| ۱۳۳ | باب ہفتم در ساجدین فی الشہادۃ بخدی نبیؐ کی روایت        | ۱۲۵ | ان کے قبول بعد جہاد و درود شریف پڑھنا کام جائز ہے         |

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

- ۱۳۸ مسلم شریف کی روایت  
 " امام نووی سے اس کی شرح  
 ۱۳۹ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث  
 " حضرت علامہ نافع بن القاریؒ سے اس کی شرح  
 " امام حنفیؒ کا حوالہ  
 " مسجدوں میں گم شدہ اشیاء کا اعلان  
 " کرنا درست نہیں ہے مسلم وغیرہ  
 ۱۴۰ حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت  
 " مسجد میں آواز بلند کرنا بدعت ہے علامہ  
 " آلوسی حافظ ابن تیمیہؒ اور امام شاطبی  
 " جمع ہو کر مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا  
 ۱۴۱ اور درود شریف پڑھنا  
 " فتاویٰ بزازیہ سے حضرت ابن مسعودؓ  
 " کی روایت  
 " غائب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا  
 " حضرت ابن مسعودؓ پر اعتقاد  
 " عظمت ابن مسعودؓ کی امت کو ایک دینی نصیحت  
 ۱۴۲ مولوی عبدالمصعب صاحب بریلوی کا حوالہ  
 " حضرت مولانا فیضان شاہ صاحبؒ اور حضرت  
 ۱۴۳ مولانا بنوری دام مجدہم کا حوالہ  
 " کتاب الزہد کی روایت کا جواب  
 " حضرت علامہ نافع بن القاریؒ کا حوالہ

- ۱۴۵ مطلق کرامت سے توہم مراد ہوتی ہے  
 " صاحب بدایہ حضرت مجدد الملت ثانیؒ  
 ۱۴۶ مساجد میں فریوی باتیں اور شور وغل درست نہیں  
 " حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث  
 ۱۴۷ بازاروں میں بھی آواز بلند کرنا درست نہیں  
 " بخاری شریف اور یسعیاہ کا حوالہ  
 " موارد النظماء کا حوالہ  
 " آخر زمان میں لوگوں کی باتیں مسجد میں ہوں گی  
 " موارد النظماء و تنبیہ الغافلین و مستدرک  
 ۱۴۸ مسجدوں میں جمع ہوں گے مگر ان میں ایمان  
 " منقود ہو گا، مستدرک  
 ۱۴۹ السک التفسط کا حوالہ  
 " ارشاد الساری کا حوالہ مالگیری کا حوالہ  
 ۱۵۰ علامہ ابن حزمؒ کا حوالہ مسجد میں تعلیم کی خاطر  
 " آواز بلند کرنا جائز ہے  
 ۱۵۱ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث  
 " حضرت علامہ نافع بن القاریؒ سے اس کی شرح  
 ۱۵۲ حضرت امام نوویؒ کا حوالہ  
 " بخاری شریف کی ایک حدیث  
 ۱۵۳ باب ہشتم ذکر الجہر کے حوالہ کے دلائل  
 " قرآن کریم سے استدلال  
 " پہلی آیت کریمہ ذکر اذات کند کہ تم آہا کہ آہی سے استدلال



## فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

- |     |   |     |  |
|-----|---|-----|--|
| ۱۴۲ | علامہ سطلانیؒ اور علامہ اسحاقیؒ کا حوالہ          | ۱۵۶ | الجواب مولف ذکر بالجہر کی ایک عملی پر تنبیہ    |
| ۱۴۳ | مولانا ابو عبد الرحمنؒ غیر مقلد کا حوالہ          | ۱۵۷ | اس آیت سے کثرت ذکر اور دہرے جہر میں نہیں حفاظ  |
| "   | صحبت ابن بطال کون تھے؟                            | ۱۵۸ | ابن کثیرؒ اور قاضی ثناء اللہ صاحبؒ سے          |
| "   | سابقہ حدیث کی شرح شیخ عبدالحق صاحبؒ سے            | ۱۵۹ | حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کی عبارت کی             |
| ۱۴۴ | مولانا سہارنپوریؒ سے                              | ۱۶۰ | خود ان کی اپنی عبارت سے تشریح                  |
| "   | محبیہ انور شاہ صاحبؒ سے                           | ۱۶۱ | دوسری آیت کریمہ فاذا نزل اللہ فیہ سے استدلال   |
| ۱۴۵ | دوسری حدیث (حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کی روایت)     | ۱۶۲ | اس کا جواب                                     |
| "   | اس کا پہلا جواب کے اصل روایت میں بصورتہ لفظی      | ۱۶۳ | حضرت تھانویؒ کی ایک عبارت کی خود ان کی         |
| "   | کے الفاظ موجود ہی نہیں ہیں                        | ۱۶۴ | اپنی عبارت سے تشریح                            |
| ۱۴۶ | اس پر کتب حدیث کے متعدد حوالے                     | ۱۶۵ | طحطاویؒ اور قنابیؒ امدادیہ کا حوالہ            |
| "   | یہ صاحب مشکوٰۃ کا دیگر دو نام کی طرح یکساں ہے     | ۱۶۶ | تیسری آیت کریمہ فاذا نزل اللہ فیہ سے استدلال   |
| "   | جواب دوم کتاب الام میں یہ لفظ موجود               | ۱۶۷ | اور اس کا جواب                                 |
| ۱۴۷ | ہیں مگر سند میں ابراہیم بن محمد کذاب ہے           | ۱۶۸ | باب نہم ذکر بالجہر پہلے حدیث سے استدلال        |
| ۱۴۸ | جواب سوم یہ حدیث صحیحہ ہے تعلیم کیلئے ذکر کو ملتا | ۱۶۹ | پہلی حدیث ابن عباسؓ سے                         |
| "   | حضرت تامل بن القادریؒ کو شیخ عبدالحق صاحبؒ سے     | ۱۷۰ | اس کا جواب حضرت امام شافعیؒ سے                 |
| ۱۸۰ | تیسری حدیث اور اس کا جواب                         | ۱۷۱ | اس کا جواب حضرت امام بیہقیؒ اور حضرت تلامذہ سے |
| ۱۸۱ | چوتھی حدیث اور اس کا جواب                         | ۱۷۲ | اس کا جواب حضرت امام کرمانیؒ سے                |
| ۱۸۲ | ہمیشہ مشکوٰۃ کا حوالہ                             | ۱۷۳ | حضرت امام ابن حجر عسقلانیؒ سے                  |
| ۱۸۳ | پانچویں حدیث                                      | ۱۷۴ | دلائل الاذکار کا حوالہ اور اس کا مطلب          |
| ۱۸۴ | امام غزالیؒ اور حضرت تھانویؒ کا حوالہ             | ۱۷۵ | علامہ عینیؒ سے سابق حدیث کا مطلب               |
| ۱۸۵ | چھٹی حدیث اور اس کا جواب                          | ۱۷۶ | علامہ ابن حزمؒ کا حوالہ                        |
| ۱۸۶ | حضرت علامہ القادریؒ کا حوالہ                      | ۱۷۷ | علامہ ابن الحاجؒ کا حوالہ                      |

# فہرست مضامین حکم الذکر بالجہد

۲۰۰	چوتھی عبادت	۱۸۶	آخر زمانہ میں جاہل عابد اور فاسق قادی ہونگے
۲۰۲	کلمات ولایت فقہ فاضل کے اور کلمات نبوت فقہ خفی کے موافق ہیں مجدد الف ثانیؑ	۱۸۷	ساتویں حدیث اور اس کا جواب
۲۰۳	حضرت علیؑ علیہ السلامؑ کے نقد خفی کے مطابق عمل کریں گے	۱۸۸	مطلق روایات کو تنقید پر عمل کیا جائے گا
۲۰۴	برکت کی تردید حضرت مجدد صاحبؑ	۱۸۹	حضرت مجدد الف ثانیؑ
۲۰۵	تقابل حضرت فقہار اکرامؑ و حضرت صوفیاء عظامؑ	۱۹۰	ایک اعتراض اور اس کا جواب
۲۰۶	دوسری بات کہ یہ تبرع تعلیم کے لئے تھا	۱۹۱	باب دوم، آخری حریہ حضرت
۲۰۷	حضرت قاضی شہداء الشہ صاحبؑ	۱۹۲	شاہ عبدالغفور صاحبؑ کا حوالہ
۲۰۸	تیسری بات ذکر الجہد کی تجویز کے بل میں کمی لکھی ہے	۱۹۳	اس میں چند امور قابل توجہ ہیں پہلا امر
۲۰۹	ابن کئی اور چند دیگر بزرگوں سے	۱۹۴	دوسرا امر ۱۹۵ تیسرا اور چوتھا امر
۲۱۰	ایثار السلیح حرام ہے حضرت ابن عمرؓ سے	۱۹۵	حضرت صوفیاء اکرامؑ کے بارے میں
۲۱۱	اسی لئے جہاد کا بوسہ ترک کیا جائیگا	۱۹۶	تین باتیں قابل غور ہیں۔
۲۱۲	مبسوط و ہدایہ	۱۹۷	پہلی بات
۲۱۳	طوائف کے وقت ذکر و تلاوت قرآن اور دعا کا بہتر موقع چاہیے	۱۹۸	حضرت مجدد الف ثانیؑ کی چند عبارات
۲۱۴	دس و ترقیر پر اعتراض اور اس کا جواب	۱۹۹	پہلی عبارت
۲۱۵		۲۰۰	دوسری عبارت ۱۹۹ تیسری عبارت



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ ؕ مَا بَعْدُ فَأَقُولُ بِلسَانِي وَالْتَبِ  
بِقَلْبِي وَلِذِكْرِكَ اللَّهُ أَكْبَرُ ۝  
وجہ تالیف :-

(۱) راقم نے محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے آج سے کئی سال پہلے ربودعت کے سلسلہ میں ایک کتاب راہِ سنت لکھی تھی جس پر پاک و ہند کے بعض مستند اور بین الاقوامی شہرت رکھنے والے بزرگوں کی گراں قدر تصدیقات بھی طبع ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کتاب کو مقور سے ہی عرصہ میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی اور عوام سے لے کر جید علماء تک نے اس کے طرزِ تحریر اور مفوس دلائل اور واضح براہین کو خوب سراہا اور طویل مدت میں اس کے کئی ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ لکھ گئے حتیٰ کہ اہلِ فُتوۃ العلوم (جس نے یہ کتاب طبع کروائی ہے) کی اجازت کے بغیر ہی اس کتاب کی جامعیت اور مقبولیت کے پیش نظر یہ کتاب ہندوستان وغیرہ میں طبع ہو کر فروخت ہوتی رہی اور سندھی، بنگالی اور پشتو وغیرہ زبانوں میں اس کے تراجم کی اجازت بھی بعض حضرات نے طلب کی لیکن اس خطروہ کے پیش نظر ادارہ نے اجازت نہ دی کہ کہیں غیر ذمہ دار ترجمین حضرات ترجمہ میں اصل کتاب کا مقصد ہی غلطی سے تبدیل ڈالیں اور کتاب کا صحیح مقصد ہی نہ فوت ہو جائے۔ راقم اُٹیم کی دوسری کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی دیگر ممالک میں طلب کی گئی اور اہل حق نے اس سے ایمانی تسکین حاصل کی اور بہت سے حضرات نے یہ کتاب پڑھ کر یہ دعائے صدقِ دل سے توبہ کی اور راقم کو مبارک باد کے خطوط لکھے اور دلائلِ نبویؐ اور حسنِ خاتمہ کی دعائیں کیں اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو قبول فرمائے آمین ثم آمین۔

(۲) جہاں اس کتاب کی وجہ سے اہل حق کو بہت فائدہ پہنچا اور صحیح مسلک کے سمجھنے میں بڑی مدد ملی وہاں اہل بدعت کے ہاں صفِ قائم بچھ گئی اور ان کے بارونق چہرے غمگین اور داس ہو گئے اور قد قی طور پر ایسا ہونا بھی چاہیے تھا چنانچہ اس کتاب کی ترویج میں ان کے مفتی اعظم احمد رضا خان صاحب

بدایونی ثم گجراتی (المتوفی ۳۰ رمضان ۱۳۹۱ھ) نے ایک کتاب لکھی جس کا نام انہوں نے راہِ جنت رکھا جس کا ترکی بتر کی جواب راقم نے باپ جنت سے دیا اور اس کے بعد مفتی صاحب نے بالکل چپ سادہ دلی اور دل میں کڑھتے ہی کڑھتے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(۳) راہِ سنت میں نہایت اختصار کے ساتھ ذکرِ بالجہر کے بارے میں بھی باحوالہ اصولی بحث کی گئی ہے۔ اور حضرات احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا مفتی قول اس میں باحوالہ درج ہے کہ جہاں شرعاً بلند آواز سے ذکر ثابت نہیں وہاں ذکرِ بالجہر مکروہ اور بدعت ہے خصوصاً صاحبِ کرمائز یوں، بیماروں، مطالعہ کرنے والوں اور سونے والوں اور اسی طرح کے دیگر مشاغل میں مصروف حضرات کے امن و سکون میں خلل واقع ہوتا ہوا اس سے ان کے ذہن پریشان ہوتے ہوں ایسے حالات میں سبکے نزدیک یہ جائز نہیں ہے مگر اتنی صاف اور واضح باتوں بات بھی اہل بدعت کو کانٹے کی طرح کھشکی اور راقم کے رد اور ذکرِ بالجہر کے جواز میں ان کی جماعت کے ایک ممتاز نے ذکرِ بالجہر کے نام سے ایک رسالہ لکھ مارا ان صاحب کو ان کی جماعت نے رئیس المحققین، محقق باکمال اور مدقق بے مثال کا خسروانہ خطاب بھی دیا ہے اس رسالہ کو پڑھ کر یہ محسوس ہوا کہ مؤلف مذکور کو اصل مسئلہ کی نوعیت اور اس کی تفصیل اور حضرات فقہاء کرام حتیٰ کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے صحیح مسلک سے بالکل بے خبری ہے اور وہ بیچارے اس مسئلہ کے سلسلہ میں قرآن کریم، حدیث شریف اور فقہ حنفی سے سرسبز واقف ہیں انہوں نے اپنی کم فہمی کی وجہ سے عمومی طور پر ذکرِ بالجہر کو حضرات احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا مسلک سمجھ رکھا ہے اور اس کو وہ قرآن کریم، حدیث شریف فقہ اور شروح حدیث سے بزورِ ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ مزید براں انہوں نے بعض حضرات صوفیاء کرام کی عبارتوں سے بھی اس کو مل کرنے کی تاہم سعی کی ہے۔ اور عبارات میں بھی بے انتہا قطع و برید کی ہے اور کم فہمی کا ثبوت کہیں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور اٹل چور کو توال کو ٹڈنڈے کے محاورہ کے مطابق جگہ بگڑا انہوں نے بلاوجہ راقمِ قلم کو خائن ثابت کرنے کی غیر سودمند کوشش کی ہے اس رسالہ میں انہوں نے اپنے نامحاندہ اور بدعت پسند حواریوں کو یہ باور کرانے کی بے جا کوشش کی ہے کہ سرفراز دہلوی ہے اور مسلک احناف کے بالکل خلاف ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اس پیش نظر کتاب کو ٹھنڈے دل سے پڑھنے والے حضرات انشاء اللہ تعالیٰ بخوبی خود اندازہ لگائیں گے کہ سرفراز کا مسلک کیا ہے اور اس کی بنیاد کن ٹھوس دلائل پر قائم ہے؟ اور وہ کن کن بزرگوں کے دامن سے وابستہ ہے؟ اور سرفراز کے اہل مسلک پر طعن کرنے والا کس پر طعن کر رہا ہے؟ سچ ہے ع

جو تھو کے چاند پر کوئی اُسی کے منہ پر پڑتا ہے

(۴) ٹھوس علمی اور تحقیقی مواد سے یکسر خالی ہونے کی وجہ سے مولف مذکور کے رسالہ کی تردید کی مطلقاً ضرورت نہ تھی لیکن پھر یہ خیال برآ کر اکثر عوام الناس بڑے سطحی اور دین کی صحیح سمجھ سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں کہیں وہ اس محقق بالکمال اور متفق بے مثال کے رسالہ سے دھوکا کھا کر نقل کو اصل اور بدعت اور فعل مکروہ کو کار ثواب ہی نہ سمجھ لیں اور قرآن و حدیث کے فتنائے خلاف اور فتنے خفنی کی ہر طرح مخالفت ہی پر کمر بستہ نہ ہو جائیں۔ علاوہ انہیں وہ اس ذکر بالجبر کی وجہ سے کہیں لوگوں کے من و سکون اور چین کو مزید برباد نہ کریں۔ کیونکہ آج کل اکثر ساجد میں لاؤڈ سپیکر موجود ہیں اور جب بھی کسی کا جی چاہتا ہے گلاسٹوار سنوار کر جو چاہتا ہے بڑھتا رہتا ہے اور لوگوں کی نماز تلاوت حتیٰ کہ لوگوں کی نیند اور آرام میں خلل ڈالتا رہتا ہے نرات دیکھتا ہے اور نہ دن و نیاروں کا خیال رہتا ہے اور نہ کسی کے سکون کا بس اپنی ستر تل ہی کی فکر رہتی ہے اور اُسے دن اخبارات میں دفتری لوگوں طالب علموں بیماروں اور اہل محلہ کی فریاد چھپتی رہتی ہے کہ ہمیں اس بے آرامی سے نجات دلائی جائے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوتی حالانکہ ملک میں لاؤڈ سپیکر کا مستقل آرڈیننس موجود ہے مگر حکام کے کانوں پر جوں تک نہیں رہتی اور ان کو یہ ملک کی کوئی آواز اور فریاد سنائی نہیں دیتی گویا وہ کچھ سنتے ہی نہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی جو قیامت کی بعض نشانیوں سے متعلق تھا بالکل پورا ہو گیا۔

وَإِذَا رَأَيْتُ الضَّالِّينَ السَّاعَةَ الْعَمَامِ الْبِكْمِ  
هَلُوكَ الْأَرْضُ الْحَدِيثِ رَمْسُكَوَّةِ جَامِلًا  
کہ جب تم ننگے پاؤں ننگے بدن والوں حق سننے سے  
بہروں حق ہونے سے گونگوں کو زمین پر برسرِ اقتدار  
دیکھو تو جان بوقیامت آگئی

وقال متفق علیہ

یعنی وہ لوگ جو کسی وقت غربت کی وجہ سے ننگے پاؤں چلتے اور ننگے بدن رہتے تھے عوامی دُور میں جب برسرِ اقتدار کجاہیں گے تو حق سننے سے بالکل بہرے اور حق ہونے سے بالکل گونگے ہو جائیں گے۔  
حضرت علامہ ابن القاری الحنفیؒ والتمنیؒ رحمہما اللہ اس کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ لوگ حق سننے اور قبول کرنے سے بہرے اور سچ ہونے سے گونگے ہوں گے ویسے ان کے کان اور ان کی زبانیں بالکل صحیح ہوں گی و مصلحتِ رفات ج ۱ ص ۶ طبع ملتان

(۵) یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے دعا محض عبادت ہی نہیں بلکہ عبادت کا ست پُختہ اور خلاصہ (مُتَمَّعُ الْعِبَادَةِ) ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس سے دعا کے بارے میں قرآن کریم اور احادیث میں اس قدر

وافر ذخیرہ موجود ہے جو شہاد کرنے میں نہیں آسکتا۔ ہمارے اکابر نے فضائل و ذکر پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور سجدہ شریف  
 تعالیٰ بقدر ہمت و وسعت ہم بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف و مشغول رہتے ہیں اور اس کو اپنی بخیر و نجات  
 اور نیز دنیوی فلاح کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں اور حتیٰ الوسع اس پر پابندی اور مداومت سے کار بند ہیں اسی طرح  
 آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فائز گرامی پرورد شریف پڑھنے کو ہم اور ہمارے جملہ اکابر افضل ترین عبادت  
 میں شمار کرتے ہیں اور بقدر توفیق پڑھتے رہتے ہیں اور اس طریقہ سے ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق  
 و محبت کا گہرا لگاؤ قائم رکھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عند القبر آپؐ بنفس نفیس خود صلوٰۃ و سلام سنتے اور  
 جواب دیتے ہیں اور دُور سے فرشتے آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے لیکن ذکر  
 اور ورد شریف پڑھنے کا ہم وہی طریقہ اپناتے ہیں جو قرآن کریم حدیث شریف کے مطابق اور فقہ حنفی کے عین  
 موافق ہے جس کی بقدر ضرورت تفصیل اس پیش نظر کتاب میں باحوالہ درج ہے اور نصف مزاج آدمی کی طبیعت بالکل کافی ہو۔  
 (۶) حضرات صوفیہ اگر کرم کے بعض سلاسل (مثلاً قادریہ اور اویسیہ وغیرہ) میں مبتدی کے لئے ذکر بالجہر کا  
 طریقہ رائج ہے اپنی شرائط کے ساتھ وہ بھی صحیح ہے بنیادی شرطیں یہ ہیں کہ جو مرقط نہ ہو صرف تعلیم کی حد تک  
 ہو کسی نمازی و تلاوت کرنے والے وغیرہ کو اس سے اذیت اور تشویش نہ ہو اگر یہ شرطیں کلا یا بعضاً معقود ہوں۔  
 تو پھر اس کی اجازت نہیں ہے اور اس پر نیز نظر کتاب میں باحوالہ اس کی بحث آرہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ لہذا  
 غلط مبحث علما اور روحانیان حق کی شان کے ہرگز مناسب نہیں ہے۔

(۷) مؤلف مذکور نے راقم کی کتاب تنقیح تین بر تفسیر نعیم الدین کے رو میں بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کا  
 نام انہوں نے توضیح البیان علی خزائن العرفان رکھا ہے اس میں بھی انہوں نے وہی طریق اختیار کیا ہے۔ جو  
 ذکر بالجہر میں اختیار کیا ہے فضول جہرتی اس میں بھی کافی ہے اور خالص دین کے لئے حجم اس کا خاصا نظر آتا ہے  
 مگر علم تحقیق ایسا کی باتیں سمیٹ بہت کم ہیں ذکر بالجہر کے سلسلہ میں ان کے پیش کردہ دلائل کا ناما نا تاو آپ اس پر نیز نظر  
 کتاب دیکھ لیں اور توضیح البیان کی مخالطہ آفرینی کا حشر نشانہ اللہ تعالیٰ تنقیح تین طبع موسوم میں غلط کر لہذا اللہ تعالیٰ تمام  
 مسلمانوں کو صراطِ مستقیم اور توحید و سنت کی شاہراہ پر چلنے کی توفیق اور شرک و بدعت اور کمزوریات کے غلط راستہ پر  
 چلنے سے اجتناب و گریز کی ہمت و رحمت فرمائے کہ من ثم آمین صلی اللہ تعالیٰ علی رسولہ خاتم الانبیاء و اللہ علیہ  
 و علی آلہ و اصحابہ و من تبعہ الی یوم الدین۔

احقر ابو الزاہد محمد رفیع خلیفہ جامع مسجد گھنٹہ و مکس ۷۷ نصرۃ العلوم کوہ انوار۔

۵ جمادی الاول ۱۴۰۷ھ ۲۷ جولائی ۱۹۸۷ء

# باب اول

**قرآن کریم سے آہستہ ذکر کا ثبوت** ہر مسلمان اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ جس مسئلہ پر قرآن کریم سے صریح ثبوت ملتا ہو وہ مسئلہ نہایت ہی قوی اور بہت ہی مدلل ہوتا ہے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس سلسلہ میں قرآن کریم سے اس کا ثبوت عرض کر دیں تاکہ کسی کو علمی اور تحقیقی طور پر کوئی الجھن باقی نہ رہے۔

پہلی آیت کریمہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

ادْعُوا إِلَىٰ مَن تَحِبُّوا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (پہلے اعراف، ۷۷)

تم پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے بیشک وہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو۔

اس آیت کریمہ میں دو امر صراحت سے بیان ہوئے ہیں ایک تَضَرُّعًا اور دوسرا خُفْيَةً اور اس میں اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے کا طریقہ بتایا ہے کہ عاجزی، نرمی اور انکساری کے ساتھ دعا ہو اور اس کے ساتھ آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تجاوز کی حد میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جو عادتاً یا شرم یا محال ہوں جن کو کوئی مانگے یا معاصی اور لغو چیزیں طلب کرے یا ایسا سوال کرے جو اس کی حیثیت اور شان کے مناسب ہی نہ ہو اور ایسے مقام پر جہاں شرم کا ثبوت نہیں بلکہ آواز سے ذکر اور دعا کیے، یہ سب امور اعتدال فی الدعا میں داخل ہیں، باقی امور تو واضح ہیں ان میں کس کو اختلاف ہو سکتا ہے؟ اگر کچھ شک و شبہ اور اختلاف ہو سکتا ہے تو بلند آواز سے دعا اور ذکر بالجہر میں ہو سکتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق چند ضروری حوالے ہم یہاں عرض کر دیں تاکہ حقیقت بالکل بے نقاب اور معاملہ بالکل صاف ہو جائے۔





(ب) فقید الامت سراج الامم حضرت امام ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابتؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ الشیخ ابراہیم الحلبي الحنفی (المتوفی ۱۲۹۷ھ) لکھتے ہیں کہ:-

قال ابو حنیفۃ لیس کلامنا فی مطلق الذکر فانہ امر مرغوب فیہ فی کل الاحیان بل فی الجہر بہ و هو بدعت لقلوبنا تعالیٰ ادعوا ذبکم نصرتنا تحفیہ الا ما استثناه الشرع فاذا تعارضت الادلۃ فی مقدار المستثنی نأخذ بالاقل والعمل فیما وراءہ بالاصل هو الاحتیاط اذ فیہ الجمع بین الادلۃ وبہذا اظہر انہ لا وجه لمن جعل الفتویٰ علی قولہما (۱) غنیۃ المستملی ۳۳۰ و ۳۳۱ طبع حمید دیوبند

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہماری گفتگو مطلق ذکر میں نہیں ہے کیونکہ وہ تو تمام اوقات میں ایک پسندیدہ امر ہے بلکہ ہماری گفتگو جہر کے بارے میں ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے رب کو پکارو عاجزی سے اور چپکے چپکے مگر وہاں جہاں شرع نے مستثنیٰ کیا ہے پس جب مستثنیٰ کی متعاضد میں دلائل متعارض ہیں تو اقل یا جائے گا اور اس کے علاوہ اصل پر عمل کیا جائے گا احتیاط بھی یہی ہے اور اسی سے ظلال بھی آپس میں جمع ہوتے ہیں اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ جن حضرات نے حضرات صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ کی بنیاد رکھی ہے اس کی کوئی محقول وجہ نہیں ہے۔

تکبیر شریقی کی بحث اور حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف نیز کمیری کی ایک اور مفصل عبارت اپنے مقام پر آگے آئے ہیں ہے انشاء اللہ العزیز اس مقام پر جو بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بھی اُدْعُوا ذبکمُ الْآیۃ سے ذکر بالجہر کی ممانعت ہی سمجھی ہے اور وہ اس کو بدعت فرماتے ہیں کہ اصل اذکار میں اخفاء ہے ہاں صرف اس مقام میں جہاں شریعت نے جہر کا حکم دیا ہے وہاں جہر ہوگا ورنہ عمل اصل پر ہوگا حضرت امام صاحبؒ کے اس ضابطہ کو فقہار احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے پوری طرح ملحوظ رکھا ہے چنانچہ امام محمد بن احمد مرسخی الحنفی (المتوفی ۱۲۲۸ھ) حج و عمرہ کے موقع پر بلند آواز سے تلبیہ پڑھنے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

والمستحب عندنا فی الاذکار والدعاء ہمارے نزدیک اذکار اور دعا میں مستحب یہ ہے

الخفية إلا فيما تعلق باعلانه مقصود  
كالاذان للاعلام والخطبة للوعظ و  
تكبيرات الصلوات لاعلام للمعوم  
والانتقال والقرأة لاسماع المؤتم  
فالتلبية للتشروع فيما هو من اعلام  
الدين فلهذا كان المستحب رفع  
الصوت به. (بمسطوط بطبع مصر)

ہے۔

کہ آہستہ ہوں مگر جس چیز کا اظہار و اعلان مقصود ہو  
جیسے اذان اعلان کے لئے اور خطبہ و وعظ کے لئے اور  
نماز کی تکبیریں تحریر صلوة اور انتقال ارکان بتانے  
کے لئے اور قرأة متقدمی کے سنانے کے لئے پس  
تلبیہ اس چیز کے شروع کے لئے ہے جس کا دین میں  
اظہار مقصود ہے پس تلبیہ میں آواز بلند کرنا مستحب  
ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرات فقہار احناف کا یہ ضابطہ ہے کہ جہاں اذان میں مقصود اعلان  
و اظہار ہے مثلاً اذان و تلبیہ اور خطبہ وغیرہ تو ایسے مواقع میں بلند آواز سے پڑھنا مقصود ہے ورنہ  
ذکر اور دعائیں احناف کے ہاں مستحب طریقہ ہی یہ ہے کہ آہستہ ہو اور جہر نہ کیا جائے امام اکل الدین  
محمد بن محمود البیہقی الحنفی (المتوفی ۷۶۶ھ) لکھتے ہیں۔

المستحب عندنا في الدعاء والاذكار  
الاخفاء ألا اذا تعلق باعلانه مقصود  
كالاذان والخطبة وغيرهما والتلبية  
للاعلام بالشروع فيما هو من اعلام  
الدين فكان رفع الصوت بها مستحب  
والغناية بـ ۱۳۷ مطاوع ففتح القديري طبع مصر

یہ حوالہ بھی اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔  
حافظ ابن الہمام محمد بن عبد الواحد الحنفی (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ۔

والاصل في الازكار الاخفاء والجمهر بها بدعة (فتح القدير ج ۱ ص ۳۳۳ طبع مصر) اصل اذان میں  
اخفاء ہے اور جہر سے ذکر کرنا بدعت ہے اور علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن سعید انکاسانی الحنفی (۸۹۸ھ)  
لکھتے ہیں کہ۔

ولان الاصل في الازكار هو الاخفاء والا  
اصل اذان میں اخفاء ہے مگر اس جگہ جہاں شریعت

فیما ورد التخصیص فیہ اھدرا البدل والاضائع میں جب کہ تخصیص وارد ہو۔

ج ۲۶ ص ۷

اور حضرت مولانا عبدالحی الہی اللہ عنہم الحنفیؒ والمتوفی ۱۳۰۷ھ، حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے تکیہ عید الفطر کے بارے لکھتے ہیں کہ:-

وله ان الاصل فی الذکر الاخفاء کما یدل علیہ قوله تعالیٰ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ الآية وقد ورد الشرع بالجہر فی عید الاضحیٰ فیتقصر ذلک علی موردہ انہی رعمدة الرایة ج ۱ ص ۲۲

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل ذکر میں اخفا رہے جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اور ذکر کر اپنے رب کو اپنے دل میں دلالت کرتا ہے اور شریعت میں جہر عید الاضحیٰ کے موقع پر وارد ہوا ہے اس لئے جہر اپنے مورد پر ہی بند ہوگا۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ذکر کے لئے اصل قاعدہ یہی ہے کہ وہ آہستہ ہو اور اس پر وہ قرآن کریم کی نص قطعی سے دلالت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ مقامات اس سے مستثنیٰ ہیں جہاں خود شریعت نے جہر کا حکم دیا ہے اور لفظ اَدْعُوا نے امام صاحبؒ اس کا اہم فرد ذکر مراد لے رہے ہیں جس طرح کہ حضرت ابن سعونے بھی اس سے ذکر مراد لی ہے جن کہ فیہوں نے اَدْعُوا کے لفظ سے صرف دعا سمجھی ہے اور اس سے ذکر مراد لینے والوں کو کو سا ہی نہیں بلکہ عباد اللہ تعالیٰ تحف قرآن شریف گرداننے کی تمام سعی کی ہے کیا وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بھی تحف قرآن سمجھتے ہیں ہاں عیاذ باللہ تعالیٰ اور کیا وہ دیگر مفسرین کرامؒ کو بھی یہی خطاب دیں گے، مثلاً حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ ر المتوفی ۱۲۲۵ھ، تحریر فرماتے ہیں:-

اَدْعُوا رَبَّكُمْ یعنی اذکر وہ واعبد وہ واسئلوا منہ حواجکم تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۴

اَدْعُوا رَبَّكُمْ کا معنی یہ ہے کہ تم اس کا ذکر کرو اور اس کی عبادت کرو اور اس سے اپنی حاجتیں طلب کرو۔

(ج) حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ اس آیت کریمہ کی طویل تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں:-

ثم اجمع العلماء علی ان الذکر سراً هو الافضل والجہر بالذکر بدعة

پھر اس پر علماء کا اجماع ہے کہ ذکر آہستہ ہی بہتر ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے مگر ان جگہوں میں

ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے مگر ان جگہوں میں  
جن میں خصوصیت سے جہر کی حاجت پیش آئے  
مثلاً اذان اور اقامت اور تکبیرات تشریق اور  
لام کے لئے نماز میں انتقال کے لئے تکبیریں اور  
جب کوئی ضرورت پیش آئے تو مقتدی کا تسبیح  
کہنا اور حج میں تمبیہ اور اسی کی مانند اور مواقع۔

الا فی مواضع مخصوصة مستی  
الحاجة فیہا الی الجہر بہ کالاذان  
والاقامة وتکبیرات التشریق و  
تکبیرات الانتقال فی الصلوة  
للامام والتسبیح للمقتدی اذا ناب  
نائبة والتلبیة فی الحج ونحو ذلک  
(تفسیر منطہری ج ۳ ص ۴۴)

اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ علماء اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ذکر آہستہ ہونا چاہیئے۔  
اور یہی افضل ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے، اہل جن جن مقامات میں شریعت سے ذکر بالجہر ثابت ہے  
مثلاً اذان وغیرہ تو وہ امور اس سے مستثنیٰ ہیں اور جو امور شرعاً مستثنیٰ نہیں وہ سب اس قاعدہ کی زد  
میں ہیں، اس عبارت میں جامع العلماء کے الفاظ بصراحت موجود ہیں لیکن یہ تصریح اور تعیین نہیں کہ علماء  
سے کون بزرگ اور کس دور اور کس زمانہ کے حضرات مراد ہیں؛ لیکن حضرت قاضی صاحب نے اس  
کی بھی تصریح فرمادی ہے اور معاملہ کو مبہم نہیں چھوڑا وہ فرماتے ہیں۔

اور اصل اذکار میں اخفاء ہے اور جہر سے ذکر کرنا  
بدعت ہے پس جب جہر کے سلسلہ میں تعارض  
واقع ہو تو اقل کو ترجیح دی جائے گی اور اس پر کماہستہ  
ذکر افضل کہے اور اس پر کہ حضرات صحابہ  
کرامؓ اور تابعینؓ کا اس پر اجماع ہے دلیل حضرت  
حسن بصریؒ کا یہ ارشاد ہے کہ بے شک آہستہ  
دعا میں اور بلند آواز سے دعا میں ستر گنا فرق ہے  
اور بلاشبہ مسلمان دعا میں کوشش کرتے تھے اور  
حال یہ تھا کہ ان کی آواز نہیں سنی جاتی تھی ان کی دعا  
ان کے اور ان کے رب کے درمیان نہایت آہستہ

والاصل فی الاذکار الاخفاء الجہر بہا  
بدعة فاذا وقع التعارض فی الجہر  
یرتفع الاقل ویدل علی کون ذاکوا البسر  
افضل ومجمعا علیہ من الصحابة و  
من تبعہم قول الحسن ان بین دعوة  
البسر ودعوة العلانية سبعون ضعفا  
ولقد کان المسلمون یجتہدون فی  
الدعاء وما یسمع لہم صوت ان کان  
إلا ہسابینہم و بین ربہم و ذلک ان  
لہ سبحانہ و تعالیٰ یقول اذعوا ذکم

تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً وَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى ذَكَرَ  
عَبْدًا أَصْلَحًا رَضِيَ فَعَلَهُ فَقَالَ  
إِذَا نَادَى رَبَّهُ يَدْعُهُ خَفِيًّا وَابْصُرْ  
يَدُلُّ عَلَى أَفْضَلِ الذِّكْرِ الْخَفِيِّ حَدِيثُ  
سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ  
الذِّكْرِ الْخَفِيُّ وَخَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي  
رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ حِبَّانَ وَابْنُ أَبِي هَتَمٍ  
شُعَبُ الْإِيمَانِ دَفْعُ غَيْرِ مَظْهَرِي بِمِثْلِهِ  
ص ۳۰

ہوتی تھی اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد  
ہے تم اپنے رب کو پکارو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے  
چپکے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک نیک  
بنامہ حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام  
کا ذکر فرمایا جس کے فعل پر وہ راضی ہے کہ جب اس  
نے اپنے رب کو پکارا تو آہستہ پکارا اور نیز ذکر  
خفی کے افضل ہونے پر حضرت سعد بن ابی وقاص  
کی روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی  
اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہترین  
ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرے

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس اجماع سے حضرات صحابہ کرام اور حضرات تابعین کا اجماع مل رہا ہے  
اور حضرت حسن بصری کے ارشاد سے ثابت ہوا کہ مسلمان نہایت کوشش اور دلجمعی کے ساتھ دعا کیا  
کرتے تھے لیکن ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی ان کی عاجزی و ذلّت اور مناجات جو کچھ بھی ہوتی تھی وہ  
صرف اپنے پروردگار کے ساتھ ہوتی تھی اور اس کی صفت عَلِيْهِمْ بَرَآءَاتُ الصُّدُوْر اور عَلِيْكُمْ  
الْتِمَسُوْا خُفْيً ہے کہ وہ دلوں کے بھید بھی جانتا ہے اور آہستہ اور آہستہ تریات کو بھی جانتا ہے تو اس  
کے سامنے چلانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور آہستہ ذکر کے افضل ہونے پر اس عبارت میں علامہ اَدْعُوْا  
رَبَّكُمْ بِالْآيَةِ کے دو آیتیں اور ایک حدیث اس مضمون کی مزید تاکید اور تائید میں نقل کی گئی ہیں اس حدیث  
کی کچھ مزید وضاحت آگے آ رہی ہے انشاء اللہ العزیز، اس کے بعد آگے فرماتے ہیں:-

فَصَلِّ اَعْلَمَ الذِّكْرِ عَلَى ثَلَاثِ مَوَاقِبَ  
اَحَدُهَا الْجَهْرُ وَرَفْعُ الصَّوْتِ بِهَا وَذَلِكَ  
مَكْرُوْهُ اَجْمَاعًا اِلَّا اِذَا دَعَتْ اِلَيْهِ  
دَاعِيَةٌ وَاَقْتَضَتْهُ حِكْمَةٌ فَيُحْسِنُ ذِكْرًا  
يَكُوْنُ اَفْضَلَ مِنَ الْاِخْفَاءِ كَالَاَذَانِ  
فصل، تو جان لے کہ ذکر کے تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ  
ذکر بالجہر کا ہے اور یہ بالا جماع مکروہ ہے مگر  
وہاں جہاں جہر کی ضرورت پیش آئے اور حکمت بھی  
اس کا تقاضا کرے پس اس وقت جہر اخفائے  
بلاشبہ افضل ہے مثلاً اذان اور لمبیہ وغیرہ۔

والتلبية ونحو ذلك اھ (نظری ترجمہ ص ۴۵)

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم اور طلب کے لحاظ سے بالکل ظاہر ہے مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے، اس کے بعد انہوں نے دوسرے مرتبہ الذکر باللسان یعنی زبان کے ساتھ ذکر کا بیان کیا ہے آگے فرماتے ہیں :-

وَاللَّهَا الذِّكْرُ بِالْقَلْبِ وَالسُّرُوحِ وَالنَّفْسِ وَغَيْرِهَا الَّذِي لَا مَدْخَلَ فِيهِ لِللسانِ وَهُوَ الذِّكْرُ الْخَفِيُّ الَّذِي لَا يَسْمَعُهُ الْحَفِظَةُ أَخْرَجَ أَبُو يَعْقُبٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ الَّذِي لَا يَسْمَعُهُ الْحَفِظَةُ سَبْعُونَ ضِعْفًا إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اھ (نظری ترجمہ ص ۴۶)

اور میرا اور جو دل روح اور نفس وغیرہ کے ساتھ ذکر کرتا ہے کہ زبان کا اس میں کوئی دخل نہ ہو اور وہ ذکر خفی ہے جس کو اعمال لکھنے والے فرشتے بھی نہیں سنتے چنانچہ محدث ابو یعلیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آہستہ ذکر جن کو کراہا کہتے ہیں بھی نہیں سنتے قیامت کے دن شتر گنا بڑھا ہوا ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دل اور نفس میں جو ذکر ہوتا ہے جس میں زبان کو حرکت نہیں دی جاتی وہ بھی بتحقیق حضرت قاضی صاحب وغیرہ ذکر ہے اور اس کو کراہا کہتے ہیں بھی نہیں سنتے اس ذکر کا تعلق صرف اس ذات کے ساتھ ہوتا ہے جو علیم وخبیر اوعلیم بذات الصدور ہے اور اس سے دل کے وساوس اور خطرات بھی مخفی نہیں حضرات صوفیاء کراہم کے ہاں دل کی صفائی کے لئے یہ ذکر معمول رہا ہے چنانچہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی (المتوفی فی حدود ۸۵۰ھ) حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الحق والدین قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ذکر خفی میں دم بند کر کے ذکر کرے جب تک ہو آہستہ سے ناک کی راہ سے سانس لے پھر منہ بند ہی رکھے ایسے اشغال سے دل صاف ہو جاتا ہے اھ (منفتح العاشقین)

بعض کو آہ فہم لوگوں نے ذکر بالجہر کی آہستہ ذکر پرفضیلت کے سلسلہ میں تیش وجوہ پیش کی ہیں جن میں سے بعض تو علماء کرام سے ماخوذ ہیں اور بعض کے بارے میں ان کا یہ ادعا ہے کہ القائل ہیں جو ان کمال پر اتقاد ہوئی ہیں اور ان کی تشریح تیش پر ہی ختم ہو گئی ہے لیکن اس کے برعکس حضرت حسن بصری (رجو الامام شیخ الاسلام ثقہ حجت اور مامون تھے المتوفی ۱۱۰ھ) تذکرۃ الحفاظ ص ۴۸ فرماتے ہیں کہ آہستہ ذکر کی ذکر بالجہر پر شتر گنا فضیلت ہے اور اوپر کی حدیث سے بھی یہ ثابت ہے۔ اب کون امتی ہوگا جو حدیث اور حضرت حسن بصری

کے ارشاد کو خود تراشیدہ اور سینہ زار القائے باتوں کے لئے چھوڑے گا؟ ایسی باتوں کے لئے بھی موزون ہے کہ عیٰ اللہ اگر بھینک دو باہر گلی میں۔ حضرت امام حسن بصریؒ بھی ارشاد کر مسلمان پوری وسعت اور ہمت سے دعا کیا کرتے تھے لیکن ان کی آواز نہیں سُنی جاتی تھی اور قرآن کریم کی دو آیتوں لا اذعوا ذبکم الایۃ اور اذ نادى رَبُّهُ نِدَاءً حَقِيقًا سے ذکر بالستر یہ استدلال کا تذکرہ تفسیر خازن ج ۲ ص ۲۱۱ طبع مصر تفسیر روح المعانی ج ۸ ص ۱۳۰ طبع مصر تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۱ طبع مصر اور تفسیر کبیرہ ج ۱ ص ۱۳۱ طبع مصر میں بھی موجود ہے اور تفسیر کبیرہ میں یہ بھی مذکور ہے۔

الحجة الرابعة قوله عليه السلام  
دعوة في السر تعدل سبعين دعوة  
في العلانية وعنه عليه السلام خير  
الذكر الخفي وخير الرزق ما يكفي  
جو حقی حجت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
کا ارشاد ہے کہ آہستہ ایک دفعہ کی دعا بلند آواز  
سے ستر تر تہ دعا کے برابر ہے اور نیز آپ کے ارشاد  
فرمایا کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین  
رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔ (ج ۱۳ ص ۱۳۱)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ آہستہ دعا کے بلند آواز سے دعا پر ستر گنا ثواب زیادہ ہونے پر صرف  
حضرت حسن بصریؒ کا قول و ارشاد نہیں بلکہ بقول امام رازمیؒ اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بھی موجود ہے اور یہی حدیث ہے جس کا ذکر تفسیر مظہری کے حوالہ سے پہلے ہو چکا ہے۔  
(۵) حضرت امام ابو حنیفہؒ کا اس آیت کریمہ سے اخفاء دعا پر استدلال اس قدر واضح ہے کہ امام ابو  
عبداللہ محمد بن عمر فرزدین الرازی الشافعیؒ والمتوفی ۲۶۶ھ نے فقہی مسلک کے اختلاف اور منطقی  
اور فلسفی ہونے کے باوجود امام صاحبؒ کے استدلال کو صرف صحیح اور درست ہی تسلیم نہیں کیا بلکہ سپر  
ثمال کران کے ہمنوا ہو گئے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

قال ابو حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ اخفاء  
التأمین افضل وقال الشافعی رحمہ اللہ  
تعالیٰ اعلانه افضل واحتم ابو حنیفة  
رحمہ اللہ تعالیٰ علی صحة قوله قال  
فی قوله آمین وجہان احدهما انه  
امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آہستہ آمین کہنا افضل  
ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا اظہار کرنا  
افضل ہے امام ابو حنیفہؒ نے اپنے قول کی صحت پر  
یوں استدلال کیا ہے کہ آمین دو وجہیں ہیں  
پہلی یہ کہ وہ دعا ہے اور دوسری یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ



دعاء والثانی انه من اسماء الله تعالى فان كان دعاءً وجب اخفاؤه لقوله تعالى اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً وان كان اسماً من اسماء الله تعالى وجب اخفاؤه لقوله تعالى وَاذْكُرْ سَبَّأَكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً فَإِنْ لَمْ يَثْبُتَ الْوَجُوبُ فَلَا اَقْلَ مِنَ التَّذَبُّبَةِ وَنَحْنُ بِهَذَا الْقَوْلِ نَقُولُ -

کے ناموں میں سے ہے پس اگر تین دعائے توبہ واجب ہے کہ آہستہ پڑھی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہو تب بھی اس کا اخفاء واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی سے اور دلالت ہوئے سو اگر وہ خوب ثابت نہ ہو تو احتیاج کیا کم ہوگا؟ اور ہم بھی اسی قول کے قائل ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۳ ص ۱۳۱ طبع مصر)

اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ امام فخر الدین الرازی کے نزدیک امام ابو حنیفہ کا کا دو نول آیتوں سے اس بات پر استدلال صحیح ہے کہ دعا بھی آہستہ ہو اور ذکر اللہ بھی آہستہ ہو اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ امام رازی آہستہ آہستہ کہنے کے حق میں ہیں اور اس سلسلہ میں وہ حضرت امام ابو حنیفہ کے مسلک اور دلیل کو دھن بہذا القول نقول کہتے ہوئے ترجیح دیتے ہیں۔

(۸) حضرت عبداللہ بن مسعود کے بعد جس طرح حضرت امام ابو حنیفہ اور دیگر فقہاء اخاف کثر اللہ جامعہ حتیٰ کہ حضرت امام رازی الشافعی بھی اس آیت کریمہ سے ذکر جہر اور جہر بالعداء کو حدود شرع سے متجاوز سمجھتے ہیں اسی طرح مشہور غیر مقلد عالم قاضی محمد بن علی الشوکانیؒ (المتوفی ۱۲۵۰ھ) بھی بلند آواز سے دعا کرنے کو حدود شرعیہ سے متجاوز سمجھتے ہیں چنانچہ وہ اس آیت کریمہ کے آخری حصہ اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

ومن الاعتداء في الدعاء ان يسأل الداعي ما ليس له كالخلود في الدنيا او ادراك ما هو محال في نفسه او يطلب الوصول الى منازل الانبياء في الآخرة او يرفع صوته بالدعاء

اور دعائیں متجاوز کرنا یہ بھی ہے کہ دعا کرنے والا ایسی چیز کا مطالبہ کرے جو اس کو حاصل نہیں ہو سکتی مثلاً یہ کہ دنیا میں ہمیشہ رہنے کی دعا کرے یا ایسی چیز کے حاصل کرنے کی دعا کرے جو فی نفسہ محال ہو یا آخرت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

صاحب دہلی تفسیر فتح القدیر ج ۲ ص ۲۱۳ طبع مصر

والسلام کے درجہ کو پہنچنے کی دعا کرے یا بلند آواز سے چلا کر دعا کرے۔

آخر کے خط کشیدہ الفاظ اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل صاف اور واضح ہیں۔ غیر مقلدین حضرات کو کو بھی قاضی شوکانی کا یہ حوالہ پیش نظر رکھنا چاہیے جن کے علم و تحقیق پر وہ اعتماد کرتے ہیں۔ الغرض قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ذکر بالجہر اور بلند آواز سے دعا کرنے کی نفی کرتی ہے اور اس سے ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر استدلال ماوشما کا نہیں تاکہ اس میں کثرت نکالے جائیں بلکہ حضرت ابن مسعود اور فقیہ امت حضرت امام ابو حنیفہ اور دیگر اکابر فقہاء احناف کا ہے اب جس کا جو جی چاہے کرے اور جس کی آچاہے مانے کیونکہ عیسیٰ اپنا اپنا امام اپنا اپنا۔

حافظ ابن قیم (ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر) المتوفی ۷۵۰ھ آہستہ دعا کرنے کے بارے میں دس فوائد و حکمتیں بیان کرتے ہیں جن کا نہایت مختصر سا خلاصہ یہ ہے (۱) آہستہ دعا کرنا ایمان کی بڑی عظمت ہے (اعظمہ ایمانا) (۲) اس سے ادب کا بہت بڑا پہلو نمایاں ہوتا ہے (اعظمہ فی الادب) (۳) عاجزی اور خشوع میں یہ بہت بڑا دخل رکھتا ہے (۴) اخلاص میں اس کا بہت بڑا دخل ہے۔ (۵) اس سے اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں جمعیت قلب ہوتی ہے (۶) آہستہ دعا کرنے والے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کا تعلق نمایاں ہوتا ہے (۷) یہ دوام طلب کی طرف ہمت داعی ہے (ادعی الی دوام الطلب) (۸) یہ خشوع کو قطع کرنے والے اسباب اور شوشتات سے بعید تر ہے۔ (۹) حساد کے مکر سے بعید تر ہے (۱۰) دعا چونکہ ذکر ہے اور اس کا اخفاء اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ثابت ہے، لہذا دعا دہی بھی آہستہ ہو۔ (مصلحہ مائع الفوائد ج ۲ ص ۲۷۹)

اعتراض اور اس کا جواب :-

مفتی احمد یار خاں صاحب نے اس آیت کریمہ سے استدلال کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ اولاً تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ ہر ذکر الہی کا اور واقعی دعا خفیہ ہی کرنا افضل ہے تاکہ اخلاص تام ہو (الجزء الحقیقی ص ۳۳۲) اس کے بعد دعا کے خفیہ افضل ہونے پر تفسیر روح البیان اور خازن کی عبارت میں نقل کی ہیں جو کہ ہماری تائید میں ہیں نہ کہ تردید میں لیکن مفتی احمد یار خاں صاحب کا یہ کہنا نری دفع الوقتی ہے، اولاً اس لئے کہ فقیہ امت حضرت امام ابو حنیفہ نے اس آیت کریمہ سے ذکر بھی مراد لی ہے کیا ان کے نزدیک

حضرت امام صاحب کا یہ استدلال صحیح ہے یا غلط؟ فیصلہ انہیں پر ہے اور کیا دعا کی طرح ذکر میں اخلاص تام مطلوب نہیں ہے؟ وثانیاً اس لئے کہ جن بعض مفسرین کلام نے اُدْعُوا کا معنی اُکھڑا سے کیا ہے مثلاً قاضی ثناء اللہ صاحب وغیرہ تو مفتی صاحب اس کو کہاں لے جائیں گے؟ کیونکہ قرآن کریم کی تفسیریں اور بھی ہیں صرف روح البیان وغیرہ ہی نہیں۔ اور دوسرا جواب یہ دیکھئے کہ یا یہ مراد ہے کہ بعض حالات میں ذکر الہی خفیہ طور پر بہتر ہے یعنی اُدْعُوا سے مراد ذکر الہی ہے اور یہ امر استحبابی ہے اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے لفظ جار الحقیقہ ۳۳) اس کے بعد انہوں نے تفسیر خازن کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کر کے پھر اس کا ترجمہ کیا ہے لیکن اس کا تعلق عام عبادات اور طاعات سے ہے خصوصی طور پر ذکر سے اس کا مطابق تعلق نہیں ہے۔ اس عبارت میں مفتی صاحب نے ایک بات تو سجا کہی کہ اُدْعُوا سے مراد ذکر الہی ہے لیکن اس میں بھی انہوں نے حقیقت شناسی سے کام نہیں لیا، اولاً اس لئے کہ اس آیت کریمہ سے صرف ذکر الہی ہی کیوں متعین کر لیا گیا؟ اس سے ذکر دعا اور اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کی حاجت طلب کرنا وغیرہ کیوں نہ مراد لی جائے کہ یہ سب پر شامل اور محتوی ہو؟ اور اہل علم جانتے ہیں کہ ذکر دعا کے معارض نہیں اور نہ دعا اور ذکر کا تضاد ہے کہ ایک کے مراد لینے سے دوسرا رد نہ ہو سکے؟ وثانیاً اس لئے کہ امر مطلق واجب کے لئے ہوتا ہے۔ حضرت ملا جیون الشیخ احمد الحنفی (المتوفی ۱۱۳۳ھ) لکھتے ہیں:-

موجب الامر الوجوب فقط عند العامة      کہ امر کا اثر اور حکم جو اس سے ثابت ہے اکثر کے (نور الانوار ص ۳)

مفتی صاحب کو بغیر کسی قرینہ صارفہ کے اس کو استحباب پر حمل کرنے کی کیا مصیبت پڑی ہے؟ اور پھر حضرت امام ابو حنیفہؒ بلند آواز سے ذکر کرنے کو اس آیت کریمہ کے تحت اللہ تعالیٰ کے امر کے مخالف اور بدعت کہتے ہیں یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس مقام میں امر سے مراد امر وجوب ہے نہ کہ استحباب کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کا لازم آنا اور کسی چیز کا بدعت ہونا صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ امر وجوب کا ہو کیونکہ استحباب پر عمل نہ کرنے سے نہ تو اللہ تعالیٰ کی مخالفت لازم آتی ہے اور نہ چیز بدعت ہوتی ہے کالانحی و ثانیاً مفتی صاحب نے جو یہ کہا کہ اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے تو یہ بھی اصول خفیہ سے بے خبری کا نتیجہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک

اذکار اور دعاؤں میں اصل ہی اخفاء ہے جو چیز اصل پر ہو وہ بعض اوقات کے لحاظ سے نہیں ہوتی وہ ہر وقت ہوتی ہے ہاں اس کے مد مقابل ذکر بالجہر میں بعض اوقات کو ملحوظ رکھا جائے گا اور وہ ایسے مقامات ہیں جہاں شرعاً جہر ثابت ہے جس کی بقدر ضرورت تفصیل اسی کتاب میں مذکور ہے۔  
**مؤلف ذکر بالجہر کی بوکھلاہٹ :-**

اس قطعی الدلالت آیت کریمہ سے گلو خلاصی کے لئے مؤلف مذکور نے جو مخلص تلاش کیا اور انتہائی غضب اور غصہ میں بدحواس ہو کر جو کچھ لکھا وہ بھی قابل دید ہے وہ لکھتے ہیں کہ علماء کی عبارت میں تو آپ کثر بیونت کرتے ہی تھے اب خیر سے قرآن میں بھی تحریف شروع کر دی بتلایے سرفراز صاحب قرآن کریم کی اس آیت میں وہ کونسا لفظ ہے جس کا ترجمہ آپ نے ذکر کیا ہے اس آیت میں دعائاً لنگنے کا طریقہ بتلایا ہے اور اذْعُوْا کا ترجمہ ہے دعائاً لنگو آپ نے اس میں ذکر کا چور دروازہ کیسے اور کس قاعدہ کے تحت تلاش کر لیا اور آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ آپ اللہ کے کلام میں اپنی ہوس اور من مانی بدعات کی گنجائش نکال لیں، اس آیت کے تحت لکھتے وقت اگر کچھ میتیں نہیں تھا تو اپنے حکیم الامت کا ترجمہ ہی دیکھ لیا ہوتا جو لکھتے ہیں تم اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلّل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی انتہی ۱۷ مطبوعہ تاج کپہنی (ذکر بالجہر منہ)

**الجواب :-** جناب غصہ شکوک و شبہ علم اور تحقیق کے میدان میں غصے کا کیا کام؟ معاف رکھیے (معاذ اللہ تعالیٰ) ہم نے اس آیت کریمہ میں اذْعُوْا کا ترجمہ ذکر کرنے کی کثر بیونت اور تحریف حضرت امام ابو حنیفہؒ بلکہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فقہاء احناف اور حضرت قاضی ثنائیؒ صاحب سے سیکھی ہے بلکہ مفتی احمد یار خاں صاحب بھی دوسری تفسیر کے لحاظ سے ہمارے ہمنوا ہیں اور ہم نے اس چور دروازہ کو تلاش کر لیا ہے جس کو حضرت ابن مسعودؓ، حضرت امام ابو حنیفہؒ اور فقہاء احناف نے ڈھونڈ نکالا ہے اور مفتی صاحب بھی اسی چور دروازہ سے داخل ہوئے ہیں معاف رکھیے ہم نے کوئی نیا چور دروازہ نہیں تلاش کیا، اور سجد اللہ تعالیٰ ترجمہ کرتے وقت حکیم الامت مولانا محمد شرف علی صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) کا ترجمہ بھی پیش نظر تھا اور دیگر تراجم اور تفسیریں بھی جن میں سے بعض کے حوالے آپ کی ضیافت طبع کے لئے پیش کر دیئے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

**دوسری آیت کریمہ**

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

وَذَكَرْكَ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَ  
دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْعُدُوِّ وَالْأَصَالِ  
وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ (ہرپ، الاعراف، ۲۳)

اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی کرتے  
ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز سے جو بیکار  
کر ہونے سے کم ہو صبح اور شام کے اوقات میں  
اور نہ ہو تو غافلوں میں سے۔

اس آیت کریمہ میں یہ حکم اور سبق دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنے دل میں اور سب سے  
کیا جائے، حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس آیت کریمہ سے بھی ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر استدلال کیا ہے،  
چنانچہ ابو حنیفہ ثانی زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفیؒ (متوفی ۱۵۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:-  
فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَفَعَ الصَّوْتَ بِالذِّكْرِ  
بِدَعْوَةٍ وَمُخَالَفَ الْأَمْرِ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى  
وَذَكَرْكَ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً  
وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ فَيَقْتَضِي عَنِ  
مُورِدِ الشَّرْحِ ۲۶  
رجوع الی رائق ج ۱ صفحہ ۱۵۹ طبع مصر  
کرنابعدت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے  
مخالف ہے کہ تو اپنے رب کا اپنے دل میں ذکر کر  
عاجزی سے ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو بیکار  
کر ہونے سے کم ہو پس جہر و اہل بند ہوگا جہاں  
شریعت نے جہر کا حکم دیا ہے۔

پوری عبارت انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر آ رہی ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت  
امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق میں بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم اور ارشاد کے  
مخالف ہے اور اس آیت کریمہ میں صراحت کے ساتھ ذکر کا تذکرہ ہے اور چہرہ دروازہ بھی کوئی نہیں  
ہے۔ امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النفی الحنفیؒ (متوفی ۵۳۰ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-  
وَذَكَرْكَ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ هُوَ عَامٌ فِي الذِّكَارِ  
مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَالِدَعَاءِ وَالتَّبِيحِ  
وَالْتَهْلِيلِ وَغَيْرِ ذَلِكَ .  
اور تو ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں کا ارشاد تمام  
اذکار میں عام ہے قرأتِ قرآن دعا تبیح اور تہلیل  
وغیرہ سب کو یہ شامل ہے۔

تفسیر مدارک ج ۲ صفحہ ۹۲ طبع مصر

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کا لفظ کسی مخصوص ذکر اور ورد سے مقید نہیں بلکہ قرآن کریم کی تلاوت

وَعَلَى سُبْحَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ اعْلَى مِنْهُمَا وَغَيْرِهِ سَبَّحَ لَمْ يَكُنْ يَدْعُوهُ اس کے بعد صفا مبارک لکھتے ہیں :-  
 وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ وَتَكْلِمًا كَلَامًا دُونَ اور جہر سے کم قول کا یہ مطلب ہے کہ ایسا کلام ہو جس  
 الْجَهْر لَانِ الْاِخْفَاءِ اَدْخَلَ فِي الْاِخْلَاصِ میں جہر نہ ہو کیونکہ اخفاء کا اخلاص میں زیادہ دخل  
 وَاَقْرَبُ اِلَى حَسَنِ التَّفْكِيرِ ہے اور عمدہ طریقہ سے فکر کرنے کے بھی یہ زیادہ قریب  
 (تفسیر صد ارک ج ۲ ص ۳۹) ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تلاوت ہو یا دعا علیٰ تسبیح و تہلیل ہو یا کوئی اور ذکر سب میں اخفاء  
 مطلوب ہے کیونکہ اخلاص میں بھی اس کا زیادہ دخل ہے اور عمدہ طریقہ سے اس پر غور و فکر کرنے کا  
 موقع بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے بعض مطلب پرستوں نے تفسیر مبارک کا پہلا حوالہ تو ذکر کر دیا ہے  
 اور یہ ساتھ والا دوسرا حوالہ نہیں بیان کیا تا کہ ان کے نفسانی مسلک کی قلعی نہ کھل جائے کیا یہ بھی  
 کوئی علمی خدمت اور دیانت ہے ؟

مشہور مفسر امام محمد بن جریر الطبری (متوفی ۳۲۰ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں طویل تشریح کرتے  
 ہوئے معروف تابعی حضرت مجاہد بن جبر جو الامام اور الحافظ تھے (متوفی ۱۰۴ھ) کی تفسیر یوں نقل کرتے ہیں  
 قَالَ مُجَاهِدٌ اَمْرًا اِنْ كَرِهَ فِي الصَّدُورِ کہ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ  
 تَضَرُّعًا وَخِيفَةً (تفسیر ابن جریر ج ۹) تعالیٰ کا اپنے دلوں میں عاجزی سے اور ڈرتے  
 ہوئے ذکر کریں۔ (طبع مصر)

اور الامام الحافظ عبد الملک بن عبد العزیز بن جریر (متوفی ۲۵۵ھ) سے اس کی تفسیر نقل کرتے ہیں :-  
 قَالَ يُؤْمَرُ فِي الدُّعَاءِ بِالتَّضَرُّعِ وَالِاسْتِكَانَةِ کہ عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا کرنے کا حکم  
 وَيُكْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ وَالنِّدَاءُ وَالصِّيَاحُ دیا گیا ہے اور دعا میں آواز بلند کرنا اور چیخا اور  
 بِالْدُّعَاءِ (تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۶) چلانا مکروہ ہے۔

علامہ علاؤ الدین علی بن محمد المعروف بالخازن الشافعی (متوفی ۷۲۵ھ) وَدُونَ الْجَهْرِ  
 مِنَ الْقَوْلِ کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں :-

قَالَ مُجَاهِدٌ وَابْنُ جُرَيْجٍ اَمْرًا اِنْ كَرِهَ فِي الصَّدُورِ کہ حضرت مجاہد اور حضرت ابن جریر فرماتے ہیں کہ  
 فِي الصَّدُورِ بِالتَّضَرُّعِ وَالِاسْتِكَانَةِ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے دلوں میں عاجزی اور انکساری

دُون رَفَعِ الصَّوْتِ بِالْإِعْدَاءِ

(تفسیر خازن ۲/ ۳۳۲ طبع مصر)

جائے۔

کے ساتھ اس کا ذکر کریں نہ یہ کہ دعائیں آواز بلند کی

امام ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی (المتوفی ۱۸۵ھ) اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

كَذَلِكَ كُنْ بِكَ فِي نَفْسِكَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ

یعنی بالذکر القرائۃ فی الصلوۃ یرید

یقرأ سِرًّا فی نفسہ تضرعًا وخیفۃً

ای تَتَضَرَّعُ إِلَیَّ وَتَخَافُ مِنِّي هَذَا فِی

صَلَاةِ السِّرِّ وَقَوْلُهُ وَدُونُ الْجَهْرِ مِنْ

أَقُولِ إِذَا دَفِی صَلَاةِ الْجَهْرِ لَا تَجْهَرُ

جَهْرًا شَدِيدًا بَلْ فِی خَفْضٍ وَسُكُونٍ

تَسْمَعُ مِنْ خَلْفِكَ وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَابْنُ

جَرِيرٍ إِذَا مَرَّ بِذِكْرِهِ فِی الضَّوْرِ

وَبِالتَضَرُّعِ إِلَيْهِ دُونُ رَفَعِ الصَّوْتِ

وَالصَّيَاحِ بِالْإِعْدَاءِ - رِوَاغُ التَّنْزِيلِ

ج ۲/ ۳۳۲ برہامش الخازن)

چلائیں۔

اس میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر بھی آگئی کہ یہ آیت کریمہ نماز میں قراءت کے بارے میں

ہے، ستری نماز میں عاجزی و راری کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے قراءت کی جائے،

اور جہری نماز میں اس قدر جہر ہو کہ کچھ مقتدی سن لیں، یعنی ضرورت سے زیادہ جہر نہ ہو، اس سلسلہ میں

بعض حضرات فقہارِ احنافؒ کی بعض عبارتیں بھی ۸۸ میں آ رہی ہیں۔ اور پھر اس کے بعد حضرت مجاہدؒ

حضرت ابن جریرؒ کی وہی تفسیر نقل کی جو اور حضرات مفسرین کا ائم نقل فرما رہے ہیں۔

امام فخر الدین الرازی الشافعیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وَدُونُ الْجَهْرِ مِنْ أَقُولِ الْمَعْنَى أَنْ يَذْكَرَ

رَبَّهُ عَلَى وَجْهِ يَسْمَعُ نَفْسَهُ فَإِنَّ الْمُرَادَ

دُونُ الْجَهْرِ مِنْ أَقُولِ الْمَعْنَى أَنْ يَذْكَرَ

رَبَّهُ عَلَى وَجْهِ يَسْمَعُ نَفْسَهُ فَإِنَّ الْمُرَادَ

حصول الذکر اللسانی والذکر اللسانی  
اذا کان بحیث یسمع نفسه فانه یتأثر  
لخیال من ذلک الذکر وتأثر الخیال یوجب  
قوة فی الذکر القلبی الروحانی امره تفسیر  
کیس ج ۵ ص ۱۵۷ طبع مصر

اس تفسیر میں امام رازئی نے جہر کی ایک نوع یا الفاظ دیگر اور فی جہر کا ذکر فرمایا ہے اور خود ہی  
اس کی تشریح بھی فرمادی کہ خود ذکر کرنے والا اپنے آپ کو سنا سکے اور یہی ذکر لسانی اور دُونَ الْجَهْرِ  
کا مصداق ہے اور علامہ محمد بن محمد العمدی الخفصہ والمتوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں :-

وهو عام فی الاذکار کافة فان الاخفاء  
ادخل فی الاخلاص واقرب من الاجابة  
(تفسیر ابوالسعود ج ۲ ص ۲۳۷ طبع مصر)  
یہ تمام اذکار میں عام ہے اس لئے کہ آہستہ ذکر  
کرنے کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور قبولیت  
کے زیادہ قریب ہے۔

اس تفسیر میں بھی یہ بات واضح طور پر مذکور ہے کہ یہ آیت کریمہ تمام اذکار کے لئے عام ہے اور  
آہستہ ذکر ہی کا اخلاص اور قبولیت میں زیادہ دخل ہے۔

قاضی نذیر اللہ صاحب پانی پتی لکھتے ہیں :-

وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ اِیْ متکلماً کلاماً  
فوق السّر ودُونَ الْجَهْرِ اراد فی صلوة  
الجهر ولا تجهر جهرًا شدیداً ابل فی  
خفص و سکون یسمع من خلفک کذا  
قال ابن عباس فی تفسیر الایة  
(تفسیر مظہری ج ۳ ص ۵۹۰ و ۵۹۱)  
وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کا یہ مطلب ہے کہ اس  
انداز سے کلام کیا جائے جو آہستہ سے اوپر اور جہر  
سے کم ہو اور اس سے مراد جہری نماز ہے مطلب یہ  
ہے کہ زیادہ شدت سے جہر نہ کرو بلکہ آہستہ اور سکون  
سے ہو تاکہ جو تمہارے پیچھے اقتداء میں ہیں وہ کچھ نہیں  
اسی طرح اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابن  
عباس نے فرمایا۔

غور فرمائیے کہ جہری نماز میں بھی جس میں مطلوب ہی جہر ہے جہر شدید ممنوع اور ناپسندیدہ ہے  
حالانکہ اس میں مقتدیوں کو سنانا مقصود ہوتا ہے لیکن ایسی حد تک جہر ہو جس حد تک نماز میں شامل



مقتدی محن سکیں ضرورت سے زیادہ درست نہیں ہے۔

علامہ سید محمود اکوسی الخفئیؒ (المتوفی ۱۲۷۸ھ) فرماتے ہیں کہ:-

وہو عام نکل ذکر فان الاخفاء ادخل فی الاخلاص واقرب من القبول۔  
یہ ہر ذکر کے لئے عام ہے کیونکہ اخفاء کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور وہ قبولیت کے بھی قریب ہے اور دُونَ الْجَهْرِ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

والمراد بالجهر رفع الصوت المفروط وبما دونہ نوع آخر من الجهر قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہو ان یسمع نفسه وقال الامام المراد ان یقع الذکر متوسطا بین الجهر والمخافتۃ اھـ لتفسیر روح المعانی ج ۹ درمیان ہو۔

ص ۱۵۲ طبع مصر

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اذکار میں جہر مفروط (جن مقامات میں ثابت نہیں) مطلوب نہیں بلکہ جہر کی ایک ایسی نوع اور قسم مطلوب ہے جو جہر مفروط اور آہستہ کے درمیان ہو اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر یہ بیان فرمائی کہ وہ یوں ہے کہ ذکر کرنے والا اپنے آپ کو سنا سکے الغرض دُونَ الْجَهْرِ میں ایسا جہر انہیں کہ دوسرے لوگ سُن سکیں اور ان کے مشاغل میں خلل پڑے بلکہ ایسا جہر مراد ہے (ہو ان یسمع نفسه) کہ اپنے آپ کو سنا سکے اسی کو بعض حضرات نے جہر کے ادنیٰ درجہ سے تعبیر کیا ہے اور اسی کو بعض دیگر حضرات نے بالستر کے ساتھ تعبیر کر دیا ہے مقصود دونوں قسم کے بزرگوں کا صرف ایک ہے البتہ تعبیر جدا جدا ہے ع

آخر کو ہم دونوں درجہ ناماں پہ جاملے

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی الخفئیؒ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) نواسہ حضرت شاہ عبدالغفر صاحب محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ سوال و جواب کی صورت میں اس مسئلہ کو واضح کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

سوال پچھترہاں سوال کیا ذکر بالجہر شرعیت میں جائز ہے یا ناجائز؟ یا گناہ ہے؟ اور کونسا گناہ ہے؟ الجواب ذکر بالجہر مذہب خفیہ بدعت است مگر جائیکہ درال ذکر جہر آمدہ مثل اذان وغیرہ درال بدعت نیست و ماسوائے اں بدعت است۔ قال فی فتح القدیر و الاصل فی الاذکار الانحاء و الجہر بہا بدعت انتہی جائیکہ بدعت را مطلق گذارند بدعت سنیہ مراد می باشد چنانچہ از عبارات کتب فقہ معلوم می شود و فی غایۃ البیان شرح الہدایۃ فی تعلیل مذہب الی حنیفۃ لان الجہر بالتکبیر بدعت لقولہ تعالیٰ اذْعُوْا اَذْکَبْکُمْ تَصْرُعاَوْ حُفِیَّۃً انتہی قال فی الکفایۃ شرح الہدایۃ ان الجہر بالتکبیر بدعت و فی البحران الجہر بالتکبیر بدعت فی کل وقت الا فی المواضع المستثناة و صرح قاضیخان فی فتاویٰ بصراحتہ الذکر جہراً و تبعہ علیٰ ذلک صاحب المصطفیٰ و فی فتاویٰ العلّامیۃ و یمنع الصوفیۃ من رفع الصوت و الصفق و صرح فی بحرۃ المغنی فی شرح التحفۃ و منع علیٰ من یفعلہ مدعیانہ من الصوفیۃ و فی البرہان شرح مواہب الرحمن

پچھترہاں سوال کیا ذکر بالجہر شرعیت میں جائز ہے یا ناجائز؟ یا گناہ ہے؟ اور کونسا گناہ ہے؟ الجواب ذکر بالجہر مذہب خفیہ میں بدعت ہے مگر اس جگہ جہاں ذکر بالجہر کا حکم آیا ہے مثلاً اذان وغیرہ کس میں آواز بلند کرنا بدعت نہیں اور اس کے علاوہ بدعت ہے فتح القدیر میں ہے کہ اذکار میں اصل اخفاء ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے ان کی بات ختم ہوئی جس مقام پر حضرات فقہاء کرام بدعت کو مطلق چھوڑتے ہیں اس مقام میں بدعت سے سنیہ مراد ہوتی ہے۔ چنانچہ فقہی عبارات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور ہر ایک کی شرح غایۃ البیان میں حضرت امام ابو حنیفہ کے مذہب کی دلیل اور علت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کرنا بدعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم اپنے رب کو عاجزی سے اور ہستہ پکار و ان کی بات ختم ہوئی اور ہر ایک کی شرح کفایہ میں ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کرنا بدعت ہے اور بحر الرائق میں ہے کہ تمام اوقات بلند آواز سے تکبیر کرنا بدعت ہے مگر ان جگہوں میں جہاں شرعاً استثناء آئی ہے اور امام قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ بلند آواز سے ذکرنا بدعت ہے اور مصنف المصطفیٰ نے بھی ان کی پیروی کی ہے اور فتاویٰ العلّامیہ میں ہے کہ صوفیاء کو آواز بلند کرنے اور

رفع الصوت بالذکر بدعت لمخالفة  
 قوله تعالى وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ  
 تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُؤُنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ  
 وقوله صلى الله عليه وسلم خير الذکر الخفي  
 فيقتصر فيه على مورد الشرع وقد ورد  
 في الاضحية كذا في رسالت محمد عابد  
 الاسدي الانصارى وآنچه در بعضی احادیث  
 ذکر جبر ثابت شد بغیر مواضع مقرر بنا بر تعلیم  
 است چنانچه در شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری تصریح  
 کرده است من شاء فلينظر انتهى و مات  
 مسائل ۱۲۰ و ۱۲۱ و ۱۲۲ طبع مصطفائی  
 محمد حسین خان ۱۲۸۳

تالیات بجلنے سے منع کیا جائے گا اور تحفہ کی شرح  
 بحرۃ المغنی میں ہے کہ جو لوگ صوفی ہوئے کا دعویٰ کرتے  
 ہیں ان کو اس کا رد الی سے رو کیا جائے گا اور برہان  
 شرح مواہب الرحمن میں ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا  
 بدعت ہے کہ کوئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے  
 مخالف ہے اور تو اپنے رب سے جہل جہلانہ کو اپنے دل  
 میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے یاد کر اور ایسی آواز  
 سے ذکر کر جو پکار کر بولنے سے کم ہو اور آنحضرت صلی  
 اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے  
 جو آہستہ ہو تو بلند آواز سے ذکر اسی مورد پر بند ہوگا  
 جہاں وارد ہوا ہے اور بلاشبہ عبد الاضحیٰ کے موقع  
 پر جبر آیا ہے اسی طرح علامہ محمد عابد الاسدی انصار  
 کے رسالہ میں آیا ہے اور جن بعض احادیث سے ان  
 جگہوں کے علاوہ جبر ثابت ہوتا ہے جن میں جبر  
 مقرر ہوا ہے تو وہ تعلیم پر معمول ہے جیسا کہ حضرت  
 ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس کی  
 تصریح فرمائی ہے جس کا جی چاہے اس کو دیکھ لے۔

حضرت شیخ احمد المعروف بکلیجیون لکھتے ہیں :-

کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ تو اپنے رب کو اپنے دل میں  
 یاد کر تمام اذکار کو شامل ہے قرآن و دعا تسبیح  
 اور تہلیل وغیرہ اور مطلب یہ ہے کہ اپنے رب کا ذکر  
 اپنے دل میں کر جو سادہ بھی ہو عاجزی کرتے اور  
 ڈرتے ہوئے اور جہر سے کم قول کا یہ معنی ہے کہ ایسا

قوله تعالى وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ علمته  
 في الاذكار من قراءة القرآن والادعاء  
 والتسبيح والتهليل وغير ذلك اذ ذكر  
 ربك في نفسك اذ ذكر كان تَضَرُّعًا  
 وَخِيفَةً متضرعًا وخائفًا دُونَ الْجَهْرِ

مِنَ الْقَوْلِ وَتَكَلَّمَا كَلَامًا دُونَ الْجَهْرِ  
لِأَنَّ الْإِخْفَاءَ ادْخَلَ فِي الْإِخْلَاصِ وَاقْرَبَ  
إِلَى حَسَنِ التَّفَكُّرِ بِالْعَدَدِ وَالْأَصَالِ  
لِفَضْلِ هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ أَوْ هَوَ كُنَايَةً  
عَنِ الدَّوَامِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَفْلِينَ  
الَّذِينَ يَغْفَلُونَ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ هَكَذَا  
قَالُوا وَلَا يَخْفَىٰ أَنَّ الْآيَةَ تَدُلُّ عَلَى الْفَضْلِيَّةِ  
الَّذِي كَرِّهْتُمْ كُلَّهُ وَلِهَذَا قَالَ بَعْضُ أَهْلِ  
السُّلُوكِ أَنَّ الذِّكْرَ الْخَفِيَ عَزِيمَةٌ وَالْجَهْرُ  
بِدْعَةٌ أَوْ مَبَاحٌ وَعِنْدَ الْبَعْضِ الْجَهْرُ  
أَصْلٌ وَهَذَا بَحْثٌ مُّخْتَلَفٌ فِيهِ  
بَيْنَ الْأَنَامِ فِي زَمَانِنَا وَلَا طَائِلَ تَحْتَهُ  
إِذَا الْمَقْصُودُ لِلْكَلِّ الْوَصُولُ إِلَى اللَّهِ  
تَعَالَى بِاتِّبَاعِ طَرِيقِ كَانٍ وَقَالَ صَاحِبُ الْهَدَايَةِ  
أَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ بِدْعَةٌ إِلَّا أَنَّ لِالْهَامِ  
فِي الصَّلَاةِ وَأَيَّامِ التَّشْرِيقِ وَهَذَا  
بِالِاتِّفَاقِ وَقَالُوا أَنَّ الْإِخْفَاءَ بِالْإِعْلَافِ  
أَسْرَعُ اجَابَةً بِدَائِلِ قَوْلِهِ تَعَالَى إِذْ  
نَادَىٰ رَبُّهُ نِدَاءً خَفِيًّا وَقَوْلُهُ تَعَالَى  
ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً وَهَذَا  
أَيْضًا بِالِاتِّفَاقِ . رِ التفسيرات  
الاحمدية ص ۲۸۱ طبع علمي دہلی )

کلام ہر جس میں جہر نہ ہو کیونکہ اخفاء کا اخلاص میں زیادہ  
داخل ہے اور یہ جس فکر کے بھی زیادہ قریب ہے صحیح  
اور شام کا اس لئے خصوصیت سے ذکر کیا ہے کہ  
ان دونوں وقتوں میں ذکر کی فضیلت زیادہ ہے  
اور طے و وام سے کثرت ہے اور نہ ہو تو غافلوں میں  
سے یعنی ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے  
غافل ہیں۔ اسی طرح حضرات مفسرین کرام نے کہا  
ہے لیکن مخفی نہ رہے کہ یہ آیت کریمہ ذکر خفی کے افضل  
ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اسی لئے بعض اہل  
سلوک نے کہا ہے کہ آہستہ ذکر عزیمت ہے اور  
بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت یا مباح ہے اور بعض  
کے نزدیک جہر اصل ہے اور یہ بحث ہمارے زمانہ  
میں لوگوں میں مختلف فیہ چلی آ رہی ہے لیکن  
اس میں کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ مقصود سب کا  
وصول الی اللہ ہے جس طریقہ سے بھی ہو اور حاجت  
ہدایہ فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے یکسر بدعت  
ہے مگر امام کے لئے نماز میں اور ایام تشریق میں  
اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور اکابر نے فرمایا  
ہے کہ آہستہ دعا بہت جلد ہی قبول ہوتی ہے  
اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کی دلیل ہے کہ جب  
اس یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے  
رب کو آہستہ پکارا اور نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد  
کہ تم اپنے رب کو پکارو عاجزی سے اور ڈرتے

ہوئے اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے۔

ان بعض اہل سلوک کا مسلک اور اس کی بحث اپنے مقام پر آ رہی ہے انشاء اللہ العزیز دیگر اکثر اہل سلوک اور جمہور حضرات فقہاء کرام کا مسلک آہستہ ذکر کرنے کا ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ کو چھوڑ کر کوئی معتبر فقہ بھلا جا بھی کہاں سکتا ہے؟

کاش کہ حضرت <sup>علیہ السلام</sup> جیون اس وقت موجود ہوتے اور لاٹھو سپیکروں پر ذکر بالجبر کا دن رات شروع و غل سنتے تو پھر اس کو وہ وصول الی اللہ تعالیٰ کا طریقہ بتاتے تو پتہ چلتا؟

اس کے علاوہ بھی قرآن کریم کی متعدد آیات آہستہ ذکر پر صراحت سے دلالت کرتی ہیں مگر ہمارا مقصد تمام دلائل کا امتیاع نہیں اور نہ یہ امر ہمارے حیصلہ امکان میں ہے ہم تو صرف اپنے مسلک کو مبرہن اور مدلل کرنا چاہتے ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی مذکورہ آیات سے یہ بات بالکل عیاں ہو گئی ہے۔

# باب دوم

## حدیث شریف

قرآن کریم کے بعد اہل اسلام کے ہاں حدیث شریف کا درجہ ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مسئلہ ذکر کرنے کے ثبوت میں بعض حدیثیں بھی عرض کر دیں تاکہ مسئلہ کی حقیقت ماننے والوں کے لئے کھل کر سامنے آجائے اور نہ ماننے والوں کے لئے تو قطعی دلیل بھی کارآمد نہیں۔

## پہلی حدیث

حضرت ابو موسیٰ (عبداللہ بن قیس الاشعری) (التوفی ۵۵ھ) روایت کرتے ہیں کہ:-

لما غزا رسول الله صلى الله عليه وسلم  
خيبر اذ قال لما توجه رسول الله  
صلى الله عليه وسلم اشرف الناس  
علي واد فرفعوا اصواتهم بالتكبير  
الله اكبر الله اكبر فقال رسول الله  
صلى الله عليه وسلم اربعوا على انفسكم  
انكم لاتدعون احما ولا غائبا انكم  
تدعون سبيعا قريبا وهو معكم  
(الحديث) (بخاری ج ۲ ص ۲۵۵) واللفظ له  
ومسلم ج ۳ ص ۳۳۶ ومسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزو خیبر کے لئے  
نکلے یا یہ کہا کہ آپ متوجہ ہوئے تو لوگ ایک میلان  
میں بیچے سوا انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ  
اکبر کہنا شروع کیا اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو بیشک  
تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تم اس ذات  
کو پکارتے ہو جو سننے والی اور قریب ہے اور وہ  
تمہارے ساتھ ہے۔

اس صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ (بخیر مستثنیٰ مواقع کے) بلند آواز سے تکبیر اور ذکر

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند نہیں اور اسی لئے آپ نے حضرات صحابہ کرام کو اس سے منع فرمایا ہے چنانچہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام محی الدین ابوزکریا شرف الدین النووی الشافعی (المتوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ:-

فقیہ النذب الی خفض الصوت بالذکر  
اذا لم تدع حاجة الی رفعه فانذا خفضه  
کان ابغ فی توقیرہ وتغظیمہ فان دعت  
حاجة الی الرفع فہم کما جاءت بہ احادیث  
انتہیٰ رنودی شرح مسلم ۶/۳۴۱

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب جہر کی کوئی ضرورت  
پیش نہ آئے تو ذکر میں آواز پست رکھنی چاہیئے۔  
کیونکہ آہستہ آواز اس کی توقیر و تعظیم پر زیادہ  
دلالت کرتی ہے بل اگر بلند آواز سے ذکر کرنے کی  
ضرورت پیش آئے تو پھر آواز بلند کرنی چاہیئے  
جیسا کہ احادیث میں آتا ہے۔

یہ عبارت بھی واضح ہے کہ جہاں کوئی شرعی حاجت اور اجازت ہو تو وہاں کا معاملہ ہی الگ ہے  
ورنہ ذکر اور دعائیں آواز کو پست رکھنا ہی شرعاً پسندیدہ امر ہے حاجت اور اجازت کے مقدمات  
آگے آسکتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ، علامہ بدیع الدین محمد بن احمد العینی الحنفی (المتوفی ۸۵۵ھ) اس  
حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:-

لان حاصل المعنی فیہ انہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کمرہ رفع الصوت بالذکر  
والدعاء امر رعمدة القاری ۱/۲۴۴

کیونکہ اس کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلند آواز سے ذکر  
اور دعاء دونوں کو مکروہ سمجھا ہے۔

طبع مصر

علامہ عینی نے اس عبارت میں تصریح فرمادی ہے کہ ذکر اور دعائوں میں آواز بلند کرنا مکروہ  
ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ سمجھا ہے اور اسی وجہ سے آواز بلند  
کرنے سے منع فرمایا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلند آواز سے ذکر اور دعاء کو  
مکروہ قرار دیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرات سلف صالحین نے اس کو مکروہ نہ سمجھا ہو یہی وجہ  
ہے حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی (المتوفی ۸۵۲ھ) اس حدیث کی  
شرح میں نقل کرتے ہیں:-

قال الطبری فیہ کراہیۃ رفع الصوت بالدعاء والذكر وبه قال عامة السلف من الصحابة والتابعین فتح الباری ج ۵ ص ۴۵۴  
 امام طبرسی نے فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بلند آواز سے دعا اور ذکر نامکروہ ہے اور حضرت صحابہ کرام اور تابعین میں اکثر سلف اسی کو نقل فرمایا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلند آواز سے دعا اور ذکر کو مکروہ سمجھیں اور جمہور حضرات صحابہ کرام اور تابعین غلط بھی اس کو مکروہ سمجھیں تو پھر بجز ان مواقع کے جہاں شرعاً جہر کی اجازت اور گنجائش ہے اور کسی موقع پر کون جہر یا ذکر والدعاء کو جائز اور مباح سمجھ سکتا ہے ۴۔

مؤلف ذکر بالجہر کی راہ فرار

مؤلف ذکر بالجہر نے ص ۵۴ میں اس حدیث کے ساتھ جوابات دیئے ہیں۔ ہم انہیں کے الفاظ میں ان کو نقل کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

الجواب :- اولاً یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان مبارک سے نہ تو مطلقاً جہر کی نعت فرمائی ہے اور نہ جہر متوسط کی (ومن ادعى فعلیہ البیان) بلکہ اس فرمان سے جہر فطر کی نہیں فرمائی، چنانچہ مولوی رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں قال علیہ السلام اربعوا علی انفسکم الحدیث اور یہ بھی ذکر جہر ہی ہے رفق کو فرمایا گلو پھارنے سے منع کیا ہے اور مطلق آیات و احادیث بہت جواز پر دال ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۲۱۳) ثانیاً چونکہ دوسرے دلائل سے جہر متوسط ثابت ہے لہذا اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جہر کے ذریعہ اپنے آپ کو مشقت اور ہلاکت میں نہ ڈالو جیسا کہ اربعوا علی انفسکم اس پر قرینہ ہے۔ ثالثاً اس طرح جہر کو جیسے کوئی بہرے سے گفتگو کرتے وقت جہر کرتا ہے اور اس پر انکھ لا تدعون اہم قرینہ ہے رابعاً اس طرح جہر نہ کرو جیسے کوئی گشہ شخص کو ڈھونڈنے کے لئے پکارتا ہے اور چلاتا ہے اور اس پر دلائل غائبہ قرینہ ہے خامساً اس طرح جہر نہ کرو جس سے یہ معلوم ہو کہ تم اللہ کے منانے کے لئے جہر کر رہے ہو اور تمہارے چلانے بغیر وہ نہیں سن سکتا اس پر انکھ تدعون سمیعاً قرینہ ہے۔ سادساً اس طرح سے جہر نہ کرو جس سے یہ ظاہر ہو کہ خدام سے دُور ہے اور تم چلا کر دور اپنی آواز پہنچا رہے ہو اور اس پر قریباً و هو معکم قرینہ ہے۔ سابعاً یہ فرمان اس صورت پر محمول ہے کہ جب جہر سے کوئی دینی ضرر لاحق ہو چنانچہ علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ کے



موقع پر اس فرمان کے ذریعہ جہر سے روکا تھا تاکہ مسلمانوں کی آواز سن کر کفار کو ان کے مقام اور موجودگی کا علم نہ ہو جائے۔

**الجواب :-** مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے ان کو سود مند نہیں ہے اول تو اس لئے کہ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہر مفروط سے نہیں فرمائی بلکہ طلق جہر سے ہی فرمائی ہے جیسا کہ امام نووی علامہ عینی اور امام طبرانی کی عبارات اس پر دال ہیں اور یہی مطلب حضرات صحابہ کرام تابعین و سلف صالحین نے سمجھے ہیں گذر چکا ہے کہ جب وہ دعا کرتے تھے تو ان کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی اور اس جہر میں متوسط بھی شامل ہے اس سے جہر متوسط کو خارج کرنا اور ہم سے بیان کا مطالبہ کرنا بے فواید ہے بلکہ قطعی طور پر جہر متوسط ثابت کرنے والے پر اس کا بیان لازم ہے (ومن ادعیٰ فعلیہ الیہا بالبدھاء) پھر انہوں نے نقل میں علمی خیانت کا ارتکاب بھی کیا ہے اور حضرت مولانا گنگوہی کی پوری عبارت نقل نہیں کی جس سے بات صاف ہوتی ہے پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

**سوال :-** ذکر جہر مذہب حنفیہ میں جائز ہے یا نہیں مدلل ارقام فرمائیے۔

**الجواب :-** ذکر جہر میں حنفیہ کی کتب میں روایات مختلفہ ہیں کسی سے کراہت ثابت ہوتی ہے غیر محل ثبوت میں اور بعض سے جواز ثابت ہوتا ہے اور یہی راجح ہے اور اس کی دلیل طلب کرنا بے سود ہے کیونکہ مجتہدین کا خلاف ہے۔ سو اب کون فیصلہ کر سکتا ہے مگر جواز کی دلیل یہ ہے کہ قال اللہ تعالیٰ اذْکُرْ رَبَّکَ فَاِنْ نَسِیْتَ تَضَرُّعًا وَخِیْفَةً وَذُنُوبَ الْجَهْرِ الْاَیَّہِ ذُوْنَ الْجَهْرِ بھی جہر ہی ہے کہ اولیٰ درجہ ہے قال علیہ السلام ادبوا علی انفسکم الحدیث المزنی فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۷ طبع جیدہ برقی پریس دہلی) حضرت مولانا گنگوہی نے اس عبارت میں ذکر جہر کے بارے میں فقہاء حنفیہ کے اختلاف کا ذکر بھی کیا ہے اور یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ آیت سے جو جہر ثابت ہے (وہ جہر مفروط اور جہر متوسط نہیں بلکہ) وہ جہر کا ادنیٰ درجہ ہے اور چونکہ یہ آیتیں مؤلف مذکور کے نظریہ کے خلاف تھیں اس لئے یہ ساری عبارت ہی وہ پی گئی ہے اور فیصلہ طلب جملہ اے اڑا ہے جہر اور متر کے معنی کی تعیین کے بارے میں خود خاصا اختلاف ہے کچھ ضروری عبارتیں عنقریب آ رہی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ مشہور امام ابو الحسن علیہ السلام بن حسین المخرمی الحنفی (المتوفی ۳۸۴ھ) فرماتے ہیں۔

وقال الکوخی ادنی الجھران یسمع نفسہما کہ ادنیٰ جہر ہے کہ بولنے والا اپنے آپ کو سنا لے۔  
(بدلیہ ج ۱ ص ۱۷)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوا کہ ادنیٰ جہر کا یہ معنی ہے کہ آدمی خود اپنے آپ کو مٹا سکے، فرمائیے اس جہر کا جہر مفرد اور جہر متوسط سے کیا تعلق ہے؟ اور اس معنی میں اس آیت کریمہ کو کوئی لٹچر کی دلیل بنائیں جیسے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا ہے یا اس کو ذکر السنہ کی دلیل بنائیں جیسا کہ سرسراج الامت حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے ان میں کیا فرق نکلے گا؟ اور اس سے کیا تفاوت پڑے گا؟ کیونکہ مال دونوں کا ایک ہی ہے اس میں اگر نزاع ہے تو صرف نفعی ہے اور فرق صرف تعبیر کا ہے، شاعر نے کیا خوب کہا ہے

عباد اتنا شتی و حسنک واحد . وکل الی ذالک الجمال یشیر

امام شمس الدین قہستانی الحنفیؒ (متوفی ۱۰۵۵ھ) ادنیٰ جہر کا یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر امام ہو تو اس کا ادنیٰ جہر ہے کہ اس کے سوا کوئی اور بھی کُن لے اور اگر منفرد ہے تو اس کے حق میں ادنیٰ جہر یہ ہے کہ خود اپنے آپ کو مٹا سکے آگے لکھتے ہیں کہ۔

فلو سمع اثنین کان من اعلیٰ الجہر کما فی الخزانۃ ۱  
اور اس سے قبل لکھتے ہیں:-

الکن فی سہو المبسوط و الکروما فی وغیرہما  
ان جہرا منفردا ملع نفسہ ۲  
(جامع الرموز ج ۱ ص ۱۵۵)

حضرت فقہار کرامؒ کی یہ صریح عبارت ملاحظہ کر کے جہر غیر مفرد اور ادنیٰ جہر وغیرہ کے الفاظ سے دہوکہ کھانے یا دینے والوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کیونکہ حضرات فقہار کرامؒ جس کو ادنیٰ جہر وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں وہی آہستہ اور مہر کا معنی ہے۔

فائدہ ۱:- حضرت مولانا گنگوہیؒ کی عبارت میں جہاں بھی ذکر الجہر کے جواز کا ثبوت آتا ہے اس سے ان کی صریح عبارت کے پیش نظر ادنیٰ درجہ جہر کا ہی مراد ہے ان کی مرضی کے خلاف کوئی شخص جہر مطلق یا جہر متوسط پر حمل کرے گا تو یہ توجیہ القول بمالایضیٰ بہ قائمہ کا مصداق ہوگا۔ جو اہل علم اور اہل انصاف کے نزدیک قابل التفات نہیں اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اس صراحت کے پیش نظر حضرات فقہار اخلافؒ کے باہمی اختلاف میں بھی تطبیق کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے وہ یوں کہ جن حضرات

لئے ذکر بالجہر کو مکروہ کہا ہے وہ ان مقامات میں ہے جہاں شرعاً ثابت نہیں اور اس جہر سے جہر مفراط اور جہر متوسط دونوں مراد ہوگی جس سے مثلاً نمازیوں، بیماروں، مطالعہ کرنے والوں اور سونے والوں کو تکلیف اور اذیت ہوتی ہو اور جن حضرات نے جہر کی اجازت دی ہے وہ ادنیٰ جہر مراد ہے جس کو ذاکر خود سُن لے اور کسی دوسرے کو کوئی اذیت اور تشویش لاحق نہ ہو اور انہوں نے ترجیح بھی اسی قول کو دی ہے علمی طور پر اس تطبیق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، مؤلف ذکر بالجہر نے اس حدیث سے گلو خلاصی کے سلسلہ میں جو دوسری تیسری، چوتھی، پانچویں اور چھٹی وجہ بیان کی ہے۔ وہ ہماری تائید میں ہے نہ کہ تردید میں اور ان تمام وجوہ سے ایسے ذکر بالجہر کی ممانعت ثابت ہے جو لوگوں کی اذیت کا موجب ہو اور ان وجوہ سے آہستہ ذکر کا ثبوت ملتا ہے، نادانی سے مؤلف مذکور ان کو اپنی تائید سمجھے یا لفظی شعبہ بازی سے اپنے نفس کو خوش کرنے تو یہ اس کی اپنی مرضی ہے اس سے حقیقت نہیں بدلتی جیسا کہ اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے بلکہ البتہ ساتویں وجہ قابل غور ہے بعض شرح حدیث اور حضرات فقہاء کرام نے اس کا ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت صحابہ کرام کو اس لئے آہستہ ذکر کرنے کی تلقین فرمائی تھی کہ بلند آواز سے ذکر کرنے اور تکبیر کہنے کی وجہ سے دشمنوں کو مسلمانوں کی موجودگی یا ان کی پوزیشن اور مقام کا علم نہ ہو جائے اور دشمن ان کے لئے کوئی شر اور فتنہ نہ کھڑا کریں، لیکن اس حدیث کے الفاظ کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ توجیہ دور از کار ہوتی ہے۔ اولاً اس لئے کہ اس حدیث میں کوئی لفظ ایسا موجود نہیں جو صراحت سے اس پر دال ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس لئے تھا کہ دشمنوں کو اطلاع نہ ہو جائے بلکہ اس کے برعکس اس میں جہر کی نہی کی صریح علتیں موجود ہیں کہ تم اپنے نفوس پر نرمی کرو۔ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے۔ تم تو ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سمیع اور قریب ہے، اور وہ ذات (اپنی قدرت علم اور ذات کے لحاظ سے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) تمہارے ساتھ ہے لہذا اس حدیث میں ان تمام صریح علتوں کو ترک کر کے کیوں ایک بیرونی اور خارجی علت تلاش کی جائے اور اس کی آخر ضرورت اور حاجت بھی کیا ہے؟ وثانیاً اگر اس حدیث میں کوئی ایسی تصریح موجود ہوتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ یہ نہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محاذ جنگ پر پہنچنے کے بعد فرمائی تھی تاکہ مجاہدین اسلام کی بلند آواز سے تکبیر اور ذکر مسن کر دشمنوں کو خبر نہ ہو سکے تو پھر یہ توجیہ درست اور معقول ہوتی مگر اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں

بلکہ اس میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ واقعہ راستہ اور سفر کا ہے یہ روایت صرف بخاری شریف میں پانچ جگہ آتی ہے ایک مقام کا باحوالہ ذکر اوپر ہو چکا ہے اس میں یہ آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیبر کے غزوہ کے لئے روانہ ہوئے یا متوجہ ہوئے اور جب ایک میلان میں پہنچے تو حضرات صحابہ کرامؓ نے اپنی آواز بلند کی الخ (ج ۲ ص ۶۵) اور ایک روایت میں آتا ہے حضرات صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ سفر میں تھے جب ہم کسی بلندی پر چڑھتے (علونا) تو تکبیر کہتے الخ (ج ۲ ص ۹۴ و ج ۱ ص ۱۹۱) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک گھاٹی میں چلنا شروع کیا جب اس گھاٹی پر ایک اور آدمی چڑھا تو اس نے آواز بلند کی الخ (ج ۲ ص ۹۴) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ فجعلنا لا نصد شرفاً ولا نعلو شرفاً تو ہم شروع ہو گئے کہ کسی ٹیلے پر نہیں چڑھتے تھے ولا نہبط وادیا إلا رفعا اصواتنا اور نہ کسی وادی میں اترتے تھے مگر بلند آواز سے تکبیر ادا کرتے تھے۔

بالتکبیر ادا کرتے تھے (ج ۲ ص ۹۴)

یہ صریح روایتیں صاف طور پر یہ بتاتی ہیں کہ بلند آواز کے ساتھ تکبیر کہنے اور ذکر کرنے کی یہی کا واقعہ خیبر میں پیش نہیں آیا تھا بلکہ راستے کا واقعہ تھا اور خیبر مدینہ طیبہ سے دو سو میل دور ہے مدینہ النبویہ (ج ۲ ص ۶۵) اور اس وقت راستہ میں کوئی ایسا زور آور اور طاقت ور دشمن تاریخی طور پر ثابت نہیں جس کے شر سے بچنے کے لئے تقریباً سو سو سال کے اس اسلامی لشکر اور جان نثاروں کو کوئی خطہ درمیش ہوتا جس کے لئے تکبیر اور ذکر کے موقع پر اس خطرہ کی وجہ سے آواز پست کرنا ضروری ہوتا اس لئے یہ توجیہ محض ایک مرجوح احتمال ہے اور علمی و تحقیقی لحاظ سے اس کا چنداں وزن نہیں ہے وئاللہ انہی اکابر حضرات نے یہ توجیہ بیان اور پسند کی ہے اور فی نفسہ ذکر بالجہر کو جائز اور نہی کو خارج امر مذہبی دشمنوں کی اطلاع پر محمول کیا ہے تو انہوں نے اس کی بھی تصریح کی ہے۔

فان كان في جهره اضراء باحد مثلاً کہ اگر ذکر بالجہر کی وجہ سے مثلاً کسی کو تکلیف ہوتی کہ وہ الّا (کو کب الددی ج ۲ ص ۲۹) ہو تو پھر مکروہ ہے ورنہ نہیں۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ جو حضرات اس مذکور حدیث کی یہ بالا توجیہ کرتے ہیں وہ اس امر کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ذکر بالجہر اس وقت جائز ہے جب کسی کو اس سے ضرر اور تکلیف نہ ہوتی ہو

مثلاً کسی کی نماز تلاوت، مطالعہ اور نیند وغیرہ میں خلل نہ پڑتا ہو، اگر خلل پڑتا ہو تو ان کے نزدیک بھی ذکر بالجہر مکروہ ہے، اور حضرات فقہاء کرام کی عبارات سے (جو اس کتاب میں موجود ہیں) اس کا بہت کارآمد تحریری ہونا ظاہر اور واضح ہے۔

دوسری حدیث: حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران (متوفی ۵۵ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

خیر الذکر الخفی وخیر الذوق ما یکفی  
 بہترین ذکر وہ ہے جو بہتہ ہو اور بہترین رزق  
 منہما ما علمتہ و ما رآہ الظمان منہ والیقینی  
 وہ ہے جو ضروریات میں کفایت کرے۔  
 فی شعب الایمان کذا فی التفسیر المظہری ۴۹۴

امام جلال الدین سیوطی الشافعی (متوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے (الجامع الصغیر)  
 یہ مث طبع مصی اور علامہ عزیزی فرماتے ہیں باسناد صحیح (السراج المنیر) ۲۲۲ طبع مصی اس صحیح  
 روایت سے بھی معلوم ہوا کہ آہستہ ذکر کی بلند آواز سے ذکر کرنے پر بڑی فضیلت ہے اگر ذکر بالجہر  
 جائز اور شروع بھی ہو تب بھی درجہ اور تربیت کے لحاظ سے آہستہ ذکر اس سے بڑھا ہوا ہے جیسا کہ یہ  
 واضح اور صحیح حدیث اس کی دلیل ہے۔ ہاں جہاں شرعاً جہر مطلوب ہے اس کا معاملہ ہی جدا ہے۔  
 تیسری حدیث: مشہور ثقہ تابعی حضرت قیس بن عباد (متوفی ۱۵۵ھ) سے روایت ہے کہ:

کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وسلم یکرہون الصوت عند  
 ثلاث الجنائز والقتال والذکر  
 آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ  
 کرام یقیناً جگہوں میں آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔  
 جنازہ۔ لڑائی اور ذکر کے وقت

اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے  
 کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین مواقع پر  
 آواز بلند کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے تلاوت قرآن،  
 جنازہ اور قتال کے وقت۔

وعند الزحف والسير الكبير للامام محمد

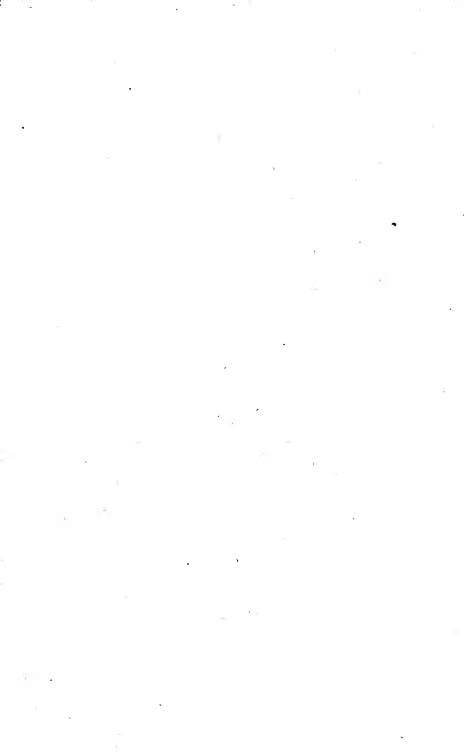
مع شرح السرخسی ج ۱ ص ۴۹

یہ روایت بھی اپنے مدلول و مفہوم کے لحاظ سے واضح ہے اس سلسلہ کی اولیٰ بھی بعض احادیث ہیں مثلاً ایک مرسل روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے قرآن کریم کی تلاوت کے موقع پر یہودگی کرنا اور دعا کے وقت آواز بلند کرنا اور نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۲۹۴) مگر ہمارا مقصد دلائل و براہین کا استیعاب نہیں اور نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے صرف اپنے دعویٰ کو مبرہن کرنا ہے سو الحمد للہ تعالیٰ ان دلائل سے ہمارا مدعی مبرہن اور مدلل ہو چکا ہے۔

قارئین کرام! آپ ان صریح اور ٹھوس حوالوں سے بخوبی یہ معلوم کر چکے ہیں کہ تبلیغِ تعلیم و تدریس کے موقع کے علاوہ شریعت بغیر کسی ضرورت کے محض تلاوتِ قرآن کریم کو بھی بلند آواز سے پسند نہیں کرتی حالانکہ قرآن کریم کی تلاوت اپنے درجہ میں بہترین عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ سے گمشدہ اور ہمکلام ہونے کا زarin موقع ہے تو اس سے آپ آسانی کے ساتھ اس کو سمجھ سکتے ہیں کہ موحی کی آوازین بلند کرنا اور پھر مسجدوں میں اور جماعتی شکل میں اس کو شریعت کیسے پسند کر سکتی ہے؟ حضرت مولانا رشید صاحب گنگوہی (رحمۃ اللہ علیہ) نے ایسے ہی موقع کیلئے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے غور سے ملاحظہ فرمائیں:

حضرت مساجد میں ذکر جہری کے بارے میں ایک سوال کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

**سوال** صوفیاء اگر امام جو بعد نماز مغرب مسجد میں معلقہ کرتے ہیں اور کوڑے چلاتے ہیں اور موحی کرتے ہیں کہ جس سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور مسجد میں شور و غل پڑ جاتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اشعار وغیرہ توحید اور ذوق و شوق کے پڑھے جاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ جواب بعض علما نے (جن کے اسی کتاب میں آگے حوالے آ رہے ہیں) مسجد میں رفع صوت کو اگرچہ مذکورہ لکھا ہے لہذا مسجد میں اس کا نہ ہونا مستحسن ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ تماشا گاہ عوام ہو جو اسے با مسجد کا نقصان ہو اگرچہ ذکر و پھر (ادنیٰ) بھر اور اپنی دیگر شرائط کے ساتھ کما مروت و ساقی مقدر یا باکا اوبنا لہ مسجد میں جائز بھی ہو فقط و فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۱۵ و ۲۱۶ متوجہ طبع کراچی) صوفیاء اگر امام میں قدم رکھنے والے حضرات اور علی الخصوص مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والے حضرات حضرت رحمہم کے اس مبنی فتویٰ اور اصلاحی شورہ کو ضرور ملحوظ رکھیں بزرگوں کو جاننے کے بعد آدمی کہیں کا نہیں رہتا اور اس پر نفسِ لمارہ اور شیطان کا استیلا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو شیطان کے ہتھکنڈے اور نفسِ لمارہ کی تزویر سے بچائے آمین۔



# باب سوم

جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر

یہ روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن جگہوں میں ذکر بالجہر کو پسند نہیں کرتے تھے ان میں ایک جنازہ بھی ہے اور آپ کی پیروی میں حضرات صحابہ کرامؓ بھی جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کو مکروہ سمجھتے تھے اور حضرت قیس بن عبادہؓ کی سابق روایت اس کی دلیل ہے اور ان کی یہ روایت سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۷۱ اور مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۱۶ میں بھی موجود ہے اور علامہ ذہبیؒ اس کی تصحیح کرتے ہیں اور عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۴۵ میں بھی اس روایت کا ذکر ہے اور حضرت ابوہریرہؓ الأشعرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یکوہ الصوت عند القتال دستدک بڑا قال المحاکم والذہبی صحیح (لڑائی کے وقت آواز کو مکروہ سمجھتے تھے) انشاء اللہ تعالیٰ یہ بات باحوال اپنے مقام پر آئے گی کہ ضرورت پیش آنے پر غزوہ تبکیرہ بلند کیا جاسکتا ہے اور قدیم سے مسلمانوں کا اس پر عمل چلا آرہا ہے، لیکن اس کے علاوہ عام حالات میں قتال و جہاد کے وقت رفع الصوت کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناپسند اور مکروہ سمجھا ہے، حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم جن کا تبحر علمی، خدا خوفی حق گوئی، اظہار من الشمس ہے اور دین کے بارے میں ان کا احتیاط اس حد تک بڑھا ہوا ہے جس سے زیادہ قیاس و اجتہاد کے رُوسے ممکن اور متصور نہیں (اجتہاد کی لغزشیں الگ موضوع ہے) ان کی بعض عبارات اور تصریحات بھی ملاحظہ فرمائیں کہ وہ کس شد و مد کے ساتھ جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کی تردید کرتے ہیں، امام حسن بن منصور المعروف بقاضی خاں المنفی (المتوفی ۵۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ ۱۔

ویکروہ دفع الصوت بالذکر فان الاداء ذکر کرتے وقت آواز بلند نہ کرنا مکروہ ہے اگر کوئی



ان یدکر اللہ تعالیٰ یدکرہ فی نفسہ  
 رقتاوی قاضی خانی پڑھا۔ طبع نوکشور  
 شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہے تو اپنے دل میں  
 آہستہ ذکر کرے۔

یہ بات امام موصوف نے کتاب الجنائز میں لکھی ہے جو اپنے مدنی کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔  
 امام سراج الدین الاودی الخفقی والمتوفی فی حدود ۸۲۵ھ لکھتے ہیں کہ:-

رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن  
 وقوله مکل حی یموت ونحو ذلك خلف  
 الجنائز بدعة رقتاوی سراجیہ ۷۳۳ طبع مکتبہ  
 جنازہ کے پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن کریم  
 پڑھنا اور اسی طرح لوگوں کا کل حی یموت ذکر ہر  
 جاندار اور زندہ مرنے والا ہے وغیرہ پڑھنا بدعت ہے۔  
 اور رقتاوی عالمگیری (جس کو پانچ سو زمرہ دار حضرات علماء کرام نے مرتب کیا ہے) میں ہے:-

وعلى متبعی الجنائز الصمت ویکوه لهم  
 رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن کذا  
 فی شرح الطحاوی۔ رقتاوی عالمگیری پڑھا۔  
 اور جنازہ کے ساتھ جانے والوں پر خاموش رہنا  
 لازم ہے اور ذکر اور قرأت قرآن کریم کرتے وقت  
 آواز بلند کرنا مکروہ ہے، اسی طرح طحاوی کی شرح  
 میں ہے۔

امام حافظ الدین محمد الکدری الخفقی والمتوفی ۸۲۵ھ لکھتے ہیں کہ:-

ویکوه رفع الصوت بالذکر خلف  
 الجنائز ویذکرہ فی نفسہ رقتاوی بزاز  
 پڑھا۔ علی ہاشم البندید طبع مصر  
 جنازہ کے پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے  
 ہاں دل میں ذکر کر سکتا ہے۔  
 علامہ حلبی لکھتے ہیں:-

وینبغي ان یطیل الصمت ویکوه  
 رفع الصوت فیہا بالذکر وقراءة القرآن  
 ذکر فی فتاویٰ العصر انہا کراہتہ تحدید  
 واختاره معبد الائمة الترمذی وقال  
 علاؤالدین التاجری ترک الاولیٰ و  
 من الاد الذکوا والقراءة فلیذکر  
 اور مناسب کہ طویل خاموشی اختیار کی جائے اور  
 ذکر اور تلاوت قرآن کریم کرتے وقت آواز بلند  
 کرنا مکروہ ہے اور فتاویٰ العصر میں بیان کیا ہے  
 کہ کراہت اس میں تحریمی ہے۔ اور اسی کو امام مجد الاثر  
 الترمذی نے اختیار کیا ہے اور فقیہ علاؤالدین  
 التاجری نے فرمایا کہ یہ ترک الاولیٰ ہے اور جو شخص ذکر

(نصاب الاحساب ص ۱۲۵)

میت کے لئے استغفار کرو اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے۔

رئیس التابعین حضرت سعید بن المسیب اور امام حسن بصری اور حضرت سعید بن جبیر اراکین خیمہ تمام حضرات اس کو مکروہ سمجھتے تھے کہ جنازہ کے ساتھ لوگوں سے یہ کہا جائے کہ تم اس کے لئے استغفار کرو اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔ (سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۴۷)

اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب الحنفی (المتوفی ۱۲۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ:-

وخواندن کلمہ طیبہ بطریق جہر سمرہ جنازہ مکروہ است و اگر آہستہ آہستہ خوانند آں را چنانکہ آواز آن بدیگران نرسد مضائقہ ندارد کسافی العالمگیریۃ و علی متبعی الجنائۃ الصمت و یکرہ لہم رفع الصوت بالذکر و قراءۃ القرآن کذا فی شرح الطحاوی فان اراد ان یدکر اللہ تعالیٰ یدکرہ فی نفسہ کذا فی فتاویٰ قاضی خان (مسائل اربعین ص ۴)

جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھنا مکروہ ہے اور اگر اس طریقہ سے آہستہ آہستہ پڑھیں کہ دوسروں تک آواز نہ پہنچے تو مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانے والوں کو نماز میں رہنا چاہیئے اور ان کے لئے بلند آواز سے ذکر اور تلاوت قرآن کریم کرنا مکروہ ہے ایسا ہی شرح الطحاوی میں ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیئے تو اپنے دل میں آہستہ کرے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی الحنفی المتوفی ۸۸۸ھ فرماتے ہیں یعنی

کو کہ کما کرہ فیہار فہم صوت بذکر او قراءۃ (در مختار ج ۸ ص ۸۳۵ علی الشامی) جنازہ میں بلند آواز سے ذکر اور تلاوت کرنا مکروہ ہے۔

اور علامہ ابن عابدین محمد بن محمد بن عمر الشامی الحنفی (المتوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:-

وینبغي لمن تبع الجنائزۃ ان یطیل الصمت و فیہ عن النظر بیویۃ فان اراد ان یدکر اللہ تعالیٰ یدکرہ فی نفسہ رد المحتار

جو لوگ جنازہ کے ساتھ ہوں ان کے لئے طویل خاموشی مناسب ہے اور فتاویٰ ظہیریہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہے تو دل میں آہستہ کرے۔

(ج ۱ ص ۸۳۵)

حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی یہ صریح عبارات اپنے مطلب کے لحاظ سے بالکل

اور قرأت کرنا چاہے تو اپنے دل میں کرے حضرت  
قیس بن عباد نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وسلم کے حضرات صحابہ کرام تین مواقع پر آواز  
بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے رطائی - جنازہ - اور  
ذکر کے وقت امام ابن النذر نے کتاب الشراف  
میں اس کا ذکر کیا ہے۔

والیقراء فی نفسه وقال قیس بن عباد  
کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وسلم یکرہون رفع الصوت عند  
ثلاث عند القتال و فی الجنائزہ و فی  
الذکر ذکرہ ابن المنذر فی الاثران۔  
(کبیری ص ۵۵)

حضرت ملا علی القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں کہ۔

ویکرہ لمشیعہا رفع الصوت بالذکر  
والقرآن و یدکر فی نفسه و مرقات ۴۴  
ص ۵۵ طبع ملتان

فقیر زمان فخر المتأخرین علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار الحنفی المتوفی ۱۱۶۹ھ تحریر فرماتے ہیں  
ویکرہ رفع الصوت بالذکر (نور الابضاح ص ۱۳۵) بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے۔  
اور امام ابو حنیفہ ثانی علامہ ابن نجیم المصری الحنفی المتوفی ۷۵۹ھ لکھتے ہیں:-

وینبغی لمن تبع جنازۃ ان یطیل الصمت  
ویکرہ رفع الصوت بالذکر و قرأت  
القرآن و غیرہما فی الجنائزۃ و الکراہۃ  
فیہا کراہۃ تحویم امر البحر الرائق ج ۲  
ص ۱۲۲ طبع مصر

امام طاہر بن احمد الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں کہ:-

ویکرہ رفع الصوت بالذکر یعنی حالۃ  
حمل الجنائزۃ و عن ابی ہاشم کانوا  
یکرہون ان یقول الرجل و هو  
یمشی معها استغفر والد غفر اللہ لکم

جنازہ اٹھانے کی حالت میں بلند آواز سے ذکر  
کرنا مکروہ ہے اور امام ابی ہاشم فرماتے ہیں کہ  
حضرات سلف صالحین اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے  
کہ جنازہ کے ساتھ کوئی آدمی یہ کہے کہ اے لوگو تم

روشن ہیں بجز اللہ تعالیٰ ہمارا اور ہمارے اکابر کا اسی پر عمل ہے۔ چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۳۵۱ میں ہے۔ سوال نمبر ۲۹۴ ذکر خلف الجنائزہ مثل تہلیل اور قراۃ سورۃ ملک وغیرہ میں مفتی بہ کیا ہے؟ الجواب یہ ثابت نہیں اور بیہیت اجتماعیہ بالجہر ایسا کرنا خلاف عمل سلف صالحین ہے لہذا اس کو ترک کیا جاوے انتہی۔

اب فیصلہ مؤلف ذکر بالجہر پر ہے کہ کیا عوام حضرات فقہار احناف کی ان صریح اور واضح عبارات پر عمل کریں یا اس مقام پر بھی چلا چلا کر ذکر بالجہر اور قرأت قرآن کریم کریں؟ اور کیا عوام اس موقع پر ذکر بالجہر کو اور بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنے کو کار ثواب یقین کریں یا مکروہ اور بدعت سمجھیں؟ اور یہ کراہت بھی حسب تصریح صاحب البحر الرائق وغیرہ مکروہ تحریمی ہے۔ ان کو ہوش میں آکر بتانا چاہیے کہ عوام کیا کریں اور کس طریق کو اپنائیں؟ مفتی احمد یار خاں صاحب فتاویٰ

ایک طرف آپ نے حضرات فقہار احناف کی صریح عبارات ملاحظہ فرمائیں کہ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ اور بدعت ہے اس کے عکس اس وقت بریلوی حضرات کے مابہ نامہ مفتی احمد یار خان صاحب (المتوفی ۱۳۹۱ھ) ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۱ء کا فتویٰ بھی سن ہیں وہ لکھتے ہیں :-  
جامع صغیر میں ہے عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلذُّرُؤَانِی الْجَنَائِزَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنازہ میں لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ نہ پڑھا کر اور اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا یا کوئی اور ذکر کرنا ہر طرح جائز ہے بلند آواز سے ہو یا خفیہ انتہی (جاء الحق) مفتی صاحب کا یہ استدلال مردود ہے اولاً اس لئے کہ یہ اہل بیت (ع) جامع الصغیر ج ۱ ص ۵۴ طبع مصر میں مسند فردوس دہلی کے حوالے سے نقل کی ہے اور اس کی کوئی تصحیح و ترمیم نہیں کی گئی اور اسی طرح علامہ عزیزی نے السراج النیر میں بغیر تصحیح و تحسین کے اس کو نقل کیا ہے۔ اوائل علم جانتے ہیں کہ مسند فردوس حدیث کی ان کتابوں میں شامل نہیں جن میں صحت کا التزام کیا گیا ہو بلکہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۹ھ) نے مسند فردوس دہلی کو کتب حدیث کے چوتھے طبقہ میں شمار کیا ہے اور اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ :-

کس اداوت قابل اعتمادیت سند کے در اثبات یہ حدیثیں قابل اعتماد نہیں کہ کسی عقیدہ یا کسی عمل کے

عقیدہ یا غلطی یا نہایت مسک کردہ شود۔ اثبات کے لئے ان سے استدلال کیا جائے۔  
(عبدالغافر طبع مجتبیٰ دہلی)

انہیں حالات اس روایت پر کیونکر اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ جب کہ اس کی تصحیح نہ ہو و ثانیاً  
مفتی صاحب کا دعویٰ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے کا بھی ہے اور اس حدیث میں رفع الصوت کا  
کوئی لفظ موجود نہیں محض دل میں ذکر کرنے کا کوئی منکر نہیں جیسا کہ حضرات فقہار احناف رحمہ کی  
عبارتوں میں اس کی تصریح گزر چکی ہے۔ چنانچہ علامہ عریزیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :-

ای اکثر واحال تشیيعکم للجنائزۃ من  
قولہا سترافان برکتہا تعود علی النیت  
وعلیکم اما بالجهر یهلح التثنی فغیر  
مطلوب. فیرعن نفس (الراجح النبیخ طبع مصر)  
یعنی تم جنازہ کو رخصت کرتے وقت بکثرت کہتے  
یہ پڑھو کیوں کہ اس کی برکت میت او تم پر ٹوٹے  
گی، بہر حال اس حالت میں اس کا جہر سے پڑھنا  
مطلوب نہیں ہے۔ (مسند فردوس عن انسؓ)

اسی واضح اور صریح عبارت کی موجودگی میں کوئی شخص ضرور اس سے جہر ثابت کرے تو اس کا حال  
اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد ہے اور ہر ایک کو اپنے لئے کا بدراہنگہ نام ہے۔

## لنہد آواز سے قرآن کریم پڑھنا

قون سلمان اس مسئلہ میں تردد کر سکتا ہے کہ قرآن کریم کا پڑھنا اور اس کا سننا ایک بہت بڑی  
عبادت کا رتو اب اور سعادت ہے، لیکن جہاں جہر کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے مثلاً کسی کی نماز یا کسی  
بیمار یا سونے والے کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہو تو اس مقام پر بلند آواز سے پڑھنا درست نہیں  
ہے اس سلسلہ میں خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی واضح ہدایات بھی موجود ہیں (علاوہ اس حوالہ کے  
جو پہلے عرض کیا جا چکا ہے) اور حضرات فقہاء اکرام کی تصریحات بھی صراحۃً موجود ہیں۔  
چنانچہ حضرت البیاضیؒ حضرت ابو حازم الانصاریؒ فرماتے ہیں کہ :-

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
خروج علی الناس وہم یصلون وقد علت  
اصواتہم بالقراۃ فقال ان المصلی  
یناجی ربہ عز وجل فلیس یبایناجیہ  
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کے پاس تشریف  
لائے جو نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ انکی آوازیں  
قرآن کریم کی قرأت کے لئے بلند ہو رہی ہیں آپ نے فرمایا  
کہ نمازی اپنے پروردگار عزوجل سے مناجات کرتا ہے

اور قرآن کریم پڑھتے وقت تم میں سے کوئی شخص  
کسی پر آواز بلند نہ کرے۔

ولا يجهر بعضهم على بعض بالقرآن  
رواه احمد ورجال رجال الصحيح  
مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۶۵

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:-

حضرت عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہو کر چہرے  
نماز پڑھنے لگے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابن حذافہ تو مجھے  
نہ سنا بلکہ اللہ تعالیٰ کو سنا یعنی آہستہ  
پڑھ

ان عبد اللہ بن حذافہ قام يصلي فجهر  
بصلاته فقال النبي صلى الله عليه وسلم  
يا ابن حذافه لا تسمعني وسمع ربك  
رواه احمد والبيهزار والطبرانی في  
الكبير الا انه قال عن ابي سلمة ان  
عبد الله بن حذافه ورجال احمد  
رجال الصحيح مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۶۵

ان صحیح روایات کے پیش نظر حضرات فقہاء اگر ائم نے بلند آواز کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے سے  
بھی منع کیا ہے جب کہ اس طرح پڑھنے سے کسی کے سکون شغل اور آرام میں خلل پڑتا ہو، چنانچہ  
فتاویٰ قاضی خان میں ہے:-

کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم پڑھتا ہو اور اس کے  
پہلو میں کوئی شخص فقہ کے مسائل لکھتا ہو اور  
بدیں وجہ اس کو سننا ممکن نہ ہو تو گناہ قاری پر  
ہوگا کیونکہ وہ ایسی جگہ تلاوت کر رہا ہے جہاں لوگ  
اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں اور لکھنے والے پر  
ذکر سماع کی وجہ سے کوئی گناہ نہ ہوگا۔

رجل يقرأ القرآن ويحذبه رجل يكتب  
الفقه لا يمكنه ان يستمع كان الاثم  
على القاري لانه قراء في موضع  
يشتغل الناس باعمالهم ولا شئ  
على الكاتب  
(ج ۲ ص ۲۶۵ طبع نول کشور کھنڈ)

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے والا جہر سے پڑھتا ہو اگر آہستہ پڑھتا ہو تو پھر بالکل جائز  
ہے کیونکہ اس طرح کسی کے کام میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:-  
لا يقرأ جهرًا عند المشغلين بالاعمال  
کہ جو لوگ کام میں مشغول ہوں ان کے پاس بلند

ومن حرمۃ القرآن ان لا یقرأ فی  
الاسواق و فی موضع اللغو کذا فی  
التقیۃ عالمگیری ج ۲ صفحہ ۲۷۷

آواز سے قرآن کریم کی تلاوت نہ کرے اور یہ بھی  
قرآن کریم کی تعظیم میں شامل ہے کہ بازاروں میں  
اور کھیل کی جگہ قرآن کریم نہ پڑھا جائے قنبد میں ایسا ہی ہے

یہ عبارت بھی بصرحت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ جو لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول و مصروف  
ہیں ان کے پاس جہر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ لوگوں کے مشاغل  
میں خلل پڑتا ہے اور وہ قرآن کریم کو دُرجے سے نہیں سن سکتے اور اس سے قرآن کریم کی بے حقیقی بھی  
ہوتی ہے اور ایسے ہی بازاروں میں اور کھیل و شغل کی مجلسوں میں بھی پڑھنا درست نہیں ہے مگر  
افسوس ہے کہ آج کل تو اگر سینما اور بینک وغیرہ کی افتتاح ہو تو وہ قرآن کریم سے کی جاتی ہے۔

فالی اللہ المشتکی ع

### بریں تفاوت راہ از کجاست تا کجا

فائدہ ۱: مختصر الفتاویٰ المصریہ ص ۱۷ میں ہے کہ راستوں اور بازاروں میں قرآن کریم پڑھنا  
منوع ہے کیونکہ یہ لوگوں نے بھیک مائنگنے کا ایک دھنگ بنا رکھا ہے۔ اور اس میں قرآن کریم  
کی بے حقیقی ہے اور اس کو دُرجے سے کوئی مشتاق بھی نہیں۔

حضرت مولانا قاضی تنہا رائد صاحب پانی پتی الحنفی نے جب زوردار الفاظ میں ذکر بالجہر  
کو مکروہ اور بدعت قرار دیا تو ان پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ احادیث و آثار میں بلند آواز سے قرآن کریم  
پڑھنے کی فضیلت آئی ہے پھر کس طرح یہ صحیح ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے کیونکہ آخر قرآن کریم بھی تو ایک  
ذکر بلکہ عمدہ ذکر ہے اس کا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :-

قلت لاشک ان فی الجہر بالقول احادیث  
کثیرۃ والآثار من الصحابۃ والتابعین  
اکثر من ان تحصی لکن فی حق من لایحاج  
ریاء ولا اعجاباً ولا خیرهما من القبائے  
ولا یؤذی جماعۃ یتلبس علیہم صلواتہم  
و ینحلطھا فمن خاف شیئاً من ذالک  
میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بلند آواز  
کے ساتھ قرآن کریم کے پڑھنے کے بارے میں بہت  
احادیث اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کے آثار  
موجود ہیں جن کا شمار بھی نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ جہر  
ان لوگوں کے لئے ہے جو ریاء اور خود پسندی  
وغیرہ بری صفات کا خوف نہ کریں اور نمازیوں

فلا يجوز له الجهر وان لم يخف استحب  
الجهر (تفسير مظہری ج ۱ ص ۱۷۵)

کی جماعت کو اس سے اذیت نہ ہوتی ہو اور نہ ان  
کی نماز میں اشتباہ اور التباس واقع ہوتا ہو پس  
جو شخص ان میں سے کسی چیز کا خوف کرتا ہو تو اس  
کے لئے بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا جائز نہیں  
ہے اور اگر یہ خوف نہ ہو تو پھر جہر مستحب ہے۔

اس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا بلند آواز سے پڑھنا بھی مشروع ہے، اگر  
اس کی شرطیں پائی جائیں تو جہر مستحب ہے ورنہ بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا بھی جائز نہیں ہے اور  
خصوصاً جب کہ نمازیوں کی نماز میں خلل اور اشتباہ پڑنے کا احتمال اور خطرہ ہو تو پھر بلند آواز سے قرآن  
کریم پڑھنا جائز ہی نہیں ہے (فلا يجوز له الجهر)  
مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی کسٹوٹی میں ایک سوال و جواب یوں ہے :-

استفتاء اگر کوئی شخص بلند آواز سے قرآن شریف پڑھے اور اس پاس کے لوگ کسی وجہ سے  
کان لگا کر سنیں یا دنیاوی کاموں میں بھٹنے ہونے کی وجہ سے نہ سن سکیں تو کیا ایسی حالت میں پڑھنے  
والے کو چپکے پڑھنا لازم ہوگا یا نہیں؟ پہلی صورت میں اگر وہ چپکے نہ پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟  
ہو المصوب۔ قرآن شریف کا سننا فرض ہے، اگر لوگ کاموں میں بھٹنے ہوں اور قرآن  
شریف سننے کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں تو پڑھنے والوں کو چپکے سے پڑھنا چاہیئے، اور بلند آواز سے  
پڑھ کر حاضرین کو گنہگار نہ بنانا چاہیئے یہ کسرہ رفع الصوت بقراءة القرآن عند  
المشتغلين لان فيه منع غیرہ عن شغلہ (جو لوگ اپنے کام میں مصروف ہیں ان  
کے نزدیک بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں دوسرے کو اپنے کام سے  
روک دینا ہے) اور شرح تفسیر میں تراشی سے منقول ہے لا يقرأ القرآن جهراً عند  
المشتغلين بالاعمال لما فيه من قطعهم عن الاعمال وترك الاستماع وفي  
المنهية امرأة تغزل في البيت ليس لاحد ان يقرأ القرآن عند هاجرها  
انتہی (مخصوصاً جو لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہیں ان کے پاس آواز بلند قرآن شریف نہ پڑھنا چاہیئے  
کیونکہ اگر تا وہ اپنے کاموں میں مصروف رہیں گے اور قرآن نہ سنیں گے یا اپنا کام چھوڑ دیں گے اور



اور منہیہ میں ہے جو عورت گھر میں سوت کاتتی ہو اس کے پاس کسی کو باوازیل بند قرآن شریف نہ پڑھنا چاہیے  
 واللہ تعالیٰ اعلم حررہ الراجی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ تعالیٰ عن ذنبہ الجلی والحفی، اصحاب من  
 اجاب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ محمد رحمۃ اللہ علی عنہ ومجموع فتاویٰ ج ۱ ص ۷۳ و ۷۴  
 امام کو بھی اس حد تک جبر کرنا چاہیے جس سے مقتدی سن سکیں اس سے زیادہ جبر کرنا مکروہ ہے  
 جس کی بحث انشاء اللہ تعالیٰ آگے آرہی ہے۔

---

# باب چہام

## تکبیرات عیدین

عیدین کی زائد تکبیروں کے بارے میں حضرات ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زائد تکبیریں چھ ہیں (اول باقی ائمہ کرام بارۃ تکبیریں زائد مانتے ہیں اس مسئلہ کی تحقیق کا یہ مقام نہیں ہے) امام قاضی خانؒ فرماتے ہیں کہ عیدین کی چھ سے زائد تکبیریں نہ ہوں کیونکہ۔

وهو قول اکثر الصحابة وبه اخذ اصحابنا لان الجهر بالتكبير بدعة فلا يؤخذ الا بما اتفق عليه الصحابة (قاضی خان ج ۱ ص ۸۸)

یہی اکثر حضرات صحابہ کرام کا قول ہے اور اسی قول کو ہمارے فقہاء احناف نے لیا ہے کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے سو اسی پر کوئی جاری لگا جس پر حضرات صحابہ کرامؓ کی اکثریت کا اتفاق ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جہاں شرعاً جہراً تکبیر ثابت نہیں وہاں بلند آواز سے اشد اکبر کہنا بھی بدعت ہے اور ایسے مقام پر زائد تکبیروں کے ترک کرنا میں ہی احتیاط ہے تاکہ اس طریقہ سے بدعت زندہ نہ ہو اور امام علیؓ بن ابی بکرؓ بن عبد الجلیل المرعینیؒ فی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ صاحب بدایہ ایام تشریق کی تکبیرات کے بارے فرماتے ہیں :

واخذ بقول ابن مسعود اخذاً بالاقول لان الجهر بالتكبير بدعة (ہدایہ ج ۱ ص ۱۵۵)

امام صاحب حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا قول لیا ہے کہ تکبیر تشریق کا آخری حرکت اکبر ہوں، ایسے کہ آئیں تکبیریں کم ہیں کہ بلند آواز

سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔

اور اس کے علاوہ بھی متعدد کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جہاں ثابت نہیں وہاں جہراً تکبیر بدعت ہے یہ بات تو مخفی نہیں کہ ائمہ اربعہ کہنا خاص ذکر ہے مگر بے موقع اس کے جہر کو بھی حضرات فقہاء کرامؒ صراحتاً بدعت کہتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں۔

امام قاضی خانؒ پر اعتراض یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ عیدین کی رائے تکبیریں تو احادیث سے ثابت ہیں۔ (گو وہ فرداً فرداً سب ضعیف ہیں اور یہ بحث یہاں کی نہیں ہے) اور بعض حضرات صحابہ کرامؓ سے بھی ایسا ہی مروی ہے تو پھر ان کے بدعت ہونے کا کیا معنی؟ کیونکہ جو چیز سنت سے ثابت ہو وہ بدعت کیسے ہوئی؟ اس کا جواب حضرات فقہاء کرامؒ کی اصطلاح میں یہ ہے کہ جو چیز سنت اور بدعت میں دائر ہو یا اس طور پر ایک وجہ سے وہ سنت ثابت ہوتی ہے اور دوسری وجہ سے اس کا بدعت ہونا ثابت ہوتا ہے تو ایسے موقع پر سنت کو ترک کیا جائے گا تاکہ اس کی وجہ سے بدعت زندہ نہ ہو آپؐ غور فرمائیں کہ بدعت سے حضرات فقہاء کرامؒ کو کس قدر نفرت ہے کہ اس کے دُور سے سنت بھی ترک کی جا رہی ہے چنانچہ عالمگیری میں ہے۔

وما تردد بین البدعة والسنة  
یتروک احدہما لگیری لم متہ اطعم مصر

اور علامہ رشامیؒ تحریر فرماتے ہیں:-

لانه اذا تردد الحكم بین سنة و  
بدعة كان ترك السنة واجماع علی فعل  
البدعة احدہما رشامی لم متہ طبع مصر

اس ضابطہ اور قاعدہ کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہؒ نے زائد دنوں کی تکبیر کو بدعت قرار دے کر ترک کر دیا ہے کیونکہ ائمہ اربعہ کہنا ذکر ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وہ بلند آواز سے ذکر کرنے کو بدعت بھی قرار دیتے ہیں اور نص قرآنی اُدْعُوا ذٰلِکُمُ الْاٰیۃ کے مخالف بھی کہتے ہیں لہذا بدعت کا ثبوت قطعی دلیل سے ہے اور اس کے مقابلہ میں یا تو ظنی دلیل ہے یا بعض حضرات صحابہ کرامؓ کی غیر معصوم آراء ہیں تو اس وجہ سے بدعت کا ترک کرنا ضروری ہے تاکہ نہ تو نص قطعی کی مخالفت اور نہ بدعت زندہ ہو بقول شخصے کہ دیننگ لگے نہ چھٹکری۔

عید الفطر کے موقع پر بلند آواز سے تکبیر کہنا۔

اس مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرات صاحبینؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا پس میں خاص اختلاف ہے اور ان حضرات کے مسلک کے نقل کرنے میں فقہاء احناف کی عبارتیں بھی کافی حد تک مختلف ہیں کہ عید الفطر کی نماز پڑھنے کے لئے عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنی چاہیے یا آہستہ؟ حضرت صاحبینؒ جبر سے تکبیر کہنے کے حق میں ہیں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ایک مشہور روایت یہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر نہیں ہونا چاہیے اور دوسری روایت ان سے جواز کی ہے جیسا کہ حضرات صاحبینؒ کا قول ہے ہم مسئلہ کی تنقیح کے لئے فقہاء احناف کی چند نقول عرض کرتے ہیں۔

(۱) علامہ خضکی الخفیؒ لکھتے ہیں کہ:-

وقال المجہریہ سنۃ کالاضعی وہی  
روایۃ عنہ ووجہہا ظاہر قولہ تعالیٰ  
وَلِتُكَبِّرُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى  
مَا هَدَاكُمْ وَجِہ الاول ان رفع الصوت  
بالذکر بدعتہ فیکتصر علی مودد  
الشرع

(در مختار ج ۳ ص ۱۷ طبع مصر)

اور حضرات صاحبینؒ کہتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کی طرح  
عید الفطر میں بھی بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت ہے  
اور امام صاحبؒ کی بھی ایک روایت یہ ہے اور اس  
کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ ظاہری ارشاد ہے اور تاکہ تم  
گنتی پوری کرو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان  
کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور پہلے  
قول (عدم جبر) کی وجہ یہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر  
بدعت ہے پس یہ وہاں بند رہے گا جہاں شریعت  
کا حکم ہے۔

اس عبارت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اس قول کی کہ عید الفطر میں جبراً تکبیر نہ ہو دلیل یہ پیش کی گئی  
ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور جس موقع پر جبراً ذکر ثابت ہے مثلاً عید الاضحیٰ وغیرہ کے موقع پر تو یہ  
جبر وہیں تک محدود ہوگا۔ اس موقع سے آگے دوسرے مقام پر یہ حکم ثابت نہ کیا جائے گا اور دوسرے  
قول کی وجہ وہ ہے جو حضرات صاحبینؒ نے وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ وَالْعِدَّةَ سے پیش کی گئی ہے لیکن خود  
امام خضکیؒ اس دلیل پر مطمئن نظر نہیں آتے جیسا کہ وہ ظاہر قولہ کا جملہ ارشاد فرما کر اس کی طرف  
اشارہ کر رہے ہیں۔

علامہ محمد امین بن عمر الشامی الحنفی (المتوفی ۱۲۵۲ھ) در مختار کے اس مجملہ فیقتصر علی مودد الشرح کی تشریح کرتے ہیں۔

اور وہ جیسا کہ بحر الرائق میں قنیہ سے نقل کیا ہے کہ ایام تشریق کے علاوہ بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت نہیں مگر دشمن اور چوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض نے آگ لگنے اور باقی خطرات کے مواقع کو بھی قیاس کیا ہے امام قسٹانی نے یہ بات بھی زیادہ بیان کی ہے کہ جب بلند پر چڑھے تب بھی بلند آواز سے تکبیر کہے۔

وهو ما في البحر عن القنينة التكبير جهرا في غير ايام التشريق لا يسن الا بازاء العد واولا لصوص وقاس عليه بعضهم المحريق والمخادف كلها ما زاد القهستاني او علا شرفا انتهي (شامی بر ص ۷۷ طبع مصر)

(۲) علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی الحنفی (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ:

راستہ میں بلند آواز سے تکبیر کہے بلکہ آہستہ تکبیر کہے امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے کیونکہ اصل ذکر و ثنا میں اخفاء ہے مگر جس کو تحریریت نے فحرم کیا ہو جیسا عید الاضحیٰ کا دن اور حضرات صاحبین کہتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر کہے اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے۔

غير مكبر جهرا في الطريق بل مكبرا خفية عند ابى حنيفة لا في اصل في الثناء الاخفاء الا ما خصه الشارع كيوم الاضحى وقال يجهر به لان ابن عمر رضى الله عنهما كان يرفع صوته بالتكبير (عینی شرح الكنز ص ۷۵)

(۳) امام علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی (المتوفی ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ بہر حال عید الفطر میں امام صاحب کے نزدیک بلند آواز سے تکبیر کہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک۔

بلند آواز سے تکبیر کہے اور امام طحاوی نے فرمان فرمایا ہے کہ دونوں عیدوں میں جہر کرے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے اور تاکہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی

واما في عيد الفطر فلا يجهر بالتكبير عند ابى حنيفة وعند ابى يوسف ومحمد يجهرون ذكر الطحاوي انه يجهر في لعيد دين جميعا واحتجوا بقوله تعالى

بڑائی بیان کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی  
اور گفتی پوری کرنے کے بعد یہی تکبیر باقی ہے اور  
امام صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے  
سے روایت ہے کہ ان کو ان کا قائد جب کہ حضرت  
ابن عباسؓ ناہینا ہو چکے تھے عید الفطر کے دن،  
عید گاہ ملے گیا تو انہوں نے سنا کہ لوگ تکبیر کہہ رہے  
ہیں حضرت ابن عباسؓ نے اپنے قائد سے فرمایا کیا امام  
نے تکبیر کہی ہے؟ وہ بولا نہیں فرمایا کیا پس لوگ  
پاگل ہو گئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر بلند آواز  
سے تکبیر کہنا سنت ہوتی تو اس انکار کا کوئی معنی  
نہیں اور اس لئے بھی کہ اصل اذکار میں اخفاء ہے  
مگر جہاں تخصیص وارد ہوئی ہے اور عید الاضحیٰ میں  
اجازت وارد ہوئی ہے تو عید الفطر کا حکم اصل  
پر باقی رہے گا اور بہر حال آیت سے استدلال  
تو (نام نہیں کیونکہ) کہا گیا ہے کہ اس سے مراد عید  
کی نماز ہے علاوہ ازیں اس آیت میں نفس تکبیر مذکور  
ہے اور ہمارا کلام تکبیر کی صفت جہاں اخفاء کے  
بارے میں ہے اور یہ آیت اس وجہ سے بالکل  
ساکت ہے۔

وَلْتَكْبِرُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى  
مَا هَذَا كَمُ وِلَيْسَ بَعْدَ كَمَالِ الْعِدَّةِ  
الْهَذَا التَّكْبِيرُ وَلَا بِي حَنِيفَةً مَارُودِي  
عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ حَمَلَهُ قَائِدَهُ يَوْمَ  
الْفِطْرِ فَمَعَ النَّاسُ يَكْبِرُونَ فَقَالَ لِقَائِدِهِ  
أَكْبَرُ الْإِمَامُ قَالَ لَا قَالَ أَتُحَنُّ النَّاسَ وَلَوْ  
كَانَ الْجَهْرُ بِالتَّكْبِيرِ سُنَّةً لَمْ يَكُنْ لِهَذَا  
الْإِنْكَارِ مَعْنَى وَلَا نِ الْإِصْلَ فِي الْإِذْكَارِ  
هُوَ الْإِخْفَاءُ الْإِذَا مَا وَرَدَ التَّخْصِصُ يَرْتَفِعُ  
وَقَدْ وَرَدَ فِي عِيدِهِ الْإِضْحَىٰ فَبَقِيَ الْأَمْرُ  
فِي عِيدِ الْفِطْرِ عَلَى الْإِصْلِ وَأَمَّا الْآيَةُ  
فَقَدْ قِيلَ إِنَّ الْمُرَادَ مِنْهُ صَلَوةَ الْعِيدِ  
عَلَىٰ أَنَّ الْآيَةَ تَتَعَرَّضُ لِأَصْلِ التَّكْبِيرِ  
وَلَا مَنَافِيَ وَصِفِ التَّكْبِيرِ مِنَ الْجَهْرِ  
وَالْإِخْفَاءِ وَالْآيَةُ سَاكِنَةٌ عَنْ ذَلِكَ  
انْتَهَى رِ الْبَدَائِعُ وَالصَّنَائِعُ ج ۲ ص ۲۶۵ و ۲۸۰

امام کا سانیؒ کی اس عبارت میں یہ فوائد متوہوں کی طرح صاف طور پر چمک رہے ہیں۔  
(۱) اگر عید الفطر کے موقع پر جہراً تکبیر سنت ہوتی تو حضرت ابن عباسؓ کے انکار کا کوئی معنی نہیں۔  
(ب) اصل اذکار میں اخفاء ہے ہاں جہاں جہر وارد ہوا ہے مثلاً عید الاضحیٰ میں تو وہ بات بدل ہے۔  
(ج) حضرت صاحبینؒ نے جس آیت کریمہ سے عید الفطر کے موقع پر جہراً تکبیر پر استدلال کیا ہے اس

میں تقریب نام نہیں اور اس سلسلہ پر ان کا استدلال قطعی نہیں کیونکہ اس آیت کریمہ میں جس تکبیر کا ذکر ہے اس کی تفسیر بھی کی گئی ہے کہ اس سے مراد نماز عید کی زائد تکبیریں ہیں جو نماز کے اندر موقوف ہیں۔ جب یہ احتمال اور تفسیر بھی موجود ہے تو پھر استدلال قطعی کیسے ہوا؟

(د) سب سے زیادہ وزن فی بات امام کا سانیؒ نے اس عبارت میں یہ فرمادی کہ اختلاف نفس تکبیر کا نہیں ہے بلکہ جہر اور عدم جہر کا ہے اگر اس آیت کی صرف یہی تفسیر ہو کہ نماز سے خارج تکبیر کہنی چاہیے تب بھی اس سے جہر تو ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ آیت کریمہ تکبیر کے جہر اور وتر سے بالکل ساکت ہے یہ جہر اور وتر کی صفت اور دلائل سے ثابت ہوگی اور اس جہر کے ثبوت پر بعض حضرات صحابہ کرام کا تعامل ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا انشاء اللہ العزیز اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر استدلال نص قرآنی سے ہے تو قطعی اور قطعی کا کیا تقابل؟

(۴) امام ابو بکر شمس الانار محمد بن احمد السرخسی الحنفیؒ (المتوفی ۴۹۰ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ ولان رفع الاصوات بالتکبیر فی اذکار الصلوات خلاف المعهود فلا یثبت الا بالیقین والیقین فیما اتفق علیہ کبار الصحابة (امرو السبوط ج ۲ ص ۲۸ طبع مصر) اور اس لئے بھی کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا سلف کے معهود طریقہ کے خلاف ہے پس یہ ثابت نہیں ہو سکتا مگر یقین سے اور یقین اسی چیز میں ہے جس پر حضرات صحابہ کرام متفق ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا سلف صالحین کے ہاں معهود نہ تھا اور نہ یہ سنت معہودہ سے ثابت ہے اور ایسی خلاف معہود اشیاء کا ثبوت کسی موجب یقین دلیل سے ہو سکتا ہے اور وہ اس مقام پر وہی ہے جس پر حضرات اکابر صحابہ کرام متفق ہوں۔

(۵) علامہ ابن نجیم مصری الحنفیؒ اس پر طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

وفی غایۃ البیان ان المراد من نفی التکبیر بصفة الجهر لان التکبیر خیر موضوع لا خلاف فی جوازہ بصفة الاخفاء و فی الخلاصة ما یخالفه قال ولا یکبر یوم الفطر

فایۃ البیان میں ہے کہ تکبیر کی نفی سے مراد یہ ہے کہ بصفۃ جہر نہ ہو کیونکہ نفس تکبیر تو بہترین عمل ہے اس کے اخفاء کے حوازیں تو کوئی اختلاف نہیں اور خلاصہ میں اس کے خلاف ہے صاحب خلاصہ نے کہا ہے کہ عید الفطر کے دن (لام صاحب)

وعندهما يكبر ويخافت واحدا  
 الروایتین عن ابی حنیفۃ والاصح  
 ما ذكرنا انه لا يكبر في عيد الفطر  
 فافادان الخلاف في اصله لاني  
 صفتہ وان الاتفاق على عدم  
 الجهر به ورد في فتح القدير بانه  
 ليس بشئ اذ لا يمنع من ذكر الله  
 تعالى بسائر اللفاظ في شئ من  
 الاوقات بل من اي قاعه على وجه  
 البدعه فقال ابو حنیفۃ دفع الصوت  
 بالذكر بدعه ويخالف الامر  
 من قوله تعالى واذكروا ربكم في  
 نفوسكم تضرعاً وخيفۃً ودون الجهر  
 من القول فيقتصر على مورد الشرع  
 وقد ورد به في الاضطرار وهو قوله  
 تعالى واذكروا الله في ايام معدودات  
 جاء في التفسير ان المراد التكبير  
 في هذه الايام اھ وهو مورد دلان صاحب  
 الخلاصۃ اعلم بالخلاف منه ولان ذكر  
 الله تعالى اذا قصد به التخصيص بوقت  
 دون وقت او بشئ دون شئ لم يكن  
 مشروعاً حيث لم ير الشرع به لانه  
 خلاف المشروع وكل ما هم انما هو

کے نزدیک، تکبیر نہ کہ اور صاحبین کے نزدیک  
 آہستہ تکبیر کہے اور امام صاحب کی بھی روایتوں میں  
 سے ایک اسی طرح ہے اور صحیح ترات وہ ہے جو ہم  
 نے ذکر کی ہے کہ عید الفطر کے موقع پر تکبیر نہ کہے اس  
 سے یہ معلوم ہوا کہ اختلاف نفس تکبیر میں ہے نہ کہ اس  
 کی صفت میں اور یہ کہ عدم جہر پر اتفاق ہے اور  
 فتح القدير میں اس کو رد کیا ہے اور یہ کہل ہے کہ یہ  
 کوئی شئی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جن  
 الفاظ سے بھی ہو کسی وقت منع نہیں کیا جاسکتا بلکہ  
 اس وقت منع کیا جائے گا جب کہ اس کو بدعت کے  
 طور پر واقع کیا جائے سو امام ابو حنیفہ نے فرمایا  
 ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ  
 تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ تو اپنے  
 رب کا ذکر اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے  
 ہوئے کر اور جہر سے کم بول کر پس یہ مورد ثمر پر  
 بند ہوگا اور عید الاضحیٰ کے موقع پر یہ وارد ہوا ہے  
 جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ذکر کر وتم اللہ  
 تعالیٰ کا گنتی کے دنوں میں اس کی تفسیر میں یہ آیا  
 ہے کہ اس سے ان دنوں کی تکبیر مراد ہے لیکن صاحب  
 فتح القدير کا یہ قول مردود ہے کیونکہ صاحب خلاصہ  
 اختلاف کو ان سے بہتر جانتے ہیں اور اس لئے بھی  
 کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر جب کسی خاص وقت یا کسی خاص  
 صفت کے ساتھ قصداً مخصوص کر لیا جائے جہاں



فياخص يوم الفطر بالتكبير ولذا قل في غاية البيان  
 من باب المهر عند ذكر التمتع وقيل فلا يكبر في طريق العلى  
 عند ابى حنيفة اى حكماً للعید والکن لو  
 کبر لانه ذکر الله تعالى يجوز ويستحب  
 فالحاصل ان المجرى بالتكبير بعد عتی کل  
 وقت الا في المواضع المستثناة وصرح  
 قاضیخان في فتاویٰ بکراهة الذکر جهراً  
 وتبعه علی ذلك صاحب المستصفی  
 وفي الفتاویٰ العلاء میند و تمنع الصوفیة  
 من رفع الصوت والصفق وصرح  
 بحر متبای العینی فی شرح التحفة و شتم  
 علی من یفعله مدعیانہ من الصوفیة  
 واستثنى من ذلك فی القنیة ما یفعله  
 الاکثمة فی زماننا فقال امام یعتقد فی کل  
 عداۃ مع جماعۃ قرأۃ آیۃ الکرسی و آخر  
 البقرة و شهد الله ونحوه جهراً الاباس  
 به والافضل الاخفاء ثم قال التکبیر  
 جهراً فی غیر یام التشریق لا یسن الا  
 بازاء العدو والصوص وقاض علیہ  
 بعضهم المحرق والمخاوف کلہا ثم رقم  
 رقم آخر قاص و عندہ جمع کثیر یرفعون  
 اصواتہم بالتملیل والتسبیح جملة لا  
 بأس به والافضاء افضل ولو اجتمعوا

شریعت کا حکم وار نہیں ہوا تو شروع نہ ہوگا کیونکہ  
 یہ شروع کے خلاف ہے اور ان حضرات کی گفتگو بھی  
 مخصوص طور پر عید الفطر کی تکبیر کے بارے میں  
 ہے اور اسی لئے غایۃ البیان میں مہر کے باب میں  
 متعہ کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ امام صاحب کے  
 نزدیک عید کا حکم کچھ کر عید گاہ کے راستے میں تکبیر  
 نہ کہے لیکن اگر اس لئے تکبیر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا  
 ذکر ہے تو جائز اور مستحب ہے الخ پس حاصل یہ ہے  
 کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا تمام اوقات میں بدعت ہے  
 مگر ان جگہوں میں جہاں استنثار آتی ہے لہذا قاضیخان  
 نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ بلند آواز سے  
 ذکر کرنا مکروہ ہے اور صاحب مستصفیٰ نے بھی ان  
 کی پیروی کی ہے اور فتاویٰ علامہ میں ہے کہ صوفیاء  
 کو آواز بلند کرنے اور تالیال بجانے سے منع کیا جائیگا  
 اور علامہ عینی نے شرح تحفہ میں اس کے حرام ہونے  
 کی تصریح کی ہے اور ایسی کاروائی کرنے والوں کی  
 بہت برائی بیان کی ہے جو صوفی ہونے کا دعویٰ  
 کرتے ہیں اور قیصر میں اس سے اس کاروائی کو  
 مستثنیٰ کیا ہے جس کو ہمارے زمانہ کے امام کرتے  
 ہیں چنانچہ انہوں نے کہا کہ اگر کوئی امام ہو جس کی یہ  
 عادت ہو کہ صبح اپنے مقتدیوں کی جماعت کے ساتھ  
 مل کر آیت الکرسی اور سورہ بقرہ کا آخری حصہ اور  
 شہد اللہ الا یہ وغیرہ پھر سے پڑھتا ہے تو اس میں

فی ذکر اللہ والتسبیح والتہلیل یغفون و  
الاخفاء افضل عند الفرع فی السفینۃ  
او ملاعبتہم بالسیوف وکذا الصلوۃ  
علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما  
التکبیر خفیۃ فان قصد بہ ان یکون  
لاجل یوم الفطر فہو مکروہ ایضاً  
والانہو مستحب ولو کان یوم الفطر  
انتہی۔

(السجدہ الرائق ۶ ص ۱۵۹ طبع مصری)

کوئی مضائقہ نہیں ہاں افضل آہستہ پڑھنا ہے  
پھر فرمایا کہ آیات تشریق کے علاوہ بلند آواز سے  
تکبیر کہنا مسنون نہیں ہاں مگر دشمنوں اور چوروں  
کے مقابل میں اور اس پر بعض نے آگ لگنے اور  
اسی قسم کے دیگر تمام خطرات کو قیاس کیا ہے  
پھر اس کے بعد ایک اور بات یہ لکھی کہ کوئی واجب  
یہ ہے جس کے پاس بڑی جماعت ہے جو مل کر تہلیل  
و تسبیح کے لئے آواز بلند کرتے ہیں تو اس کا بھی  
کوئی حرج نہیں ہاں اختصار افضل ہے اور اگر  
وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح اور تہلیل کے  
لئے جمع ہوں تو پھر آہستہ پڑھیں اور کشتی میں  
گھبراہٹ کے وقت اور اپنی تلواروں کے  
ساتھ کھیلنے کے وقت بھی اور اسی طرح درود  
شریف پڑھتے وقت آواز پست کرنا افضل  
ہے اور بہر حال آہستہ تکبیر یوم الفطر کی وجہ  
سے کہے تو بھی مکروہ ہے ورنہ مستحب ہے اگرچہ  
وہ عید الفطر کا دن ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس  
میں تخصیص وقت دون وقت ہے۔

اس عبارت میں بے شمار فقہی مسائل اور فوائد ہیں چند فوائد کا ہم اختصاراً تذکرہ کرتے ہیں  
غور فرمائیں:-

(الف) نفس تکبیر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور وہ ہر وقت مقصود و مطلوب ہے اور اس کے  
آہستہ پڑھنے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

(ب) حضرت امام ابو حنیفہؒ بلند آواز سے ذکر کرنے کو بدعت اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے

خلاف سمجھتے ہیں۔

(ج) اگرچہ ذکر اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے لیکن اس میں بھی اگر اپنی طرف سے کسی وقت کی تخصیص کر لی جائے یا کسی وجہ اور صفت (مثلاً جہراً پڑھنے) کی تخصیص کر لی جائے جہاں شرع کی اجازت اور حکم نہیں تو یہ غیر مشروع ہوگا۔

(د) عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے ذکر کرنے کا چونکہ حکم شرعاً آیا ہے اور اس میں حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف بھی نہیں اس لئے اس میں کوئی کلام نہیں ہاں البتہ عید الفطر کے دن ان حضرات کا آپس میں اختلاف ہے آہستہ ذکر حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک بھی جائز اور مستحب ہے لیکن محض ذکر اللہ ہونے کی وجہ سے نہ کہ یوم الفطر کی خاطر۔ (۵) خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہاں شریعت نے ذکر بالجہر کو مستثنیٰ کیا ہے وہاں جہراً ذکر کرنا ہوگا۔ اور جہاں استثناء ثابت نہیں وہاں ذکر بالجہر بدعت ہے چنانچہ قاضی خان وغیرہ میں کراہت کی تصریح موجود ہے۔

(و) صوفیاء جو ذکر کے وقت آواز بلند کرتے ہیں اور وجد میں آکر اچھلتے کودتے ہیں اور خوشی میں آکر تالیاں بجاتے ہیں ان کو اس کاروائی سے شرعاً منع کیا جائے گا اور علامہ عینیؒ وغیرہ نے اس کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے اور ایسے صوفیاء کی بہت برائی اور قباحت بیان کی ہے۔ (ز) امام زاہدیؒ (صاحب قنیہ) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بعض المذہب کی نماز کے بعد مقتدیوں کی جماعت سے مل کر آیت الکرسی اور سورہ بقرہ کا آخری حصہ اور شہد اللہ اللہ لکھ لکھ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہاں افضل یہ ہے کہ آہستہ پڑھیں۔

(نوٹ) صاحب قنیہ کی مراد اگر یہ ہے کہ تعلیم کے طور پر امام یہ دعائیں پڑھے اور مقتدی بھی ساتھ پڑھتے جائیں تاکہ ان کو یہ یاد ہو جائیں بشرطیکہ نمازیوں کو اس سے تشویش نہ ہو تو یہ صحیح ہے لیکن جب دعائیں یاد ہو جائیں تو پھر ترک کر دیں اور اگر ان کی مراد عام ہے تو دیگر مستند فقہاء احنافؒ کی عبارتیں اس کی تائید نہیں کرتیں چنانچہ امام حافظ الدین الکروری الحنفیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

المذكوران دعاء المأثور جهرًا و  
جهر مع القوم أيضًا ليتعلموا الدعاء  
بأسبغ به وإذا تعلموا حينئذ يكون جهر  
القوم بدعته فتأوى بنزلة ج ۳۷

علی هامش الہندیۃ طبع مصر

یاد کرنے والے (یعنی امام) نے اگر اس ارادہ سے  
مأثور دعاء بلند آواز سے کی تا کہ لوگ دعائیکہ  
لیں اور لوگوں نے بھی ساتھ جہر کیا تو اس میں  
کوئی حرج نہیں لیکن یہ کہ چکنے کے بعد قوم کا  
جہر کرنا بدعت ہوگا۔

یہ عبارت بنانیہ کے حوالہ سے فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۲۵۳ طبع مصر میں بھی منقول ہے۔  
اس صریح عبارت سے معلوم ہوا کہ جب قوم دعائیں یاد کر چکی تو پھر ان کے لئے جہر سے دعا کرنا بدعت  
ہے جہر کا جو صرف اس وقت تک ہے جب تک ان کو دعائیں یاد نہ ہوئی ہوں اور اب تو جہر سے  
ذکر اور دعائیں کرنے والے جہر کو ثواب سمجھتے ہیں اور یہ بدعت ہے چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد العبدی  
الفاہسی المالکی الشہیر بابن الحاج (المتوفی ۷۳۵ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۔

فان حصل التعليم امسك وهذا بخلاف  
ما يعهد اليوم من القراءة والذكر  
جهرًا وجماعة فانهم لا يريدون التعليم  
بل الثواب احد المدخل في طبع مصر

جب تعلیم حاصل ہو جائے تو جہر سے رک جائے  
اور یاس کا روانی کے خلاف ہے جو آج کل لوگ  
بلند آواز سے اور جماعتی شکل میں تلاوت اور ذکر  
کرتے ہیں کیونکہ تعلیم کا نہیں بلکہ ثواب کا ارادہ کرتے ہیں۔

(ح) آیام تشریق (جن کی بقدر ضرورت بحث آگے آ رہی ہے انشاء اللہ العزیز) کے علاوہ بلند آواز  
سے تکبیر کہنا سنت کے خلاف ہے البتہ دشمنوں اور چوروں کے مقابلہ میں یا مکان دوکان اور کارخانہ  
وغیرہ کو آگ لگ جائے تو اس موقع پر بلند آواز سے تکبیر کہنا درست ہے کیونکہ اس میں اصل مقصد تو  
اللہ تعالیٰ کے آگے فریاد کرنا اور اس کی امداد چاہنا ہے اور بالقیع عالم اسباب کے پیش نظر لوگوں کی توجہ  
بھی اپنی طرف مبذول کرنا ہے تا کہ وہ بھی امداد و تعاون کچھ نہیں بجائے اس کے کہ مسلمان اپنی زبان سے دو کلمہ  
الفاظ کے ساتھ دوا دیکر کرے کیوں نہ ہو کہ اللہ اکبر کی صدا بلند کرے اور اس موقع پر بھی اس کا دل اور  
زبان اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو اور اپنے رب حقیقی سے بدحواسی کے موقع پر بھی تعلق منقطع نہ ہو اور  
اس کی لوائے مولیٰ سے لگی رہے۔

(ط) لیکن اگر آپس میں تلواریں (یا دیگر ہتھیاروں) سے کھیل رہے ہوں یا کشتی کے غرقاب ہونے

کا خطرہ درپیش ہو تو اس موقع پر آہستہ تکبیر کرنا بہتر ہے کیونکہ عادتاً دریا میں نشتی والوں کی مدد کے لئے بجز پروردگار کے اور کون پہنچ سکتا ہے ؟ اور وہ آہستہ بلکہ آہستہ تر آواز کو بھی سنتا ہے تو آہستہ ہی بہتر ہے کیونکہ وہاں امداد کے لئے لوگوں کے آئے کا بظاہر اسکان ہی نہیں بخلاف خشکی کے اور ہتھکڑوں کے ساتھ کھیلنے وقت اس لئے بلند آواز سے تکبیر نہ کی جائے کہ ممکن ہے کوئی سطحی قسم کا مغلوب الغضب جلد باز عصیت کا شکار ہو کر کھیل کو حقیقتہً لڑائی سمجھ کر کسی فریق پر حملہ آور نہ ہو جائے اور خواہ مخواہ فتنہ کی آگ کو فروغ نہ ہو اور یوں ہی بلا تحقیق اپنی عاقبت نہ برباد کر بیٹھے اور نیز ایام جنگ میں محاذ کے قریب مشقی جنگ کو عوام نعرہ تکبیر سن کر سچ مچ دشمن کے حملے کا وہم ہی نہ کر لیں اور خواہ مخواہ عوام کو پریشانی لاحق نہ ہو اس لئے آواز بلند کرنا بہتر نہیں ۔

(ی) اس عبارت میں اس کی بھی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ورود شریف بھی آہستہ پر معنی افضل ہے اور اس کی وجہ سلف صالحین کی کمال اتباع ہے اور نجات اسی میں ہے اس کے بارے کچھ اور ضروری عبارتیں اسی کتاب میں مذکور ہیں ۔

(ک) اگر کوئی مقرر اور واعظ پند و نصیحت اور عبرت کے لئے صحیح قصبے بیان کر رہا ہو اور اس کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے کوئی موثر اور طبعی بات نکلوادی تو حاضرین مجلس اگر داد دیتے ہوئے بے ساختہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَا سُبْحَانَ اللَّهِ وغیرہ کلمہ یک زبان ہو کر کہہ دیں (جیسا کہ آج کل قاریوں کی قرأت سے متاثر ہو کر یا کسی شعلہ بیان مقرر کی تقریر میں ایسا کرتے ہیں) تو اس میں بھی کوئی حرج اور مضائقہ نہیں اور قاصد عندہ جمع کشیدہ الخ میں اسی کا تذکرہ ہے ۔

(ل) اس عبارت میں اس کی بھی تصریح موجود ہے کہ اگر جمع ہو کر ذکر کرنا چاہیں تو ذکر آہستہ کریں اور اسی طرح بسیج و تہلیل بھی آہستہ کہیں کیونکہ ذکر کا اصل قاعدہ ہی یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو تو بلا کسی شرعی جواز کے جبراً ذکر نہ کریں ۔

(م) عید الفطر کے موقع پر تحقیق علامہ ابن نجیم اگر آہستہ تکبیر ذکر کے طور پر کرتا ہے تو جائز و مستحب ہے لیکن اگر عید الفطر کی خصوصیت کی وجہ سے کرتا ہے تو یہ مکروہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کسی وقت سے مختص نہیں پھر یہ کیوں تخصیص پیدا کرتا اور سمجھتا ہے ؟  
فائدہ :- ایک ہی چیز کا حکم قصد اور نیت کے بدلنے سے بدل جاتا ہے مثلاً احلہ نفساً

اور جس شخص قرآن کریم کی آیت یا اس سے کم (علیٰ اختلاف اقوال الفقہاء تلاوت کے قصید پڑھیں  
تو جائز نہیں اور اگر دعائے طور پڑھیں تو جائز ہے۔ (شرح دقایہ ج ۱ مطبع مجتبیٰ دہلی)  
یا مثلاً نماز خزاہ میں اگر سورۃ فاتحہ بطور قرأت و تلاوت پڑھی جائے تو درست نہیں اور اگر نہایت  
دعا پڑھی جائے تو جائز ہے (خانہ ج ۲ ص ۲۲۲ طبع نوکشتور وغنیہ المستملی ص ۵۴۲)  
اس سے معلوم ہوا کہ ایسے امور میں جن کی اصل شرع سے ثابت ہے (نہ کہ بدعات و اختراعات  
میں) نیت کا جواز و عدم جواز میں دخل ہے۔

(۱) علامہ شامی امام ابن نجیم مصری کے قول دھومرد و دالم کی شرح میں لکھتے ہیں :-  
ان کا یہ قول اور وہ مرد و دہ ہے اس پر کہا جاسکتا  
ہے کہ امام محقق ابن البہائم کو بھی اختلاف کا علم  
ہے اور بدائع میں ہے اور بہر حال عید الفطر  
میں پس امام صاحب کے قول کے مطابق بلند  
آواز سے تکبیر نہ کہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ بلند  
آواز سے کہے اور اسی طرح السراج الوہاج  
اور تنار خانہ اور مواہب الرحمن اور در البحار  
میں ہے اور نہر الفائق میں ہے کہ جہر سے تکبیر  
نہ کہے اور معنی کی امام صاحب سے یہی روایت  
ہے۔ اور امام طحاوی نے ابن ابی عمران البغدادی  
سے اور انہوں نے امام صاحب سے روایت  
کی ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہے اور یہی صاحبین  
کا قول ہے اور شائع نے تزیج میں اختلاف کیا  
ہے سو امام (ابوبکر الجصاص) رازی نے کہا ہے  
کہ ہمارے اصناف کے قول سے صحیح وہی ہے  
جو ابن ابی عمران نے روایت کیا ہے باقی معنی

قولہ دھومرد و دیمقال علیہ ان الامام  
المحقق لہ علم بالخلاف ایضاً و فی  
البدائع و اما فی عید الفطر فلا یکبر  
جہراً فی قول ابی حنیفۃ و عند ابی  
یوسف و محمد یجہراہ و کذا فی  
السراج الوہاج و التتارخانیۃ و  
مواہب الرحمن و در البحار و قال  
فی النہر غیر مکبر ای جہراً و هذا  
روایۃ المعنی عن الامام و روی الطحاوی  
عن ابن ابی عمران البغدادی عن  
الامام انہ یکبر جہراً و قولہما و اختلف  
المشاہ فی التزیج فقال الرازی الصحیح  
من قول اصحابنا ما رواہ ابن ابی عمران  
و ما رواہ المعنی لم یعرف عنہ و  
فی الخلاصۃ الاصح ما رواہ المعنی کذا  
فی البدایۃ قال الرازی و علیہ

مشائخنا بما وراء النهر والخلاف في الجهر  
وعدمه كما صرح به في التجنيس وعليه  
جراي في غاية البيان والشرح امر وكذا  
جری علیہ فی مختارات النوازل وشرح  
الهداية وعزاه في النهاية الى البسوط  
وتحفة الفقهاء وزاد الفقهاء انتهى۔  
(منحة الخالق علی بحر الرائق ج ۱ ص ۱۵۹)

نے امام صاحب سے جو روایت کی ہے وہ محروفت  
نہیں اور خلاصہ میں ہے کہ صحیح ترین وہ بات  
ہے جو علی نے روایت کی ہے اسی طرح درایت میں  
ہے امام رازی فرماتے ہیں کہ نہ (جیحون) کے  
اس پار رہنے والے ہمارے مشائخ اسی پر ہیں  
پس اختلاف جہل اور عدم جہل میں ہے جیسا کہ  
تجنیس میں ہے اور اسی پر غایۃ البیان اور اس  
کی شرح میں صا د کیا ہے اور اسی پر مختارات النوازل  
اور ہدایہ کے شرح میں اور نہایہ میں اس کو مبسوط  
اور تحفة الفقہاء اور زاد الفقہاء کی طرف منسوب  
کیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی وغیرہ نے امام ابو بکر احمد بن علی المصطاف الرازی الحنفی المتوفی  
۳۲۰ھ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے ہم یقیناً اس کو نقل کر دیں تا کہ بات واضح ہو جائے وہ لکھتے ہیں کہ۔  
فروی المعلق عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ  
قال یکبر الذی یتذهب الی العید یوم  
الاضحیٰ ویجہر بالتکبیر ولا یکبر یوم الفطر  
ولیس فیہ شیء مؤقت لقوله تعالیٰ  
وَلْتَكْبِرُوا لِلَّهِ عَلَىٰ مَا هَدَا لَكُمْ عَمَرو  
وسألت محمداً عن التکبیر فی  
العیدین فقال نعم وهو قولنا وقال  
الحسن بن زیاد عن ابی حنیفۃ عن  
التکبیر فی العیدین لیس بواجب فی  
الطریق ولا فی المصلیٰ وانما التکبیر

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی وغیرہ نے امام ابو بکر احمد بن علی المصطاف الرازی الحنفی المتوفی  
۳۲۰ھ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے ہم یقیناً اس کو نقل کر دیں تا کہ بات واضح ہو جائے وہ لکھتے ہیں کہ۔  
معلی نے امام ابو یوسف کے طریق سے امام صاحب  
سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ جو شخص  
عید الاضحیٰ کے دن عید کی (نماز کی) طرف جائے  
تو بلند آواز سے تکبیر کہے اور عید الفطر کے دن نہ  
کہے اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ یوم الاضحیٰ  
اور یوم الفطر دونوں میں تکبیر کہے اور اس میں  
کوئی چیز متعین اور مقرر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ  
کا ارشاد ہے اور تا کہم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان  
کر و جیسا کہ اس نے ہمیں ہدایت دی اور عمرو  
نے کہا کہ میں نے امام محمد سے عیدین کے دن تکبیر

الواجب فی صلوة العید و ذکر الطحاوی  
ان ابن ابی عمران کان یحکی عن اصحابنا  
جمعاً ان السنة عندهم فی یوم الفطر ان  
یکبروا فی الطریق الی المصلی حتی یأتوه  
ولم تکن نعرف ما حکاه المعطی عندهم  
(احکام القرآن ج ۲ ص ۲۶۳ و ۲۶۴ طبع مصر)

کے بارے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں  
کہنی چاہیے اور یہی ہمارا قول ہے اور امام حسن  
بن زیاد نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے  
کہ عیدین میں راستہ میں اور اسی طرح عید گاہ  
میں تکبیر واجب نہیں ہے تکبیر تو عید کی نماز میں  
واجب ہے اور امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ ابن  
ابی عمرانؒ ہمارے سب اصحاب امام ابو حنیفہؒ  
اور صاحبین وغیرہم سے یہ حکایت کرتے ہیں کہ عید  
الفطر کے دن ان سب کے نزدیک سنت یہ ہے  
کہ عید گاہ کو جاتے ہوئے راستہ میں تکبیریں یہاں  
تک کہ عید گاہ پہنچ جائیں اور جو چیز معطلی نے ان سے  
روایت کی ہے ہم اس کو نہیں جانتے۔

علامہ شربل الہنفیؒ لکھتے ہیں کہ عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے مکثاً اسراً  
(نور الایضاح ص ۱۱۹) یعنی آہستہ آہستہ تکبیر کہے اس کی تشریح کرتے ہوئے وہ مرقی الفلاح میں لکھتے ہیں کہ  
قال علیہ السلام خیر الذکر الہنفی وخیر  
الرزق ما یکفی وعندہما جہراً وہو  
روایۃ عن الامام وکان ابن عمر یرفع  
صوتہ بالتکبیر۔ (ص ۲۹ طبع مصر)  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہتر ذکر  
وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو  
ضرورت میں کفایت کرے اور صاحبینؒ کے  
نزدیک بلند آواز سے تکبیر کہے کیونکہ حضرت ابن  
عمرؓ بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے اور امام ابو حنیفہؒ  
کی بھی ایک روایت ہے۔

علامہ سید احمد طحاوی المصری الہنفیؒ المتوفی ۳۳۳ھ مکثاً اسراً کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-  
قال الطحاوی ذکر ابن ابی عمران عن  
اصحابنا جمعاً ان السنة عندهم



یوم الفطر ان یکبر فی طریق المصلی وهو  
الصحیح لقوله تعالیٰ وَلِتُكَبِّرُوا لِلّٰهِ عَلٰی  
مَا هَدٰکُمْ وَاَنْتُمْ عِنْدَہُمْ جَاهِلٌ بِالْغٰیبِ  
الذی ینبغی ان یکون الخلاف فی استحب  
الجہر وعدمہ لافی کراہتہ وعدمہا  
فعندہما یتحب وعندک الاخفاء  
افضل وذلک لان الجہر قد نقل عن  
کثیر من السلف کابن عمر وعلی وابی  
امامۃ الباہلی والقعقی وابن جبیر وعمار  
بن عبد العزیز وابن ابی لیثیہ وایان بن  
عثمان والحکم وحماد ومالك والشافعی  
واحمد وابو ثور کما ذکرہ ابن  
المنذر فی الاشراف  
طحاوی ص ۲۰ طبع مصر

کے دن ان کے نزدیک سنت یہ ہے کہ عید گاہ  
کے راستہ میں تکبیر کہی جائے اور یہی صحیح ہے  
کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ  
کی بڑائی بیان کرو اس پر جو اس نے تمہیں  
ہدایت دی اور صاحبین کے نزدیک بلند آواز  
سے کہے جائیں گے فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ اختلاف  
استحب جہر اور عدم جہر میں ہو نہ کہ کراہت اور  
عدم کراہت میں پس صاحبین کے نزدیک جہر  
ستحب ہے اور امام صاحب کے نزدیک اخفاء  
افضل ہے اور جہر کے مستحب ہونے کی وجہ ہے  
کہ یہ بہت سے سلف سے منقول ہے جیسے حضرت  
ابن عمر، حضرت علی، حضرت ابوامامہ الباہلی، اور  
حضرت نخعی، ابن جبیر، عمر بن عبد العزیز، ابن  
ابی لیثیہ، ابان بن عثمان، حکم، حماد، مالک،  
شافعی، احمد اور ابو ثور وغیرہ جیسا کہ امام ابن  
المنذر نے اپنی کتاب الاشراف میں نقل کیا ہے۔

فائدہ :- طحاوی میں کتابت کی غلطی سے بجائے الاشراف کے الاشراف لکھا گیا ہے۔ علامہ  
ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۸۵ھ کی کتاب کا نام کتاب الاشراف فی اختلاف العلماء  
رہا ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸۸ للعلامة شمس الدین الزہری المتوفی ۷۴۸ھ پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-  
ان کے اس قول کا حضرت ابن عمر تکبیر کے وقت  
آواز بلند کرتے تھے امام ابو یوسف کی طرف سے یہ  
جواب دیا گیا ہے کہ یہ صحابی کا قول ہے اور اس کو  
قرآن کریم کی اس قطعی عام آیت کے معارض میں

قوله وكان ابن عمر يرفع صوته بالتكبير  
اجيب عنه من طرف الامام بانه قول  
صحابي فلا يعارض به عموم الآية  
القطعية اعني قوله تعالى واذكروا

رَبِّكَ إِنِّي نَفْسِكَ تَصَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ  
الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (الآیۃ)  
نہیں پیش کیا جاسکتا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں  
اور ذکر کر تو اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی  
کرتے ہوئے اور جہر سے کم قول کے ساتھ۔  
(طحاوی ص ۲۹)

ان تمام عبارات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف  
عید الفطر کے دن عید گاہ تک جاتے ہوئے تکبیر بالجہر اور بالسر میں ہے امام صاحبؒ مشہور روایت  
کے مطابق جہر کے قائل نہیں اور مشہور روایت کے پیش نظر ان کا استدلال آیت کریمہ سے ہے اور  
حضرت صاحبینؒ جہر تکبیر کے قائل ہیں اور حضرت امام صاحبؒ بھی ایک روایت ایسی ہی ہے  
اور ان کا استدلال حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کے عمل سے ہے جن حضرات نے حضرت امام صاحبؒ اور  
حضرت صاحبینؒ کا مطلق ذکر کے جہر اور سر کے بارے بیان اور نقل کیا ہے ان کی رائے صحیح نہیں ہے  
نزاع صرف عید الفطر کی تکبیر کا ہے۔

## کبیری

مؤلف ذکر بالجہر کو ہم شے شکوہ ہے کہ ہم نے راہ سنت میں کبیری کی پوری عبارت نقل نہیں کی  
(ملاحظہ ہو ذکر بالجہر ص ۶۱) لیجئے ہم پوری عبارت نقل کر دیتے ہیں اور اس کے علاوہ کبیری ہی سے  
اور عبارت بھی نقل کر دیتے ہیں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے کہ کبیری کی عبارات ان کی تائید کرتی ہیں  
یا ہماری علامہ ابراہیم علی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:-

ويستحب التكبير جهراً في طريق المصلي  
يوم الاضحية اتفاقاً للاجماع واما في الفطر  
فقال ابو حنيفة لا يجهر به وقال لا يجهر  
عن ابى حنيفة كقولهما لقوله تعالى  
وَلْيُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلْيُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى  
مَا هَدَاكُمْ وَرَوَى الدارقطني عن سالم  
ابن عبد الله بن عمر أخبرنا ان رسول  
الله صلى الله عليه وسلم كان يكبر في

عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کے راستہ میں بلند  
آواز سے تکبیر کہنے کے استحباب پر اتفاق و اجماع  
ہے بہر حال عید الفطر کے دن تو امام ابو حنیفہؒ  
فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر نہ کہی جائے اور  
صاحبینؒ کہتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر کہی جائے  
اور امام صاحبؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے  
کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تاکہ تم غفلت پوری  
کر لو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔

الفطر من حين يخرج من بيته حتى  
يأتى المصلى ولا يلى خيفة ان رفع الصوت  
بالذكر بدعة مخالف للاصناف قوله  
تعالى وَادْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا  
وُحِيْفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ إِلَّا مَخْصًى بِالْإِجْمَاعِ  
والجواب عما استدلال به اما الآيتان فانهما  
يحملان يراد بها التكبير في الصلوة  
او يراد بها نفس الصلوة والتكبير  
بمعنى التعظيم على انها دلالة  
فيها على الجهر واما الحديث فانه  
ضعيف بموسى بن محمد بن عطاء  
ابى الطاهر المقدسى ثم ليس فيه ايضاً  
ما يدل على انه يجهر به نعم دوى  
الدارقطنى موقوفاً عن نافع ان ابن عمر  
كان اذا غدا يوم الفطر ويوم الاضحية  
يجهر بالتكبير حتى يأتى المصلى ثم  
يكبر حتى يأتى الامام وقال البيهقى  
الصحيح وقف على ابن عمر وهو قول  
صحابى قد عارضه قول صحابى آخر  
روى ابن المنذر عن ابن عباس انه  
سمع الناس يكبرون فقال لقائده  
اگر الامام قيل لا قال افجع للناس  
ادركنا مثل هذا اليوم مع النبى صلى

اس بات پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور  
دارقطنی نے سالم کے طریق سے روایت کی  
ہے کہ عبد اللہ بن عمر نے ان سے بیان کیا کہ  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر میں جب گھر  
سے نکلتے تو عید گاہ تک تکبیر کہتے رہتے اور امام  
ابو حنیفہ نے فرمایا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت  
اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے کہ  
اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی سے  
ڈرتے ہوئے اور جبر سے کم گلاس جگہ جماع  
سے خصوصیت ثابت ہو باقی جس آیت کریمہ  
سے صاحبین نے استدلال کیا ہے اس کا جواب  
یہ ہے کہ احتمال ہے کہ اس تکبیر سے نماز کے اندر  
کی تکبیر مراد ہو یا اس سے نفس نماز مراد ہو کیونکہ  
تکبیر کے معنی تعظیم کے آتے ہیں علاوہ انیل اس  
آیت میں جہر پر کوئی دلالت نہیں بہر حال حدیث  
تو وہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں  
موسى بن محمد بن عطاء ابو طاهر المقدسى ہے  
جو ضعیف ہے بلکہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا  
سان النیران ۶۶ و ۱۲۷۰ پھر اس حدیث میں  
جہر پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ دارقطنی نے  
بطریق نافع حضرت ابن عمر سے موقوفاً یہ روا  
کی ہے کہ وہ جب عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں  
عید گاہ کی طرف چلتے تو تکبیر کہتے یہاں تک کہ

اللہ علیہ وسلم نماکان احدیکیر قبل  
 الامام فیبقی مفاد الآیة بلا معارض  
 علی ان قول الصحابی لا یعارضه هذا  
 والذی ینبغی ان یکون الخلفاء استحباب  
 الجهر وعدمه لانی کراهیتہ وعدمہما  
 فعندہما یتحب وعدة الاخفاء افضل  
 وذلك لان الجهر قد نقل عن کثیر من  
 السلف کابن عمر وعلی وابی امامة  
 الباهلی والنخعی وابن جبیر وعمر بن عبد العزیز  
 وابن ابی لیلی وابان بن عثمان والحکم و  
 حماد و مالک و احمد و ابی ثور و مثله  
 عن الشافعی ذکرہ ابن المندری فی الاثر  
 وقال الفقیہ ابو جعفر والذی عندنا  
 انه لا ینبغی ان تمنع العامة عن ذلك  
 لقلة رغبتهم فی الخیرات وبہ نأخذ  
 یعنی انہم اذا منعوا عن الجهر بہ لا  
 یفعلونہ سراً فینقطعون عن الخیر  
 بخلاف العالم الذی یعلم ان الاسرار  
 هو الافضل۔

(کبیری ص ۲۵ طبع دیوبند)

امام تک جانشین تھے اور امام بھی فرماتے ہیں  
 کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما  
 ہے اور صحابی کا قول ہے اور اس کے مقابل  
 ایک اور صحابی کا قول ہے جانشین ابن المندری  
 حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے انہوں  
 نے لوگوں کو تکبیر کہتے سنا تو اپنے قائد سے فرمایا  
 کیا امام نے تکبیر کی ہے؟ وہ بولا نہیں تو  
 فرمایا کیا پس لوگ پاگل ہو گئے ہیں ہم نے یہ  
 دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پایا مگر  
 کوئی بھی امام سے پہلے تکبیر نہیں کہتا تھا پس آیت  
 کا مفاد بلا معارضہ رہ گیا علوہ انہیں صحابی کے  
 قول کا آیت کے معارضہ میں پیش کرنے کا کیا معنی؟  
 اس کو مضبوطی سے پکڑو اور مناسب بات یہ ہے  
 کہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف استحباب  
 اور عدم استحباب جہش ہونہ اس کے مکروہ اور  
 نہ مکروہ ہونے کے بارے میں سو صاحبین کے نزدیک  
 جہر مستحب ہے اور امام صاحب کے نزدیک  
 آہستہ تر مضافاً افضل ہے اور یہ اس لئے کہ جہر  
 بہت سے سلف سے منقول ہے مثلاً حضرت  
 ابن عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابولامہ الباہلیؓ، امام  
 نخعیؓ، ابن جبیرؓ، عمر بن عبد العزیزؓ، ابن ابی لیلیؓ  
 ابان بن عثمانؓ، حکمؓ، حمادؓ، مالکؓ، احمد ابو ثورؓ  
 اور اسی طرح امام شافعیؒ سے مروی ہے جیسا کہ

ابن المنذر نے الاثراف میں ذکر کیا ہے اور  
فقید ابو جعفر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مناسب  
نہیں کہ عام لوگوں کو اس سے منع کیا جائے کیونکہ  
ان کی رغبت نیکیوں میں ایسے ہی کم ہوتی ہے اور  
اسی قول کو ہم لیتے ہیں یعنی جب ان کو جہر سے منع  
کیا جائے تو آہستہ بھی تکبیر نہیں کہیں گے تو وہ خیر  
سے رک جائیں گے بخلاف عالم کے جو یہ جانتا ہے  
کہ آہستہ تکبیر کہنا ہی افضل ہے۔

اس ساری عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہ جن مواقع پر شرعاً جہرات نہیں ان مواقع  
پر جہر تکبیر اور بلند آواز سے ذکر کو بدعت کہتے ہیں اور ہم نے حضرت امام صاحب کا جو مسلک راہ  
سنت میں نقل کیا ہے اس ساری عبارت کے نقل کرنے کے بعد بھی وہ دوسری راہ ہے اور اس میں سر  
تفاوت نہیں ہوا جیسا کہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے اس عبارت سے اصولاً جو کچھ ثابت ہوا ہے اس کا  
یوں تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔

(۱) حضرت امام صاحب اور حضرات صاحبین کا اس پر اتفاق ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ  
کی طرف جاتے ہوئے تکبیر کہنا شرعاً ثابت ہے اس لئے بلند آواز سے تکبیر کہنی چاہیئے۔  
(۲) عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنے کے بارے حضرت امام  
صاحب اور حضرات صاحبین کا آپس میں اختلاف ہے حضرت امام صاحب کی ایک روایت یہ ہے  
کہ بلند آواز سے تکبیر نہیں کہنی چاہیئے اور دوسری روایت یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنی چاہیئے اور  
اسی کو امام رازنی نے ترجیح دی ہے کہ اگر اور حضرات صاحبین کا یہی مسلک ہے حضرت امام صاحب  
اور حضرات صاحبین کا یہ اختلاف تکبیرات عیدین کے بارے میں نہیں جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر نے  
یہ لکھ کر کہ فہمی کا ثبوت دیا ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں عیدین کی تکبیرات کو سر آکھے اور صاحبین  
کہتے ہیں کہ تکبیرات کو جہراً کہیے (۷ ص ۷۷)

(۳) عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر کہنے اور نہ کہنے کے سلسلے میں حضرت

امام صاحب سے حضرات فقہاء احناف نے دو قول نقل کئے ہیں ایک یہ کہ عید الفطر کی خصوصیت کو ملحوظ رکھ کر مہرے سے تکبیر نہ کہے کیونکہ ذکر واجب کسی وقت سے مخصوص کر دیا جائے گا تو صحیح ہوگا بلکہ مکروہ اور بدعت ہوگی ہاں محض ذکر کے طور پر کرے تو درست ہے بجز الرق اور خلاصۃ الفقاوی وغیرہ کی عبارات میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ دوسرا یہ کہ ذکر تو ہو لیکن جہراً نہ ہو اور حضرات صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ جہراً ہو والذی ینبغی ان یکون الخلاف الخ میں علامہ حلبی نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی کو علامہ شامی نے یوں تعبیر کیا ہے والخلاف فی الافضلیۃ ما الکراہیۃ فمتنفیۃ عن الطرفین (دشامی ج ۱ ص ۱۷۷) اور یا اختلاف افضلیت میں ہے اور کراہت دونوں کے نزدیک نہیں ہے یہ کراہت صرف عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنے سے منتفی ہے اس سے عام ذکر کا جہر بھنڈا یا دیگر غیر مستثنیٰ مقامات میں تکبیر کا جہراً حواجز سمجھا جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر کا عندیہ ہے اور مفتی احمد یار خان صاحب نے بھی ایسا ہی سمجھ رکھا ہے یہ دلائل کے رو سے قطعاً غلط ہے اور اس کی کوئی وقعت نہیں اور عید الفطر کی اس تکبیر کو نہ تو ہم نے بدعت کہا ہے اور نہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اسے راجح روایت کے رو سے مکروہ کہا ہے مؤلف ذکر بالجہر کا اس کے نتیجہ میں یہ لکھنا۔ لہذا ثابت ہوا کہ جہر مباح ہے اور آپ اسے حرام و مکروہ سے کم نہیں کہتے اب بتلایے کہ مسلک حنفی کو ہم نے چھوڑا یا آپ نے؟ (بلفظہ ص ۶۳) سو گذارش ہے کہ مسلک حنفی کو آپ لوگوں نے ہی چھوڑا ہے اور اس کی آپ ہی کو توفیق ہوئی ہے بھلا اللہ تعالیٰ ہم نے نہ تو دیگر زعمی مسائل میں حضرت امام صاحبؒ کا مسلک چھوڑا ہے اور نہ اس سلسلہ میں جیسا کہ اس کتاب کو پڑھنے والے حضرات اس کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں ہم تو آپ لوگوں کی مصنوعی حقیقت پر قائم کناں ہیں کہ حضرت امام صاحبؒ اور فقہ حنفی کی صریح عبارات کا کھلے بندوں رد کرنے اور ان کے بالکل برعکس چلنے سے بھی آپ لوگوں کی حقیقت میں فرق نہیں آتا بلکہ آپ حضرات کو علمی طور پر شرم بھی نہیں آتی اور بھلا اللہ تعالیٰ ہم اپنے حنفی ہونے پر نازاں ہیں۔

وہ تیری گل کی قیامتیں کہ لمحہ کے مردے اکھڑ گئے

یہ میری جبین نیاز ہے کہ جہاں دھری تھی دھری رہی

(۴) امام ابو جعفر البندوانی نے جوہر فرمایا کہ عوام کو جہر سے نہ منع کیا جائے کیونکہ ان کی رغبت اور شوق

امور دین میں کم تو ہاں کہیں ایسا نہ ہو کہ سرے سے تکبیر ہی چھوڑ دیں یہ صرف عید الفطر کے دن کے بارے میں عمومی طور پر ذکر بالجہر کی بات نہیں ہو رہی جیسا کہ مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ نے یہ باور کرانے کی بے جا سعی کی ہے کہ سمجھنے والے اس سے عمومی ذکر کا حکم سمجھ لیں حالانکہ ایسا نہیں ہے اور انہی کی پیروی میں مؤلف ذکر بالجہر نے یہ سمجھ رکھا ہے اور عید الفطر کی یہ کاروائی ان مستثنیٰ مواقع میں شامل ہے جن میں تکبیر بالجہر جائز ہے بہت سے سلف کا بھی اس پر عمل تھا اور حضرت امام صاحب کی بھی ایک روایت یہ ہے۔

### مؤلف ذکر بالجہر کی بدحواسی

مؤلف ذکر بالجہر علامہ علیؒ کے اس حوالہ سے خاصہ پریشان ہوئے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے، حضرت امام صاحبؒ کے فتویٰ میں لفظ بدعت نے ان کے ہوش و حواس اڑا دیئے ہیں اور ص ۶۷ اور ص ۶۸ میں لفظوں کی شعبہ بازی اور بائیں ہاتھ کے کرتب سے یہ ثابت کرنے کی بالکل ناکام کوشش کی ہے کہ اس بدعت سے بدعت سیئہ مراد نہیں بلکہ بدعت حسنہ اور مستحبہ اور ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ اس مقام پر لفظ بدعت سے بدعت حسنہ مراد لے کر اپنے دل کی تسکین تلاش کرنا ہوائی قلعہ میں پناہ لینا ہے اس لئے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ سیما الفقہاء اور سراج الامت اپنے اس فتویٰ کی دلیل یہ پیش فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے وَادْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ الْآیۃ کیا مؤلف ذکر بالجہر اور ان کی جماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے صریح امر اور حکم کی جو قرآن کریم کی نص قطعی میں وارد ہوا ہو مخالفت کرنا بدعت مستحبہ ہے؟ اگر واقعی ان کے نزدیک قرآن کریم کے صریح امر اور حکم کی مخالفت بدعت مستحبہ ہے تو پھر صحیح حدیث کی مخالفت تو ضرور فرض عین ہوگی؟ اور کیا وہ اپنے اسی نظریہ کے تحت متعدد صحیح اور صریح احادیث کی مخالفت کر کے ثواب دارین تو حاصل نہیں کر رہے؟ اور لطف کی بات یہ ہے کہ وَادْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ الْآیۃ سے ذکر جہر کے بدعت ہونے پر استدلال ماوشما کا نہیں فقیہ الامت حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ہے جن کی نقاہت کا لوہا ساری دنیا مانتی ہے اور ان سے اختلاف رکھنے والے حضرات بھی ان کو عقل کا خارقہ کہنے پر مجبور ہیں ملاحظہ ہو راقم کی کتاب مقام ابی حنیفہؒ الفرض اس عبارت میں لفظ بدعت کی تہ تاویل اور توجیہ قطعاً باطل اور سرسری بنیاد ہے اور حضرت امام صاحبؒ کے اس ارشاد کی یہ توجیہ توجیۃ القول بِمَا لَا يَوْضَعُ

بہ قائلہ کا مصداق ہے جو بالکل مردود ہے اور اس کے علاوہ حضرات فقہاء کرام کے اس سے پہلے بیان کردہ اور آئندہ آنے والے حوالے اور عبارات اس باطل توجیہ کے مردود ہونے کی ایک الگ اور مستقل دلیل ہے اور اس بے بنیاد تاویل کا علمی دنیا میں کوئی مقام نہیں۔ علامہ حلبی کا مزید ارشاد سنئے چنانچہ وہ آیات تشریق کی تکلیف کی بحث میں لکھتے ہیں کہ:-

وتكبير التشریق عقیب الصلوة قیل  
سنة عندنا والاكثر علی انه واجب  
لمواظبتہ علی الصلوة والسلام علیہ  
من غیر توك وكذا الخلفاء الراشدون  
والصحابہ بشرط الاقامة والمحریة  
والذكورة وكون الصلوة فريضة  
بجماعة مستحبة فی المصهر هذا كله عند  
ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ فلا تجب  
علی مسافر ولا عبد ولا امرأة الا  
اذا اقتدوا بمن تجب علیہ ولا تجب  
عقیب الواجب كالوتر و صلوة العید  
ولا عقیب النوافل ولا علی المنفرد  
ولا علی المعذورین صلوة الظهر  
یوم الجمعة بجماعة ولا علی اهل  
القری وعندہما یجب علی كل من  
یصلی المكتوبة لانه تبع لها ولان  
الجهر بالتكبير خلاف السنة والشرع  
ورد به عند استجماع هذه الشروط  
فیقتصر الا بالاعتداء یجب بطریق

اور نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کے بارے میں  
کہا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک سنت ہے اور اکثر  
اس پر ہیں کہ واجب ہے کیونکہ آنحضرت صلی  
اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسی طرح حضرات خلفاء  
راشدین اور دیگر حضرات صحابہ نے اس ہمیشگی  
کی ہے اور اس کو کبھی چھوڑا نہیں (اور یہ وجوب  
کی دلیل ہے) لیکن شرط یہ ہے کہ مقیم آزاد اور  
مرد ہو اور نماز فرض ہو جو ایسی جماعت سے ادا  
کی گئی ہو جو مستحب ہو اور شہر میں ہو یا روستا میں تفصیل  
حضرت امام صاحب کے نزدیک مستحب ہے پس  
یہ تکبیر مسافر غلام اور عورت پر واجب نہیں مگر  
یہ اس کی اقتداء کرتے ہیں جس پر یہ تکبیر واجب ہے  
(مثلاً مقیم وغیرہ) اور یہ تکبیر تشریق صلوة وتر  
کے بعد بھی واجب نہیں کیونکہ وتر واجب میں  
فرض نہیں) اور اسی طرح عید کی نماز اور نفلوں  
کے بعد بھی واجب نہیں اور منفرد پر بھی واجب  
نہیں اور ان مغدوروں پر جو جمعہ کے دن ظہر  
کی نماز جماعت سے ادا کریں اور نہ دیہاتیوں پر  
یہ تکبیر لازم ہے اور صاحبین کے نزدیک جو شخص



بھی فرض نماز پڑھے اس پر تہ تکبیر واجب ہے  
 کیونکہ یہ تکبیر فرض نماز کے تابع ہے اور امام صاحب  
 یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا  
 سنت کے خلاف ہے اور شریعت میں اس  
 مقام پر جہر کا حکم آیا ہے جہاں یہ شرطیں موجود  
 ہوں تو یہ حکم اسی مورد پر بند ہے گا مل مگر جو ان  
 میں کسی کی اقتدار کرے تو بالیقین اس پر واجب ہو جائیگی

اس عبارت سے بھی بصرحت معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بلند آواز سے تکبیر  
 کہنا سنت کے خلاف ہے اور ظاہر بات ہے کہ جو چیز سنت کے خلاف ہو وہ بدعت سیئہ ہی ہوگی۔  
 بدعت حسنہ کبھی نہیں ہو سکتی، لیکن جن مقامات پر شریعت نے جہر کی اجازت دی ہے وہاں ان شرائط  
 کے ساتھ جہر کرنا جائز ہوگا جو شرعاً معتبر ہیں جہاں وہ شرائط مفقود ہوں وہاں امام صاحبؒ کے  
 نزدیک اصل قاعدہ ہی یہی ہے کہ جہر خلاف سنت اور بدعت ہے اب مؤلف ذکر بالجہری از  
 روئے انصاف یہ بتائے اگر انصاف ان کے نزدیک کوئی چیز ہے کہ ہم نے حضرت امام صاحبؒ  
 کا مسلک بجا لے کر یہی جو نقل کیا ہے اس میں کیا کمی واقع ہوئی ہے کہ وہ بلا وجہ علمی اور تحقیقی سطح سے بہت  
 نیچے اتر کر چلی گئی سننے اور سو قیامت طرز اختیار کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں؟

افرض مستثنیٰ مقامات کو درمیان میں لا کر خلط مبحث کرنا علماء اور حق پسندوں سے کوسودور  
 حضرت ملا علی نقی القاری الحنفیؒ بعض اور مقامات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں جہاں شرعاً ذکر بالجہر  
 مطلوب ہے:-

ولین الاسرار فی سائر الاذکار ایضاً  
 الآفی التلبیة والقنوت للامام وتکبیر  
 لیلتي العید وعند رؤیة الانعام فی  
 عشر ذی الحجة وبین کل سورتین  
 من الضحیٰ الی آخر القرآن وذكر السوق  
 اور تمام اذکار میں اخفاء مسنون ہے مگر تلبیہ  
 میں اور دعائے قنوت میں امام کے لئے بلند  
 آواز سے تکبیر کہنا اور دونوں عیدوں کی راتوں  
 میں اور ذوالحجہ کی دس تاریخوں میں (قرآنی  
 کے) جانور دیکھتے وقت اور سورہ الضحیٰ سے

الوارد وعند صعود الهضبات والنزول  
من الشرفات۔

(صرفات ج ۲ ص ۲۵۴ طبع ملتان)  
گویا یہ اور اس قسم کے وہ تمام مقامات جن میں شرعاً بلند آواز سے ذکر کرنا ثابت ہے۔ ان میں  
جہر ہی مطلوب ہے اور ان کے علاوہ آہستہ ذکر کرنا سنوں سے اور بازروں میں بلند آواز سے ذکر  
کرنا ہر وقت مطلوب نہیں بلکہ عید الاضحیٰ کے دس دنوں میں ذکر مراد ہے۔  
چنانچہ علامہ خصفی الحنفی لکھتے ہیں کہ :-

ولا يمنع العامة من التكبير في الاسواق  
في الايام العشر وبه تأخذ۔  
رد مختار ج ۱ ص ۱۷۳ طبع مصر  
عام لوگوں کو عید کے دس دنوں میں کبیر کہنے  
سے منع نہیں کرنا چاہیئے اور ہم اسی قول کو  
لیتے ہیں۔

اس کی شرح میں علامہ شامی الحنفی لکھتے ہیں کہ :-

في المجتبى قليل لابي حنيفة ينبغي لاهل  
الكوفة وغيره ان يكبروا ايام العشر  
في الاسواق والمسجد قال نعم وذکر  
الفقيه ابو الليث ان ابراهيم بن يوسف  
كان يفتي بالتكبير فيها قال الفقيه  
ابو جعفر والذي عندي انه لا ينبغي  
ان تمنع العامة عنه لقلته وعبثهم في  
الخبر وبه تأخذ فافاد ان فعله اولی۔  
(شامی ج ۱ ص ۵۵)

مجتبیٰ میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے کہا گیا کہ کیا اہل  
کوفہ وغیرہ کے لئے مناسب ہے کہ وہ دس دنوں  
میں بازاروں اور مسجدوں میں تکبیر کہیں؟ تو  
آپ نے فرمایا اہل اور فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا  
ہے کہ امام ابراہیمؒ بن یوسفؒ دالبعنی جو بہت  
بڑے امام تھے المتوفی ۲۷۸ھ، ان دنوں میں  
تکبیر کچھ کافی دیا کرتے تھے اور فقیہ ابو جعفرؒ  
فرماتے ہیں کہ میری رائے میں عوام کو تکبیر کچھ  
سے منع نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ نیکی کے کاموں میں  
ان کی رغبت کم ہوتی ہے اور اسی کو ہم لیتے  
ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا اچھا ہے۔

بلند آواز کے ساتھ یہ تکبیر بڑی عید کے دس دنوں کے ساتھ مختص ہے نمازوں کے بعد مجمل

میں ہوا بازاروں میں جن کو تاہم لوگوں نے اس سے عمومی طور پر ہر وقت بلند آواز کے ساتھ تکبیر پڑھنے کا جواز سمجھا ہے وہ سخت غلطی پر ہیں اگرچہ ان ایام میں بازاروں میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنے کو بھی بہت سے اکابر احناف نے بدعت سے تعبیر کیا ہے مگر امام ابو جعفر محمد بن عبداللہ الہندی والی الخفی المتوفی ۳۶۲ھ کے قول کے مطابق اس میں گنجائش ہے کہ بازاروں میں ان دس دنوں میں بلند آواز سے تکبیر کہی جائے۔

چنانچہ امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید الخفی المتوفی ۵۴۲ھ رقم طراز ہیں کہ:-

و یکبر من ینذهب الی العید یوم الاضحیٰ  
 ویجہو بالتکبیر ولا یکبر یوم الفطر وعندھا  
 یکبر ویضا فت وهو احدى الروایتین  
 عن ابی حنیفۃ والاصح ما ذکرنا انه لا یکبر  
 فی عید الفطر فی النوازل سئل عن  
 رفع الصوت بالتکبیر فی طریق المصلی  
 فقال روی عن ابی یوسف انه کان  
 لا یکبر ذلک فی العیدین جمیعاً وعن  
 محمد انه خرج الی العیدین مع خمیین  
 اوستین شیخاً وکانوا یکبرون وکان  
 ابراہیم بن یوسف یفتی بالتکبیر  
 فی الاسواق فی ایام العشر وسئل ابراہیم  
 النخعی عن ذلک فقال تکبیر المحرکۃ و  
 قال الفقیہ ابو جعفر سمعت عن  
 مشائخنا یرون ذلک بدعتہ والذی  
 عندی انه لا ینبغی ان یمنع العامة  
 عن ذلک لانه رغبتم عن الخیرات

جو شخص عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف جائے  
 وہ بلند آواز سے تکبیر کہے اور عید الفطر کے دن  
 تکبیر نہ کہے اور صاحبین کے نزدیک تکبیر کہے مگر  
 آہستہ اور امام صاحب کی دو روایتوں میں سے  
 ایک یہی ہے اور صحیح ترات وہ ہے جو ہم نے  
 ذکر کی کہ عید الفطر کے دن تکبیر نہ کہے اور نوازل  
 میں ہے کہ عید گاہ کے راستہ میں بلند آواز سے  
 تکبیر کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ  
 امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ وہ دونوں  
 عیدوں میں اس کو مکروہ نہ سمجھتے تھے اور امام  
 محمد سے مروی ہے کہ وہ پچاس یا ساٹھ بزرگوں  
 میں عیدین کی نماز کے لئے نکلے اور وہ سبھی تکبیر  
 کہتے تھے اور امام ابراہیم بن یوسف دس دنوں  
 میں بازاروں میں تکبیر کہنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے  
 اور امام نخعی سے اس کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں  
 نے فرمایا حرکت والی تکبیر ہے اور فقیہ ابو جعفر  
 نے فرمایا کہ میں نے اپنے مشائخ سے سنا ہے کہ وہ اس

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲۳ طبع نولکھنؤ)  
 کو بدعت سمجھتے تھے مگر میرے نزدیک مناسب  
 نہیں کہ عوام کو اس سے منع کیا جائے کیونکہ نیکویوں  
 میں ان کی رغبت کم ہوتی ہے۔

اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوا کہ مشائخ احناف میں وہ حضرات بھی تھے جو بازاروں  
 میں بڑی عید کے دنوں میں بلند آواز کے ساتھ تکبیر کہنے کو بدعت کہتے تھے فقید ابو جعفر اللہ وانی  
 نے ان دنوں میں عوام کو نیکویوں میں قلت رغبت کی وجہ سے مبتلا ہونے کی وجہ سے اجازت دی ہے  
 اور اسی پر بعد کے فقہاء کرام ملارہ رکھتے ہوئے اس کی اجازت دیتے ہیں لیکن یہ اجازت صرف ان دنوں  
 دنوں کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے دنوں میں اس کی اجازت سمجھنا جہالت یا خیانت ہے  
 نعوذ باللہ تعالیٰ منہا۔

امام قہستانی کا حوالہ ————— مؤلف نے بالجمہر لکھتے ہیں :-

سادہ سافر از صاحب کے ہوش و حواس سے معذرت کے ساتھ شامی سے ایک اور حوالہ  
 پیش خدمت ہے رہم نے عربی عبارت کی بجائے صرف ترجمہ پر ہی اتقاد کی ہے اور یہ ترجمہ مؤلف نے لکھی ہے  
 بلکہ قہستانی نے امام صاحب سے دو روایتیں نقل کی ہیں ایک یہ کہ اخفا کرے دوسری یہ کہ جہر  
 کرے جیسے صاحبین کا قول ہے انہوں نے کہا کہ یہ دوسری روایت ہی صحیح ہے اور جیسا کہ ابو بکر رازنی  
 نے کہا اور اس کی مثل نہر میں ہے اور حلیہ میں فرمایا کہ عید الفطر میں اختلاف ہے پس امام صاحب سے  
 ایک روایت یہ ہے کہ جہر کیا جائے اور یہی صاحبین کا قول ہے اور یہی امام طحاوی کا مختار ہے اور  
 ایک روایت ان سے اخفا کر کی بھی ہے در شامی ج ۳ ذکر بالجمہر ص ۶۳ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ :-  
 پس معلوم ہوا کہ عید الفطر کی تکبیروں میں امام صاحب سے دو روایتیں ہیں ایک سر کی اور دوسری  
 جہر کی اور قہستانی کے نزدیک صحیح روایت جہر ہی کی ہے اسی کو صاحبین نے اختیار کیا جو فقہار کے  
 طبقہ ثانیہ سے اور مجتہد فی المذہب ہیں اور اسی کو امام ابو جعفر طحاوی نے اختیار اور یہ طبقہ ثانیہ سے  
 ہیں اور مجتہد فی السائل ہیں اور اسی کو ابو بکر رازنی نے اختیار کیا۔ یہ طبقہ رابعہ سے ہیں اور صاحب  
 تخریج میں اس کے علاوہ صاحب نہر صاحب حلیہ اور صاحب جامع رموز قہستانی نے اس کو اختیار کیا  
 یہ سب طبقہ سادہ سے ہیں پس اب سرفراز صاحب سے گزارش ہے کہ ذکر سے فقط ہم ہی بدعتی اور

امام کے مرتکب ہوتے ہیں یا اس مبارک فتویٰ سے کچھ حصہ امام ابوحنیفہؒ سے لے کر طبقہ سادہ تک کے فقہاء کو بھی ملے گا خوب غور و فکر سے جواب دیجئے، بینوا تو جو راہ انتہائی (ذکر بالجہر مکتب) الجواب :- ان کی یہ سب کاوش بے کار ہے۔ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم امام قسطنطینی رحمہ اللہ المتوفی ۳۵۴ھ کی پوری عبارت نقل کر دیں تاکہ مؤلف مذکور کی طبیعت صاف ہو جائے، یوم اضحیٰ کے احکام بیان کرتے ہوئے ماٹن کے اس قول دیکھو جہڑا فی الطریق کی شرح میں وہ لکھتے ہیں کہ :-

اسی طریق المصلیٰ بلا خلاف و فیدہ لشارۃ  
الی انہ یقطعہ اذا انتہی الیہ و فی روایۃ  
یکبر لالی ان یفتتحہ الامام صلوتہ ولای  
انہ لایکبر فی الفطر جہڑا فی الطریق  
وفی روایۃ عنہ انہ یکبر و ہو قولہما  
کما فی المصحف و قال الطحاوی ان الجہر  
بہ فی الطریق سنۃ عند اصحابنا  
جبینعاً اھ و الصحیح علی ما قال الرازی  
کما فی الجلابی و عنہ انہ یکبر خفیۃ  
کما فی الزاہدی و المختار عند اکثر  
المشائخ ان یکبر فیہما خفیۃ و بہ ناخذ  
کما فی المضممرات تھردا عن بدعۃ  
الجہر بالذکر و مدالامران الفعل  
مشی حام حول السنۃ و البدعۃ معاً  
کان توکہ اولیٰ من اتیانہ کما فی الکروما فی  
واعلم انہ ذکر ابو بکر الرازی قلم مشائخنا  
ان التکبیر جہڑا فی غیر ہذا الایام

یعنی عید گاہ کے راستہ میں تکبیر کہے اور اس میں  
کوئی اختلاف نہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ  
جب عید گاہ پہنچ جائے تو تکبیر موقوف کر دے  
اور ایک روایت میں ہے کہ امام کے نماز شروع  
کرتے تک تکبیر کہتا رہے۔ اور اس میں یہ اشارہ  
بھی ہے کہ عید الفطر کے دن راستہ میں بلند آواز  
سے تکبیر نہ کہے اور امام صاحب کی ایک روایت  
میں ہے کہ تکبیر کہے اور یہی صاحبین کا قول ہے  
جیسا کہ محیط میں ہے اور امام طحاوی نے فرمایا کہ  
بلند آواز سے راستہ میں تکبیر کہنا ہمارے تمام  
اصحاب کے نزدیک سنت ہے اور یہی صحیح  
ہے جیسا کہ امام رازی نے فرمایا اسی طرح جلابی میں  
ہے اور امام صاحب کی ایک روایت یوں ہے  
کہ آہستہ تکبیر کہے جیسا زہدی کی تفسیر میں ہے  
اور ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک مختار یہ ہے  
کہ دونوں عیدوں میں آہستہ تکبیر کہے اور ہم بھی  
اسی قول کو لیتے ہیں جیسا کہ مضمرات میں ہے تاکہ

آواز سے تکبیر کہنا سنت نہیں ہے الایہ کہ دشمنوں یا چوروں کا مقابلہ ہو تو الگ بات ہے اس سے  
 اس ذکر یا الجہر کا ثبوت کیسے ہوا جس کے درپے مؤلف ذکر یا الجہر اور ان کے حواری ہیں اور جس جہر  
 بالذکر کا ارتکاب کر کے ان کی جماعت نہ تو مسجدوں میں آرام سے لوگوں کو نماز اور تلاوت وغیرہ  
 ادا کرنے دیتی ہے اور نہ سکون سے راتوں کو نیند کرنے دیتی ہے اس چیز کا ثبوت ان ائمہ کرام میں سے  
 کس سے ہے؟ یہ ہے صحیح مقام غور و فکر سے بینوا تو جو دیکھا جس کی طرف مؤلف مذکور کی توجہ نہیں  
 فائدہ کا۔۔ محیط کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے امام رضی اللہ عنہ بن محمد بن عبد الخسی  
 الخفی (المتوفی ۱۲۵۴ھ) کی محیط مراد ہوتی ہے جو عموماً نایاب ہے مگر درجہ مظاہر العلوم سہارنپور کے  
 کتب خانہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے (تذکرۃ الخلیل ص ۱۶۱) اور الزاہدی سے امام نجم الدین مختار  
 بن محمود الزاہدی الغزینی (المتوفی ۶۵۸ھ) کی کتاب فقیہ مراد ہے۔

### تکبیروات تشریق

تشریق کے معنی صاحب ہدایہ نے امام غلیل بن احمد اللغوی (المتوفی ۱۱۳۸ھ) کے حوالہ سے الجہر  
 بالتکبیر کے کئے ہیں (ہدایہ ج ۱ ص ۱۵۵) اور بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ گوشت کو سورج میں بکھیر کر  
 رکھنا تاکہ وہ خشک ہو جائے اور منی کے مقام پر لوگ قربانی کے گوشت کو پتھر کی چٹانوں پر بکھیر  
 دیتے تھے تاکہ خشک ہو جائے رہنا یہ ہاشم ہدایہ ج ۱ ص ۱۵۵) اور آج کل بھی لوگ ایسا ہی کرتے ہیں  
 حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ نویں ذوالحجہ کی فجر کی نماز سے عید الاضحیٰ کی عصر کی نماز سمیت  
 سب نمازوں کے بعد ایک مرتبہ بلند آواز سے اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ  
 اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْمُلْكُ صَدَّادِ واجب ہے لیکن ان شرائط کے ساتھ جو ان کے نزدیک ملحوظ ہیں جن کا ذکر آگے  
 آ رہا ہے انشاء اللہ العزیز اور حضرات صاحبین کے نزدیک نویں کی صبح کی نماز کے بعد سے تیرھویں  
 کی عصر تک یہ تکبیر پڑھنا ضروری ہے اور فقہاء احناف کا عمل اسی پر ہے چنانچہ عالمگیری میں تصریح ہے کہ  
 والفتویٰ والعمل فی عامۃ الامصار و فتویٰ اور عمل اکثر مشہروں اور سب زماں  
 کافۃ الاعصار علی قولہما کذا فی الزاہدی میں صاحبین کے قول پر لڑا ہے جیسا کہ زاہدی  
 د عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۱ طبع مصر

میں ہے۔

اور قریب قریب یہی الفاظ در مختار ج ۱ ص ۱۶۱ طبع مصر میں ہیں لیکن حضرت امام ابو حنیفہ

الایسب الا بازاء العدوا واللیصوص  
 تمهیباً لهم وقیل وکذا فی التحریق و  
 المخاوف کلها وکذا اکلما لقی جمعا و  
 علا شرفا و هبط وادیا کمافی الزاهدی  
 انتہی۔  
 (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۳ طبع نولکشور کھنڈ)

ذکر بالجہ کی بدعت سے بچا جائے اور معاملہ کی  
 مداراس پر ہے کہ جب فعل ایک وقت سنت  
 اور بدعت میں دائر ہو تو اس فعل کا ترک اس  
 کے کرنے سے بہتر ہوگا، اسی طرح کرمانی میں  
 ہے اور توجان کہ امام ابو بکر رازیؒ نے فرمایا کہ  
 ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ ان دنوں کے علاوہ  
 بلند آواز سے تکبیر سنوں نہیں ہے مگر شمنوں  
 یا چوروں کے مقابلہ میں ان کو ڈرانے کے لئے اور  
 کہا گیا ہے کہ اسی طرح آگ لگنے کے موقع اور  
 تمام خطرات میں اور اسی طرح جب سفر میں  
 سامنے آنے والی کسی جماعت سے ملاقات ہو یا  
 کسی اونچی جگہ پر چڑھ کر کسی وادی میں اترے  
 اسی طرح زائد کی میں ہے۔

اس عبارت سے یہ بات بالکل آشکار ہو گئی ہے کہ علامہ قہستانیؒ نے عید الفطر کے دن عید گاہ  
 کی طرف جاتے ہوئے تکبیر کے جہر کو اختیار نہیں کیا بلکہ وہ عید الفطر کے موقع پر راستہ کی تکبیر کے  
 بارے میں بھی لکھتے ہیں کہ آہستہ ہوتا کہ اس سے جہر بالذکر کی بدعت کا ارتکاب لازم نہ آئے اور پھر  
 یہ ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ جب ایک فعل سنت اور بدعت کے درمیان متردوم ہو تو اس کو ترک کرنا  
 ہی بہتر ہے تاکہ اس کے کرنے کی وجہ سے بدعت زندہ نہ ہو اور پھر امام ابو بکر رازیؒ کے حوالہ سے لکھتے  
 ہیں کہ ان (عیدین کے) ایام کے علاوہ بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت نہیں ہے مگر شمنوں یا چوروں  
 کو مرعوب کرنے کے لئے اس عبارت کو بغور و فکر دیکھ کر فیصلہ کریں کہ علامہ قہستانیؒ کیا فرمائے ہیں؟  
 پھر یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ حضرات صاحبینؒ اور امام طحاویؒ اور امام ابو بکر رازیؒ وغیرہ نے تو  
 صرف عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنے کی اجازت دی ہے دوسرے  
 مقامات میں تو نہیں دی بلکہ امام ابو بکر رازیؒ نے تو تصریح فرمادی ہے کہ دوسرے مقامات پر بلند

اس سلسلہ میں چند شرائط لگاتے ہیں مثلاً یہ کہ فرضی نماز ہو، تکبیر پڑھنے والا مقیم ہو، شہر میں ہو اور جماعت مستحبہ ہو یعنی مثلاً تنہا عورتوں کی ہی جماعت نہ ہو کیونکہ وہ مکروہ ہے۔ شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۳۱ ہاں اگر عورتیں مردوں کی اقتدا کر لیں اور اسی طرح اگر مسافر مقیم امام کی اقتدا کر لیں تو عورتوں اور مسافروں پر امام کی پیروی اور اتباع میں تکبیر واجب ہو جائے گی مگر عورتیں تکبیر مستحبہ ہیں کیونکہ ان کی آواز نہ ہر وہ ہے اور جہاں یہ شرائط نہ ہوں تو وہاں حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک بلند آواز سے تکبیر کہنا خلاف سنت ہے۔

چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ:-

ولان الجہر بالتکبیر خلاف السنۃ  
والشرع ورد بہ عند استجماع ہذا  
الشرائط الا انه یجب علی النساء  
اذا اقتدین بالرجال وعلی المسافرین  
عند اقتدائہم بالمقیم بطریق التبیین  
(ہدایت ج ۱ ص ۱۵۵)

اور اس لئے بھی کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت کے خلاف ہے اور شریعت کا حکم وہاں ہے جب یہ شرطیں پوری ہوں مگر یہ کہ عورتوں پر بھی یہ تکبیر واجب ہو جائے گی جب کہ وہ مردوں کی اقتدا کریں اور اسی طرح مسافروں پر لازم ہے جبکہ وہ مقیم کی اقتدا کریں کیونکہ وہ اس کے تابع ہیں۔

حضرت ملا علی بن القاریؒ لکھتے ہیں:-

ولابی حنیفۃ ان الجہر بالتکبیر خلاف  
الاصل والنص الوارد فیہ اجتمع ہذا  
الامور فتراجع  
وشرح نقایہ ج ۱ ص ۱۳۱ طبع دیوبند

اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا خلاف اصل ہے اور جو نص اس میں وارد ہوئی ہے اس میں یہ امور موجود ہیں سو ان کی عاقبت ملحوظ رکھی جائے گی۔

حضرات فقہار احنافؒ کی ان عبارات کے پیش نظر حضرت امام صاحبؒ کا اور حضرت صاحبینؒ کا آپس میں اختلاف صرف دو باتوں میں ہے۔ ایک یہ کہ عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے امام صاحبؒ کی مشہور روایت کے مطابق بلند آواز سے تکبیر نہ کہی جائے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک روایت عن الامامؒ جہراً تکبیر کہی جائے۔ دوسری یہ کہ حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک عید الاضحیٰ کے موقع پر نویں ذوالحجہ کی فجر کی نماز سے لے کر دسویں کی عصر تک صرف آٹھ نمازوں کے بعد بلند آواز



سے تکبیر کہی جائے اور حضرات صاحبین کے نزدیک تیرہویں تاریخ کی عصر تک تیس نمازوں کے بعد جہراً تکبیر کہنی چاہیے جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے مثلاً الجوہرۃ النيرة ج ۱ ص ۱۲۲ طبع مصر (العلامة ابی بکر بن علی المعروف بالحدادی العبادی الحنفی المتوفی ۸۸۵ھ) اس کے علاوہ ذکر اور دعا کے بارے حضرت امام صاحب اور حضرت صاحبین کا کوئی اختلاف نہیں سب کے نزدیک ذکر اور دعا میں اصل اخفاء ہے اور جہر بدعت ہے اور فقہاء احناف کی عبارات اس پر عرض کر دی گئی ہیں۔

### طفلاً نہ سوال

مؤلف ذکر بالجہر لکھتے ہیں بہم سرفراز صاحب پوچھتے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا امام صاحب کے نزدیک بدعت ہے تو بتلایے کہ صاحبین امام صاحب کے نزدیک بدعتی ہوئے یا نہیں؟ جو عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں میں جہراً تکبیر کا حکم کرتے ہیں ثانیاً خود امام صاحب عید الاضحیٰ میں جہراً تکبیر کا حکم کرتے ہیں بتلایے اب وہ خود بدعتی ہوئے یا نہیں؟ ثالثاً عید الفطر کے بارے میں امام صاحب سے جہراً تکبیر کی روایت ہے اب بتلایے کہ وہ بدعتی ہوئے یا نہیں؟ رابعاً عید الاضحیٰ کو جہراً تکبیر کرنا سنت سے ثابت ہے اور آپ جہر کو بدعت قرار دیتے ہیں تو سرفراز صاحب وہ بدعت کی کوئی قسم ہے جو سنت سے ثابت ہوتی ہے؟ ذرا سوچ کر اور پیش سے جواب دیں (ملفوظات ج ۱ ص ۶۳)۔  
الجواب ۱۔ یہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے کم فہمی اور قلت تدبر کا شرمناک نتیجہ ہے اولاً اس لئے کہ حضرت امام صاحب نے قرآن کریم کے حکم کے مطابق یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ اصل ذکر میں اخفاء ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے مگر ان جگہوں میں جہاں خود شریعت نے جہر کی اجازت دی ہے اور تکلیف عیدین اور عید الاضحیٰ کے لئے جاتے ہوئے راستہ کی تکبیر اور ایک روایت میں عید الفطر کی بلند آواز سے تکبیر میں ان کے نزدیک شریعتاً جہر ثابت اور مطلوب ہے پھر یہ ان کے نزدیک بدعت کیسے ہوگی؟ وثانیاً اس لئے امام صاحب یوم الاضحیٰ کی بلند آواز سے تکبیر کو سنت بلکہ واجب فرماتے ہیں جیسا کہ کبیری کی عبارت میں مذکور ہے اور اس پر وہ دلائل پیش فرماتے ہیں لہذا ان کے نزدیک وہ کیوں بدعت ہوگی؟ وثالثاً حضرت امام صاحب کی طرف سے کبیری وغیرہ میں الا ماحض بالاجماع اور الا ما استثناک الشریعہ وغیرہ دلیل پیش کی گئی ہیں ان کے ہوتے ہوئے محض سینہ زوری سے ان کے فتویٰ کو بدعت قرار دینا اور دوسروں کو نیچا دکھانے کی لا حاصل کوشش کرنا زری جسارت بعد از خودیافتہ زعمانی

اور رباعیہ الفطر کی تکبیر کے بارے امام صاحب کی دو روایتیں ہیں ایک میں وہ جہراً تکبیر کے قائل ہیں اور اعلم الناس بذهب ابی حنیفہ اور وکیل احناف حضرت امام طحاوی نے اسی کو ترجیح دی ہے، کما مَرَّ عَنْ احکام القوانین دوسری روایت کے پیش نظر حضرات صاحبین پر بدعت کا الزام لگ سکتا ہے لیکن چونکہ باقر مؤلف مذکور (دیکھئے ص ۶۷) حضرات صاحبین مجتہد فی المذہب ہیں اور تعارض اوتار کے وقت ان کو اجتہاد کا حق ہے اور بصورت خطا بھی وہ معذور بلکہ ماجور ہوتے ہیں (بخاری ج ۲ ص ۱۰۹ و مسلم ج ۲ ص ۷۲) لہذا مجتہد کا کوئی بھی خطا فیصلہ اجتہادی غلطی تو ہو سکتا ہے مگر بدعت نہیں ہوتی۔ علامہ علیؒ سے مزید نیچے وہ تحریر کرتے ہیں کہ:-

وقال ابو حنیفہؒ یس کلامنا فی مطلق الذکر فانہ امر مرغوب فیہ فی کل الاحیان بل الجہریہ وہو بدعت لقولہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعاً وحفیۃً الا ما استثناء الشرع فاذا تعارضت الادلۃ فی مقس الاستثنائی فالأخذ بالاقول والعمل فیما وراءہ بالاصل هو الاحتمال لان فیہ الجمع بین الادلۃ وبہذا ظہرانہ لا وجہ لمن جعل الفتوی علی قولہما امر رکبیری ص ۵۳ و ص ۵۲ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ ہمارا کلام مطلق ذکر کے بارے میں نہیں کیونکہ ذکر تو ہر وقت مطلوب ہے بلکہ ہمارا کلام جہر کے بارے میں ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم اپنے رب کو پکارو عاجزی کرتے ہوئے اور آہستہ مگر وہاں جہر ہو گا جہاں شریعت نے جہر کی استثناء کی ہو پس جب دلائل مستثنائی کی مقدار میں متعارض ہیں تو اقل لیا جائیگا اور اس کے علاوہ باقی اپنے اصل پر رہے گا احتیاط بھی اسی میں ہے کیونکہ اسی طریقہ سے دلائل کی تطبیق بھی ہوتی ہے اور اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ جن حضرات نے فتویٰ صاحبین کے قول پر دیا ہے اس کی کوئی دفعول وجہ نہیں۔

اس عبارت میں بھی تصریح موجود ہے کہ امام صاحب ذکر بالجہر کو بدعت قرار دیتے ہیں مگر جس موقع پر شریعت نے جہر کی اجازت دی ہو اور جس قدر اجازت دی ہو اتنی ہی اس سے مستثنائی ہوگی اس کے علاوہ اصل ہی پر بات رہے گی وہ یہ کہ ذکر آہستہ ہو اور اس عبارت میں علامہ علیؒ نے اس

کی بھی صراحت کر دی ہے کہ امام صاحب کی ایسی قوی اور راجح دلیل کی موجودگی میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دینے کی وجہ معلوم نہیں ہوتی، اب مولف ذکر بالجہر ہی ازراہ انصاف یہ کہہ دیں کہ کبیری کے حوالہ سے جو مسلک رافضی نے امام صاحب کا نقل کیا ہے وہ ساری عبارت کو سیاق و سباق اور اور تا قبل و ابعد کے ساتھ نقل کرنے کے بعد بھی وہی رہا یا کچھ اور ثابت ہوا؟ ہم نے تو کبیری کی عبارت اس سے بھی زیادہ نقل کر دی ہے جتنی کو انہوں نے نقل کر کے واویلا کیا ہے، اب دوسروں کو الزام دینے والے اور قصور وار ٹھہرانے والے خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نظارہ کر لیں کہ حقیقت کیا ہے؟ کہیں یہ تو نہیں کہ ج

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

نیز علامہ حلبی ان حضرات کی تردید کرتے ہوئے جو یہ کہتے ہیں کہ امام قنوت جہر سے پڑھتے تاکہ مقتدیوں کو بھی تعلیم ہو جائے یہ بھی لکھتے ہیں کہ نماز تعلیم کا مقام نہیں تعلیم خارج از صلوٰۃ، مونی چلیے اور قنوت آہستہ پڑھنی چاہیے اور اسی کو صاحب ہدایہ وغیرہ محققین نے اختیار کیا ہے کہ قنوت میں اخفاء ہو اور اسی کو صاحب محیط نے صحیح کہا ہے جیسا کہ گذر چکا ہے کیونکہ جہر سے مقتدیوں کو تشویش ہوگی کیونکہ مختار قول کے مطابق وہ اس کی پیروی کریں گے اگے فرماتے ہیں کہ:-

اور اس لئے بھی کہ قنوت ذکر اور دعا ہے اور مختار قول ان دونوں میں اخفاء ہے جیسا کہ ثناء و اور اکہین اور باقی تمام دعاؤں اور اذکار میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کو اپنے دل میں نرازی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے پکارو اور جہر سے کم بول کے ساتھ پکارو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو۔

ولانه ذكر ودعاء والمختار فيهما الاخفاء كما في الثناء والتأمين ومسائر الادعية والاذكار وقال الله تعالى ادعوا بكم تضرعا وخفية وقال الله تعالى واذكروا بكم في انفسكم تضرعا وخيفة ودون الجهر من القول وقال عليه الصلوة والسلام خير الذكر الخفي اه دكبيرى ص ۳۳

# باب پنجم

## جہراور اخفا کی تعیین

جہراور اخفا کے مفہوم کی تعیین کے بارے میں حضرات فقہار احناف کی عبارات اور تعبیرات مختلف ہیں جس کی بقدر ضرورت بحث آئندہ عبارات میں آ رہی ہے انشاء اللہ العزیز لیکن اس بات میں تقریباً سبھی کا اتفاق ہے کہ جن چیزوں کا تعلق تکلم اور تلفظ سے ہے ان میں جب تک تکلم اور تلفظ نہ ہو اس وقت تک شرعاً ان کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ شرعاً ان پر کوئی فقہی حکم مرتب ہوتا ہے مثلاً طلاق وغیرہ اگر کوئی شخص اپنے دل ہی میں اپنی بیوی کو طلاق دے بشرطیکہ گونگانہ ہو (گوئی کے اشارہ سے طلاق شرعاً معتبر ہے) ہدایہ ج ۲ ص ۳۳۹ اور اسی طرح واضح کتابت سے بھی جو پانی اور ہوا وغیرہ نہ ہو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۲۱۸ طبع نول کشور جب تک زبان سے نہ لے تو طلاق واقع نہیں ہوتی حضرت قتادہ فرماتے ہیں اذا طلق فی نفسه فلیس بشیء (بخاری ج ۴ ص ۴۹۲) یعنی اگر کوئی شخص اپنے دل ہی میں طلاق دیدے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ واقع نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:-

اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ذکر زبان ہی سے ہوتا ہے اور اس کا ادنیٰ مترتیب ہے کہ آدمی اپنے آپ کو سنائے اور یہی قول مختار ہے اور اس کے سوا ذکر معتبر نہیں ہے چنانچہ قرات اور طلاق (وغیرہ)

و بعض فقہاء گویند کہ ذکر نمی باشد مگر بزبان و ادنیٰ مرتبہ است کہ بشواند خود را بر قول مختار و غیر و معتبر نیست چنانکہ در قرات و طلاق و آنچه بدل است ال فعل قلب است اند

قسم علم و تصور ذکر نیست چنانچہ قرأت نیست  
و ذکر نام چیزے است کہ فعل لسان است۔  
(اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۷۱)

میں اور جو ذکر دل میں ہے وہ دل کا فعل ہے  
وہ علم اور تصور کی قسم سے ہے وہ ذکر نہیں جیسا  
کہ وہ قرأت نہیں اور ذکر اس چیز کا نام ہے  
جو خدا کا فعل ہو۔

اس عبارت کا یہ معنی لینا کہ دل کا ذکر ذکر ہی نہیں اور اس پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوتا جیسا کہ بعض  
نے سمجھا ہے اور مؤلف ذکر بالجہر نے بھی ص ۶۸ اور ص ۶۹ میں اس کا ذکر کیا ہے قلت تہدیر کا نتیجہ  
ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ طلاق و قیامات وغیرہ امور جن میں تلفظ اور نطق شرط ہے ایسے ذکر  
کا اعتبار دل سے نہیں ہوگا ان میں زبان کا تلفظ اور اپنے آپ کو سنا نا شرط ہے۔ اور یہی حکم ہے ان  
اذکار کا جن کا تلفظ شرعاً مطلوب ہے، عام اس سے وہ نمازیں ہوں یا خارج از نماز چنانچہ حضرت  
امام نووی الشافعی لکھتے ہیں۔

اعلم ان الاذکار المشروعة في الصلاة  
وغيرها واجبة كانت او مستحبة لا يحسب  
شئ منها ولا يعتد به حتى يتلفظ به  
بحيث يسمع نفسه اذ كان يحسم السمع  
لا عارض له۔

(کتاب الاذکار ص ۱۷ طبع مصر)  
بھی واقعی نہ ہو۔

اس عبارت میں موصوف نے مخصوص اذکار کا حکم بیان کیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے نہ کہ جملہ اور  
ہر قسم کے اذکار کا اور دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:-

قال القاضي عياض رحمه الله وذكر الله  
تعالى ضربان ذكر بالقلب وذكر باللسان  
وذكر القلب نوعان احدهما وهو ارفع  
الاذکار واجلها الفکر فی عظمتہ اللہ تعالیٰ  
لہ وجہ و تہ و ملکوتہ و آیاتہ

قاضی عیاض رحمہ اللہ المتوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں  
کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر دو قسم کا ہے ایک ذکر دل کا  
دوسرا زبان کا اور دل کا ذکر بھی دو قسم کا ہے ایک  
ان میں تمام اذکار سے ارفع اور بلند پایہ ہے اور  
وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے جلال اس کے

فی مملوۃ وارضہ ومنہ الحدیث  
 غیر الذکر الخفی والمراد بہ هذا والثانی  
 ذکرہ بالقلب عند الامر والنہی فیتمثل  
 ما امر بہ ویترک ما نہی عنہ ویقف  
 عما اشکل علیہ واما ذکر اللسان مجردا  
 فهو اضعف الاذکار ولکن فیہ فضل  
 عظیم کما جاءت بہ الاحادیث قال  
 و ذکر ابن جریر الطبری وغیرہ اختلاف  
 السلف فی ذکر القلب واللسان ایہما  
 افضل قال القاضی والخلاف عندی  
 انما یتصور فی مجرد ذکر القلب تسبیحا  
 وتہلیلا وشبہہما وعلیہ یدل کلامہم  
 لانہم مختلفون فی الذکر الخفی الذی  
 ذکرناہ والا فذلک لا یقاربہ ذکر  
 اللسان فکیف یفاضلہ وانما الخلاف  
 فی ذکر القلب بالتسبیح المجرد ونحوہ  
 والمراد بذکر اللسان مع حضور القلب  
 فان کان لا ہیافلا واجتہ من رجح ذکر  
 القلب بان حمل السرا فضل ومن رجح ذکر  
 اللسان قال لان العمل فیہ اکثر فان  
 زاد باستعمال اللسان اقتضی زیادۃ  
 اجر قال القاضی واختلفوا هل تکتب  
 الملائکہ ذکر القلب فقیل تکتبہ و

جر اور اس کے عجائبات اور اس کے سمائوں اور  
 زمین کی نشانیوں میں فکر کرنا اور غیر الذکر الخفی  
 کی حدیث سے یہی ذکر مراد ہے اور دوسرا دل کا  
 ذکر یہ ہے کہ اس کے امر اور نہی کے موقع پر مالو  
 کو بجالانے اور نہی عنہ کو ترک کر دے اور جہاں  
 اشکال واقع ہو وہاں توقف کرے بہر حال خالی  
 زبان کا ذکر تو وہ کمزور ترین اذکار میں سے ہے  
 لیکن اس میں بھی بڑی فضیلت ہے جیسا کہ اسکے  
 بارے میں احادیث آئی ہیں اور انہوں نے فرمایا  
 کہ امام ابن جریر الطبری (المتوفی ۳۴۰ھ) وغیرہ  
 نے سلف کا اختلاف ذکر کیا ہے کہ دل اور زبان  
 کے ذکر میں سے افضل کونسا ہے؟ قاضی عیاض  
 فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ اختلاف صرف  
 اس صورت میں تصور ہو سکتا ہے کہ محض دل میں  
 تسبیح تہلیل و تہلیل کا خیال آئے اور زبان پر کوئی  
 فضیلت ہے یا نہیں؟ و اسی پر ان کا کلام  
 دلالت کرتا ہے کہ سلف ذکر خفی میں مختلف  
 ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ورنہ یہ ایسا ذکر ہے  
 کہ زبان کا ذکر اس کا ہم پتہ نہیں ہو سکتا تو اس سے  
 بڑھے گا کیسے؟ اختلاف اس میں ہے کہ دل میں  
 محض تسبیح وغیرہ آیا ذکر ہے یا نہیں؟  
 اور زبان کے ذکر سے بھی وہ ذکر مراد ہے جس میں دل  
 حاضر ہو سو اگر دل فاضل ہو تو وہ بھی کچھ نہیں

يَجْعَلُ اللَّهُ تَعَالَى لَهُمْ عَلَامَةً يَعْرِفُونَهُ  
بِهَا وَقِيلَ لَا يَكْتُبُونَهُ لِأَنَّهُ لَا يَطْلَعُ عَلَيْهِ  
غَيْرُ اللَّهِ تَعَالَى قُلْتُ الصَّحِيحُ أَنَّهُمْ يَكْتُبُونَهُ  
وَأَن ذَكَرَ اللِّسَانُ مَعَ حُضُورِ الْقَلْبِ  
أَفْضَلُ مِنَ الْقَلْبِ وَحْدَهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ  
انتمی (نووی شبیر ج ۷ ص ۲۴۴)

اور جنہوں نے دل کے ذکر کو ترجیح دی انہوں  
نے کہا کہ مخفی عمل افضل ہے اور جنہوں نے زبان  
کے ذکر کو راجع کہا انہوں نے کہا کہ اس میں عمل زیادہ  
ہے جب اس میں زبان کے استعمال کی زیادہ تائی  
تو اجر بھی زیادہ ہوگا۔ قاضی عیاضؒ نے فرمایا  
کہ اس میں اختلاف ہے کہ دل کے ذکر کو فرشتے  
لکھتے ہیں یا نہیں؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لکھتے ہیں اور  
اللہ تعالیٰ فرشتوں کے لئے ایسی علامت مقرر  
کر دیتا ہے جس سے وہ شناخت کر لیتے ہیں اور یہ  
بھی کہا گیا ہے کہ نہیں لکھتے کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ  
کے بغیر کوئی مطلع نہیں (امام نوویؒ فرماتے ہیں)  
میں کہتا ہوں کہ صحیح بات یہ ہے کہ فرشتے لکھتے ہیں  
اور زبان کا ذکر حضور قلب کے ساتھ محض دل کے  
ذکر سے افضل ہے، واللہ اعلم۔

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :-  
فَصْلُ الذِّكْرِ يَكُونُ بِالْقَلْبِ وَيَكُونُ  
بِاللِّسَانِ وَالْأَفْضَلُ مِنْهُمَا كَانَ  
بِالْقَلْبِ وَاللِّسَانُ جَمِيعًا فَإِنْ اِقْتَصَرَ  
عَلَى أَحَدِهِمَا فَالْقَلْبُ أَفْضَلُ اهـ  
ر کتاب الاذکار مشا

فصل ذکر دل سے بھی ہوتا ہے اور ذکر زبان سے  
بھی ہوتا ہے اور ان میں افضل وہ ذکر ہے جو دل  
اور زبان دونوں سے ہو پس اگر ان میں سے  
ایک یا قصار کیا جائے تو دل کا ذکر افضل ہے۔

یعنی ایسا ذکر جس کا تعلق نطق سے نہ ہو اور حضور قلب اور اخلاص سے کیا جائے تو وہ افضل  
ہوگا کیونکہ یہ اس میں آتا ہے کہ اس کو فرشتے بھی نہیں سنتے اور اس کا درجہ ستر گنا زیادہ ہے  
جیسا کہ حدیث کے حوالے سے پہلے گذر چکا ہے۔

حضرت علامہ القاری الحنفی لکھتے ہیں کہ :-

وکل ذکر مشروع ای مامور بہ فی الشرع  
واجبا کان او مستحبا لا یعتد بشئ منه  
حتی یتلفظ بہ ۔ درمقات ج ۵ ص ۴۴  
برودہ ذکر جس کا شریعت میں حکم آیا ہے واجب  
ہو یا مستحب اس کا اس وقت تک اعتبار نہیں  
جب تک تلفظ نہ ہو۔

ایسے اذکار سے وہ اذکار ادیں جن میں نطق اور تلفظ شرط ہے مثلاً تسمیہ عند الذبح قرأت اور  
تسبیحات نماز وغیرہ۔ امام محمد بن محمد ————— الغزالی الشافعی ر المتوفی  
۵۵۵ھ فرماتے ہیں کہ :-

ان المؤثر النافع هو الذکر علی الدوام  
مع حضور القلب فاما الذکر باللسان  
لاہ فہو قلیل الجودوی فی الاخبار ما یدل  
علیہ وحضور القلب فی لحظة بالذکر  
والذہول عن اللہ عزوجل مع الاشتغال  
بالدنیا ایضاً قلیل الجودوی بل حضور القلب  
مع اللہ علی الدوام اوفی اکثر  
الادقات هو المقدم علی العبادات  
راجیاء العلوم مع تنویج العراقی ج ۳ ص ۳  
مؤثر اور نافع وہ ذکر ہے جو ہمیشہ ہوا اس میں  
دل حاضر ہو بہر حال زبان کے ساتھ ایسا ذکر جس  
میں دل غافل ہو تو اس کا نفع کم ہے اور احادیث  
میں ایسا بیان آیا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے  
اور ایک لحظہ کے لئے ذکر میں دل کا حاضر ہونا  
اور پھر دنیا میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ  
سے غافل رہنا بھی بہت کم مفید ہے بلکہ ہر  
وقت یا اکثر اوقات میں دل کو اللہ تعالیٰ کی  
طرف متوجہ کرنا اور اس سے لو لگانا عبادات  
پر مقدم ہے۔

امام غزالی نے فی الاخبار ما یدل علیہ سے ان احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں  
بغیر حضور قلب کے دعا کی عدم قبولیت کا ذکر آتا ہے جن میں ایک حضرت ابو ہریرہؓ راصل ہم عبد الرحمنؓ  
بن مخرمہ التتونیؓ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-  
ادعوا اللہ وانتم مؤمنون بالاجابة  
واعلموا ان اللہ لا یشجیب دعاء من  
قلب غافل لا یدر واد الترمذی ج ۱ ص ۱۸۷  
تم اللہ تعالیٰ کو اس طریق سے پکارو کہ تم یقین رکھو  
کہ وہ تمہاری دعا کو قبول فرمائے گا اور تم جان لو کہ  
اللہ تعالیٰ غافل اور بے پرواہ دل سے دعا قبول



وقال هذا حديث غريب ومشكوك ج ۱۹۵ نہیں فرماتا۔

طہ اصم المطابع

جن بعض بزرگوں کی عبارات میں اس کا ذکر آتا ہے کہ تنہا ذکر بالقلب میں کوئی ثواب نہیں مثلاً امام احمد بن محمد بن حجر کی اشافعی المتوفی ۹۵۵ھ کے لکھے ہیں کہ۔

ان جماعة من الثمنا وغیرہم یقولون ہمارے اکثرے وغیرہم کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ محض دل کے ذکر میں کوئی ثواب نہیں ہے۔

لثواب فی ذکر القلب وحدہ۔

رفتاوی حدیثیۃ ص ۶۳  
تو اس سے ایسا ذکر مراد ہے جس کا تلفظ اور تکلم شرعاً مسموع اور مطلوب ہے، ورنہ امام قاضی عیاض المالکی کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے کہ تمام اذکار سے افضل ذکر ہی دل کا ہے اور اسی طرح امام نووی کا ارشاد بھی گزر چکا ہے اور حدیث سے بھی ایسا ہی ثابت ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ علامہ سید محمود آلوسی الخفصی نے ایک اور لطیف بات فرمائی ہے

وقال الامام المراد بالذاکر فی نفسه ان یکون عارفاً بمعانی الازکار والتعقیق لہا بلسانہ مستحضراً الصفات الکمال والعز والعظمت والجلال وذلك لان الذکر باللسان عاریاً عن الذکر بالقلب کانه عدیم الفائدة بل ذکر جمع ان الذکر اللسانی الساذج لا ثواب فیہ اصلاً اھد تفسیر روح المعانی ج ۹ ص ۱۵۲ طبع مصر

اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ دل میں ذکر سے مراد یہ ہے کہ ان اذکار کے معانی کو ماننے والا ہو جن کو وہ زبان سے پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کمال عزت، عظمت اور جلال وغیرہ کو مستحضر رکھے کیونکہ زبان کا ایسا ذکر جو دل کی موافقت سے خالی ہو گویا اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں بلکہ ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ زبان کے سادہ ذکر میں (جس میں دل شریک نہ ہو) بالکل کوئی ثواب نہیں ہے۔

ان بعض حضرات نے تو یہ کہا مگر حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں فقہار نے جو اعتبار نہیں کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ احکام دنیویہ بدوں اس کے معتبر نہیں نہ یہ کہ ثواب بھی نہیں ہوتا (النوادر ص ۱۸۷) اور یہی بات صحیح ہے کیونکہ ذکر لسانی بھی زبان کا ایک عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کسی مؤمن کا عمل ضائع نہیں کرتا ہاں اگر

نفاق کے طور پر زبان سے کہے اور دل ساتھ نہ ہو تو اس کا معاملہ الگ ہے۔

امام محمد بن محمد ابن الجزری الشافعی المتوفی ۸۳۳ھ نے اپنی کتاب حصن حصین میں ذکر کبارے میں ارشاد فرمایا کہ

ولا يعتد له بشئ مما دتبه الشارح  
على قوله حتى يتلفظ به ويسمع نفسه  
اھ (حصن حصین)

یعنی جو اجر اور ثواب شریعت نے ذکر پر مرتب  
کیا ہے اس وقت تک اس کا کوئی اعتبار نہیں  
جب تک کہ وہ اسی کا تلفظ نہ کرے اور اپنے آپ  
کو نہ سنائے۔

اس کی شرح کرتے ہوئے قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ۔

اقول اما باعتبار التلفظ فهو معلوم من  
اقواله صلى الله عليه وسلم المصروفة  
بان قال من قال كذا كان له من الاجر  
كذا فلا يحصل له ذلك الاجر الا بما  
يصدق عليه معنى القول وهو لا يكون  
الا بالتلفظ باللسان واما اشتراط ان  
يسمع نفسه فلم يرد ما يدل عليه  
لانه يصدق القول بمجرد التلفظ و  
هو تحريك اللسان وان لم يسمع نفسه  
فينظر ما وجه الاشتراط اھ

میں کہتا ہوں کہ تلفظ کا اعتبار تو آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کے صریح اقوال سے معلوم ہے کیونکہ آپ  
نے فرمایا ہے کہ جس نے ایسا کہا تو اس کو اتنا اجر  
ملے گا تو اس کو اجر اسی صورت میں مل سکتا ہے  
جس پر قول کا معنی صادق آئے اور قول زبان  
کے ساتھ تلفظ کے بغیر نہیں ہوتا باقی رہی یہ شرط  
کہ اپنے آپ کو نہ سنائے تب اس کو ثواب ملے گا  
تو اس کے بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی  
کیونکہ ثواب قول پر مرتب ہے اور وہ محض  
تلفظ سے پورا ہو جاتا ہے اور تلفظ کا معنی  
زبان کو حرکت دینا ہے اگرچہ اپنے آپ کو نہ سنائے  
سو غور کرنا چاہیئے کہ اپنے آپ کو نہ سنانے کی شرط  
کی کیا وجہ ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ زبان کے ساتھ تلفظ کرنے سے ذکر کا مقصد پورا ہو جاتا ہے گو ذکر کے اپنے کان  
بھی نہ سنیں اور اگر اس انداز کا تلفظ ہو کہ اپنے کانوں تک آواز نہ پہنچائی جائے تو یہ بعض اکابر کی تعریف

کے لحاظ سے ادنیٰ جہر کہلائے گا جیسا کہ امام کرخی وغیرہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ:-

لَمْ يَخَافْتُ مِنْ سَمْعِ اَذْنَيْهِ رَوَاةُ  
الطَّبْرَانِيِّ وَرَجَالِهِ رَجَالُ الصَّحِيحِ.  
مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۶۶

نماز میں جہر و آہستہ کا حکم؟  
حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے منقرد کی نمازیں قرأت اور تسبیحات وغیرہ کے جہر اور اخفار کے مفہوم کے بارے میں کچھ اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ:-

ثم المخافتة ان يسمع نفسه والجمهور  
يسمع غيره وهذا عند الفقيه ابى جعفر  
الهندواني لان مجرد حركة اللسان  
لا يسمي قراءة بدون الصوت وقال  
الكرخي ادنى الجهر ان يسمع نفسه  
وانى المخافة تصحيح الحروف لان القراءة  
فعل اللسان دون الصاعج امره دھادیہ  
ج ۹ ص ۹۸ وراجع الجامع الرموز ج ۴ ص ۴۸

علامہ ابن نجیم المصری الحنفی لکھتے ہیں کہ  
ولم يبين المصنف حد الجهر والاخفار  
للاختلاف مع اختلاف التصحيح  
فذهب الكرخي الى ان ادنى الجهر  
ان يسمع نفسه وادنى المخافة  
تصحيح الحروف وفي البدائع ما  
قاله الكرخي اقيس واصح وفي كتاب

صاحب کنز نے جہر اور اخفار کی حقیقت بیان  
نہیں کی کیونکہ اس میں اختلاف ہے.....  
..... اور پھر اس اختلاف میں صحیح فعل  
کی تصحیح میں اختلاف ہے سو امام کرخی اس طرف  
گئے ہیں کہ ادنیٰ جہر یہ ہے کہ اپنے آپ کو  
سنائے اور ادنیٰ مخافت یہ ہے کہ حروف

الصلوة لمحمد اشارة اليه فانه  
قال ان شاء قرأ في نفسه وان شاء  
جهر واسمع نفسه واكثر المشائخ  
على ان الصحيح ان الجهر ان يسمع غيره  
والمخافتة ان يسمع نفسه وهو قول  
الهندواني وكذا كل ما يتعلق  
بالنطق كالتمية على الذبيحة و  
وجوب السجدة بالتلاوة والعناق  
والطلاق والاستثناء حتى لو طلق ولم  
يسمع نفسه لا يقيم وان صحح الحروف  
وفي الخلاصة الامام اذا قرأ في صلوة  
المخافتة بحيث سمع رجل او رجلان  
لا يكون جهرًا اذا الجهر ان يسمع الكل  
رجحوا الرائق ۱/ ص ۳۳

کی تصحیح کرے اور بدائع میں ہے کہ امام کرخی  
نے جو کہا قیاس کے مطابق وہی ہے اور یہی  
صحیح ہے اور امام محمد کی کتاب الصلوٰۃ میں اس  
کی طرف اشارہ موجود ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ  
اگر چاہے تو اپنے دل میں پڑھے اور اگر چاہے  
تو جہر سے پڑھے اور اپنے آپ کو سناے اور اکثر  
مشائخ اُس بات پر ہیں کہ جہر سے بغیر کو سناے  
اور آہستگی یہ ہے کہ اپنے آپ کو سناے اور  
یہی امام ہندوانی کا قول ہے اور یہی تفصیل  
ہے ہر اس چیز میں جو نطق سے تعلق رکھتی ہے  
مثلاً ذبح کئے جانے والے جانور پر بسم اللہ پڑھنا  
اور سجدہ تلاوت کا تلاوت کے ساتھ واجب ہونا  
اور غلام وغیرہ آزاد کرنا اور طلاق اور استثناء  
یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے طلاق دی اور اپنے  
آپ کو نہ سنایا تو طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ اس نے  
حروف کی تصحیح کی اور خلاصہ میں ہے کہ امام جب  
برتری نماز میں قرأت کرے یہاں تک کہ ایک  
آدمی نے یاد و سنیں تو جہر ہو گا جہر سے کہ سب  
سُنیں۔

حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں۔ الجواب ادنیٰ کی حد تو معین ہے اصطلاح اول پر تو  
تحریک لسان اور اصطلاح ثانی پر اسماع نفس خود کا صرح بہ الفقہاء لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں اپنی  
نشاط پر موقوف ہے مگر اس کے جواز کی یہ شرط ہے کہ کسی مصلیٰ یا ناظم کو تشویش و انداز نہ ہو کہ صرح  
بہ الفقہاء فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷ ذوالقعدہ ۱۳۲۵ھ امداد الفتاویٰ حصہ ۱۶۳)

فائدہ :- والجمہران یسمع الكل کا معنی نہیں کہ سب محلہ یا تمام گاؤں اور کل شہر کے لوگ امام کی قراءۃ سن لیں بلکہ معنی ہے کہ اس کی اقتداء میں جتنے مقتدی اور نمازی ہیں وہ سب اس کی قرأت کو سن لیں اور یہ حوالے اس کی دلیل ہے۔

(۱) علامہ خضکی الحنفی لکھتے ہیں کہ

ویجہر الامام وجوباً بحسب الجماعة فان زاد علیہ اساء ود والخيار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۹ طبع مصر

(۲) علامہ ططاوی الحنفی لکھتے ہیں کہ

والمستحب ان یجہر بحسب الجماعة فان زاد فوق الحاجة فقد اساء (ططاوی ص ۱۳ طبع مصر)

(۳) عالمگیری میں ہے :-

اذا جہر الامام فوق حاجۃ الناس فقد اساء لان الامام انما یجہر لامتاع القوم لیدبروا فی قراءۃ لیحصل احضار القلب کذا فی السراج الوہاج۔

(دعالمگیری ج ۱ ص ۵۷)

مفتی احمد یار خان صاحب اپنی دل پسند تفسیر روح البیان کی ایک عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ جو شخص جہری نماز میں امامت کرے وہ بہت آواز سے قرأت کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے سن لیں کشف میں فرمایا کہ قدر ضرورت سے زیادہ نہ چخے ورنہ گنہگار ہوگا (بلفظ جاد الحق ص ۳۳۵)

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں امام کا اس قدر جہر کرنا جو مقتدیوں کی حاجت اور ضرورت سے زائد ہو ایک بری کاروائی اور ناشائستہ حرکت بلکہ گناہ سے جا بہ

جہری نمازوں میں جہر سے پڑھنا امام پر واجب ہے اور درمختار کی مذکورہ عبارت میں وجوہاً کی قید صراحت سے موجود ہے۔

اقامت میں بھی جہر بقدر ضرورت ہو۔ حضرات فقہاء اسلام نے اس نکتہ کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا کہ جہاں جس قدر جہر کی ضرورت ہے اس سے زیادہ نہ ہو کیونکہ جہر خلاف اصل ہے اور جو حکم بھی خلاف ہو گا وہ اپنے مورد اور ضرورت پر بند ہو گا اس کو کھینچ تان کر عوم کا جامہ پہنا نا درست نہیں ہے چنانچہ امام نووی الشافعی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ۔

فان استر بالاذان ليرى عبد به لانه لا يحصل به المقصود فان كان يؤذن لصلواته وحده لا يرفع الصوت لانه لا يدعو غيره فلا وجه لرفع الصوت والمستحب ان يكون رفع الصوت في الاقامة دون رفع الصوت في الاذان لان الاقامة للحاضرين والمجموع شرح المذهب بمصالح طبع مصر

پس اگر مؤذن نے اذان آہستہ کہی تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہو گا کیونکہ اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا اور اگر وہ صرف تنہا اپنی نماز کے لئے اذان کہتا ہے تو آواز بلند نہ کرے اس لئے کہ وہ دوسروں کو تو دعوت نہیں دے رہا تو آواز بلند کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور مستحب یہ ہے کہ اقامت میں آواز اذان کی آواز سے کم بلند ہو کیونکہ اقامت تو حاضر لوگوں کے لئے ہوتی ہے اور وہ سبھی مسجد میں موجود ہوتے ہیں پھر بلا ضرورت چلانے کی کیا ضرورت ہے؟

اس عبارت میں ایک شخص کی اپنی نماز کے لئے اذان کا حکم یہ بیان کیا کہ اس میں آواز بلند نہ ہو کیونکہ کسی دوسرے کو تو وہ بلا نہیں رہا بلکہ صرف شرعی شرط پوری کرنے کے لئے اپنی نماز کے لئے اذان کہتا ہے اور اسی طرح اقامت میں بھی اذان کی طرح آواز بلند نہ کرے کیونکہ اقامت محض حاضرین کو سننے کے لئے ہوتی ہے اور وہ قریب ہی ہوتے ہیں پھر زیادہ آواز کی کیا ضرورت ہے؟ تکبیر تشریف میں بھی اعتدال ہو۔

پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ عیدین میں عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے اور اسی طرح تکبیر تشریف میں شرعاً جہر مطلوب ہے لیکن افراط اور مبالغہ کے ساتھ جہر اس میں بھی مطلوب نہیں ہے۔ ہر آدمی کی اذان

اس انداز کی ہو کہ خود سُن سکے اور جو اس کے قریب اور آس پاس ہیں وہ سُن سکیں اس سے زیادہ  
 زور سے آواز بلند کرنا خلاف سنت ہے۔ ہاں تعلیم مقصود ہو تو اس کا معاملہ الگ ہے اور ظاہر  
 بات ہے کہ جب مسجد میں نمازی بکثرت ہوں تو تھوڑی تھوڑی آواز بھی مل کر ایک دفعہ مسجد  
 بلکہ انداز سے گونج اٹھے گی رفع الصوت اور جہر کا معنی گلا پھاڑنا نہیں ہے۔

چنانچہ امام ابن الحاج المالکی (فصل فی التکبیر عند الخروج الی المصلیٰ میں) لکھتے ہیں کہ اس (۱)  
 والسنة المتقدمة ان يجهر بالتكبير  
 فیسمع نفسه ومن يليه والزيادة  
 علی ذلك ورفع الصوت بذلك  
 يخرج عن حد السمعت والوقار اه  
 (المدخل ۲ ص ۲۸ طبع مصر)  
 پہلی سنت یہ ہے کہ جہر سے تکبیر کہے اس انداز  
 سے کہ اپنے نفس کو اور جو اس کے آس پاس ہیں  
 ان کو سنائے اور اس سے زیادہ آواز بلند کرتا  
 خوش وضعی اور وقار کی گت سے نکال دیتا ہے۔

اور حج کے دنوں میں مقام منیٰ میں اقامت کے رات میں نمازوں کے بعد تکبیر کہنے کے سلسلہ  
 میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

فاذا سلم الامام من صلوة القوض  
 فی تلك الايام كبر الامام تكبيرا يسمع  
 نفسه ومن يليه وكبر المحاضرون  
 بتكبيره كل واحد يكبر لنفسه و  
 لا يمشي علی صوت غيره علی ما وصف  
 من انه يسمع نفسه ومن يليه فهذه  
 هي السنة  
 پس جب ان دنوں میں فرضی نماز سے امام سلام  
 پھیرے تو تکبیر کہے اس انداز سے کہ اپنے آپ کو  
 اور اپنے آس پاس والوں کو سنا سکے اور حاضرین  
 بھی اس کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہیں لیکن ہر ایک  
 الگ اپنی ہی تکبیر کہے نہ ہو کہ سب مل کر ایک  
 آواز سے تکبیر کہیں اور اس انداز سے تکبیر کہیں  
 جو بیان ہوا کہ اپنے آپ کو اور آس پاس والوں کو  
 سنا سکے اور یہی سنت ہے۔

پھر اسی سلسلہ میں آگے لکھتے ہیں کہ:-  
 واما يفعل بعض الناس اليوم من  
 انه اذا سلم الامام من صلوة كبر

بہر حال آج کل بعض لوگ جو یہ کارروائی کرتے  
 ہیں کہ جب امام اپنی نماز سے سلام پھیرتا ہے تو

المؤذن علی صوت واحد علی ما یعلم  
من رعاقتهم فی المآذن ویطیلون فیہ  
والناس یستمعون الیہم ولا یکبرون  
فی الغالب وان کبر احد منہم فهو مشی  
علی اصواتہم وذلك کلمہ من البدع اذا  
لحم یقل ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
فعلہ ولا احد من الخلفاء الراشدین  
بعدہ وفیہ اخراق حرمة المسجد  
برفع الاصوات فیہ والتشولیش علی  
من بہ من المصلین والتالین و  
الذاکرین انتمی (المدخل ۳۸)

مؤذن ایک ہی آواز سے تکبیر کہتے ہیں جیسا کہ  
اذان کی جگہوں سے ان کے چلانے کی آوازیں  
سنائی دیتی ہیں اور وہ لمبی لمبی آوازیں نکالتے  
ہیں اور لوگ ان کی آوازیں سنتے ہیں اور جو عموماً  
تکبیر نہیں کہتے اور اگر ان میں کوئی تکبیر کہتا ہے  
تو دل میں کہ ایک ہی آواز سے تکبیر کہتے ہیں اور یہ  
بدعت ہے کیونکہ یہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے ایسا کیا ہو اور  
نہ آپ کے بعد خلفاء راشدین میں سے کسی نے  
ایسا کیا ہے اور اس طریقہ سے آوازیں بلند  
کرنے سے مسجد کی بے حرمتی بھی ہوتی ہے اور  
نمازیوں اور تلاوت اور ذکر کرنے والوں کو

تشولیش بھی ہوتی ہے۔

حضرات فقہار اخلاف وغیرہم کی ایسی واضح اور صریح عبارات کی موجودگی میں اگر کوئی شخص یہ  
دعویٰ کرنا ہے کہ ذکر بالجہر اور دعا بالجہر اور قرآن کریم کا تلاوت کے طور پر بالجہر پڑھنا (جب کہ شہر نمازیوں  
اور سونے والوں کو تکلیف ہوتی ہو) درست اور خصوصاً فقہ حنفی کے مطابق ہے اور اس سے منع کرنے  
والا بدعتی ہے جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر اپنی کتاب میں یہ ثابت کرنے کے لیے ہیں بلکہ مشائخ میں داذکر  
ربک فی نفسک الآیۃ کی تفسیر غلط سمجھ کر اور حضرات مفسرین کرام کی مراد کو نہ سمجھتے ہوئے یہ لکھا ہے  
کہ خدا خوفی اور دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اب آپ بلند آواز سے قرآن پڑھنے پر بھی بدعت اور حرام کا فتویٰ  
لگائیے وعظ اور ارشاد کی مجالس کو بھی بند کرائیے کیونکہ وہ بھی ذکر اللہ سے خالی نہیں جہری نمازوں کا  
سلسلہ بھی ختم کیجئے اور اگر یہ آیت وعظ و نصیحت قرآن قرآن اور نمازوں میں جہر کے منافی نہیں  
تو منازعہ فیہ ذکر میں جہر کے کیسے منافی ہوگی کیونکہ یہ تمام ہی ذکر کے افراد ہیں۔

تو پھر کیا یہ خیانت اور بددیانتی کی انتہا نہیں ہے کہ آپ نے ذکر کے ان افراد سے یکسر اغراض



کر لیا جو آپ کی امامت اور خطابت کے ضامن ہیں جس سے آپ کا پیٹ پلتا ہے اور جو آپ کی آمدنی میں افزائش کا باعث ہیں اور۔

الجواب یہ جو کچھ لکھا ہے مولف مذکور کی نری جہالت اور فقہ حنفی سے ناواقفیت کا ثبوت ہے اولاً اس لئے کہ خیر سے خود ہی چل کر کٹا شکار ہیں کیونکہ انہوں نے وَاذْكُرْ آيَاتِنَا فِي تَقْوِيَةٍ میں ذکر اور قرآن کریم کی قراۃ وغیرہ کی تعلیم تفصیروں سے نقل کر دی جس پر وہ پھونے نہیں سہاتے لیکن خود قرآن کریم اور اپنی معتبر اور پسندیدہ تفسیروں سے اگے دُونَ الْجَهْلِ کی تفسیر کیا دھوین شریف کا لذیض حلہ سمجھ کر کھا گئے ہیں جو ان کے مدعی کے سراسر خلاف ہے جس کی بقدر ضرورت بحث باحوالہ پہلے گذر چکی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ آمدنی کی افزائش اور پیٹ پلنے کا طعن ہمیں دے رہے ہیں و تَانِيَا ذکر بالجہر اور دعاء بالجہر اور جس صورت میں نمازیوں وغیرہم کو تکلیف ہوتی ہو اس صورت میں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کا جائز نہ ہونا اور ضرورت سے زائد امام کے لئے قرات میں تہر نہ کرنا یہ سب باتیں باحوالہ پہلے عرض ہو چکی ہے کیا یہ خیانت علمی اور انتہاء درجہ کی بددیانتی نہیں کہ اٹا چور کو تو وال کو ڈانٹے جہاں ذکر بالجہر درست ہے وہاں درست ہے اور جہاں منع ہے وہاں منع بھی ہے اور بدعت بھی ناجائز بھی ہے اور مکروہ بھی (کما مر مفصلاً) حضرات فقہاء کرام کی ان تصریحات سے انماض کرنا کونسی دیانت ہے؟ مولف مذکور کو ہوش میں اگر جواب دینا چاہیے کیونکہ ع کلاب مانیز زبانے ویانے دارد و ثالثاً وعظ ونصیحت میں آواز بلند کرنے کا تذکرہ اس سلسلہ میں کرنا مولف مذکور کی یا تو خیانت ہے یا جہالت کیونکہ وعظ و خطبہ کے موقع پر آواز کا بلند کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا اور امت مسلمہ کا بلا اختلاف اس پر تعامل چلا آ رہا ہے حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ:-

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خطب احمررت عيناه وعلا صوته الحديث (مسلم ج ۲۸۴ ومشکوۃ ج ۱۳۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خطاب فرماتے تو آپ کی دونوں آنکھیں سرخ ہو جاتی اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی تھی۔

حضرت امام نوویؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

ليستدل به على انه يستحب للخطيب اس حديث سے یہ استدلال کیا گیا ہے الخطيب کے

ان یفخما مرا الخطبة ویرفع صوته ۵۱  
 (شرح مسلم ج ۳۵)  
 لئے مستحب ہے کہ خطبہ کے معاملہ کو پر عظمت رکھے اور اپنی آواز بلند کرے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن اس قدر بلند اور صاف الفاظ سے وعظ اور خطاب ارشاد فرماتے تھے کہ غزنیوں جو بالکل مردوں کی صفوں کے پیچھے دوڑ رہی تھیں وہ بھی بخوبی سن لیتی تھیں بلکہ یاد بھی کر لیتی تھیں چنانچہ حضرت ام ہانئ بنت عمار بن نعمان اور حضرت عمر بن عبد الرحمن کی ہمشیرہ فرماتی ہیں (واللفظ لا دلی) کہ

ما اخذت روقال اخت عمة ما حفظت  
 ق والقرآن المجید الا عن لسان رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأھا کل  
 جمعة علی المنبر اذا خطب الناس۔  
 (مسلم ج ۲۸۶ و مشکوٰۃ ج ۱۷۳)  
 میں نے سورہ ق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے سنکر یاد کی ہے آپ ہر جمعہ کے دن منبر پر جب لوگوں کو خطاب فرماتے تو اس کو پڑھتے تھے۔

الصیح اور صریح روایات سے معلوم ہوا کہ وعظ و نصیحت اور خطبہ کے موقع پر آواز بلند کرنا نہ صرف جائز ہی ہے بلکہ مستحب بھی ہے لہذا مؤلف مذکور کا خطابت کا اس ضمن میں تذکرہ کرنا خیانت یا جہالت ہے۔ مؤلف مذکور کے ہم ایک گوند مشکور بھی ہیں کہ انہوں نے اذان میں رفع الصوت کا قصہ نہیں چھیڑ دیا ورنہ ہے تو وہ بھی ذکر اللہ ہی، خدا تعالیٰ ان کو ہدایت دے پھر ان کا بھلا کرے کہ ہمیں تفصیل کے ساتھ جواب دینے کی اور اہتمام کے ساتھ حوالے نقل کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی کہ جب حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کو ملک منزل من السماء یعنی وہ فرشتہ جس نے آسمان سے آکر کہا ان کو بزرگوار (خواب) اذان و اقامت کے الفاظ کی تلقین اور تعلیم دی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:-

فقم مع بلال فالق علیہ صا رایت  
 فلیؤذن فانہ اندای صوتا منك  
 (ابوداؤد ج ۲ و ترمذی ج ۲ و ابن ماجہ)  
 کہ تو بلال کے پاس کھڑا ہو کر وہ الفاظ اس کو بتا جو تو نے خواب میں دیکھے ہیں تاکہ وہ اذان کہے کیونکہ اس کی اولاد تیری آواز سے بہت بلند ہے

فرض نازول کے بعد دعا کا ثبوت

دعا ایک عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت خوش اور راضی ہوتا ہے لیکن بعض مقامات بعض اوقات بعض اشخاص اور بعض کلمات کے ساتھ دعا پڑھی ہی مقبولیت کا درجہ رکھتی ہے حضرت ابوالمثنیٰ (متوفی ۸۶ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کونسی دعا زیادہ سنی جاتی اور قبول ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ

جوف الليل الآخر ودبر الصلوات رات کے آخری حصہ میں اور فرضی نمازوں المکتوبات (رواہ الترمذی ج ۸ ص ۱۸۸ مشکوٰۃ ج ۱۶) کے بعد۔

اسی بنا پر اکثر امت کا یہ تعامل چلا آرہا ہے کہ وہ فرضی نمازوں کے بعد اہتمام سے دعا کرتے ہیں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے ہیں کہ

فيعذر تارك الدعوات بعد الصلوات (فرضی) نمازوں کے بعد دعا کا تارک قابل تغزیر و لا یعد رعی ترکھا الرکوب الدی ج ۲ ص ۲۵۱) ہے اور اس کی ترک کی وجہ سے وہ مغدور نہ ہوگا۔

حضرت امام محمد بن اسمعیل البخاری (متوفی ۲۵۶ھ) نے صحیح بخاری میں ایک باب قائم کیا ہے باب الدعاء بعد الصلوة (ج ۲ ص ۹۳) شرح حدیث کا بیان ہے کہ حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ فرضی نمازوں کے بعد دعا کا ثبوت ہے جن لوگوں نے انکار کیا ہے ان کی بات قابل التفات نہیں ہے متأخرین میں حافظ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے لیکن دلائل کے لحاظ سے ان کے انکار کی چنداں وقعت نہیں ہے غیر مقلدین حضرات میں نوب صدیق خان صاحب (متوفی ۱۳۸۸ھ) نے دلیل الطالب میں اور مولانا عبدالرحمن صاحب مبدک پوری (متوفی ۱۳۵۳ھ) نے تحفۃ الاحوذی میں اس دعا کا نہ صرف یہ کہ اقرار ہی کیا ہے بلکہ قدرے وزنی دلائل سے اثبات بھی کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ راجح میرے نزدیک یہ ہے کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے جس کا جی چاہے کرے اس میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی حرج نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۲۵۱)

تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت۔

حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے ایک شخص کو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے دیکھا تو اس سے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلوٰتہ رواہ الطبرانی قال الہیثمی رجالہ ثقات مجمع الزوائد ج ۱۳۹ - و مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ - و رسالۃ سنیتہ دفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوٰۃ المکتوبۃ لمن شافہا للعلامة محمد بن عبد الرحمن الزبیدی البانی - و نیل الفرقین ج ۱۲ - و قال فی ۱۲۰ قال السیوطی رجالہ ثقات

اور حضرت الاسود العامریؓ اپنے والدؓ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے فجر کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

اور یہ روایت کافی دیر تک پہنچتی تھی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہاتھ اٹھا کر دعا کیا کرتے تھے یہاں تک میں آپ کے دیر تک ہاتھ اٹھانے کی وجہ سے اکتا جاتی تھی۔

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب (متوفی ۱۳۷۲ھ) چند فقہی حوالے اور روایات نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

الحاصل یہ روایات فقہیہ ہیں جن سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ فرض نماز کے بعد امام اور مقتدی سب مل کر دعائیں اور دعائے فارغ ہو کر ٹھہر نہ پر بھیڑیں۔  
(نفائس مرغوبہ فی حکم الدعا بعد المكتوبہ)

اوستوں کے بعد دعائے بارے ایک معترض کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔  
چہارم یہ کہ سنتوں کے بعد اجتماعی طور پر دعائیں گننے کا عدم جواز بھی اسی قول سے اور اسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس کا احادیث سے ثابت نہ ہونا اس سے زیادہ اظہر ہے پس معترض اوستوں کے بعد اجتماعی دعا کو جائز کہنا اور فرضوں کے بعد کی دعا کو ناجائز کہنا تعسف و تحکم ہے (نفائس مرغوبہ ص ۵۸) بعض علاقوں میں سنتوں اور نوافل کے بعد اجتماعی طور پر دعا کا خاصا اور خوب اہتمام کیا جاتا ہے اور دعائے کرنے والے کو منظر حقارت دیکھا جاتا ہے حالانکہ یہ کاروائی نری بدعت ہے علماء کو اس سے سختی کے ساتھ گریز کرنا چاہیئے اور علما و محققین کو جو بعض علاقوں میں رسمی اور رواجی طور پر اس بدعت اور مکروہ فعل میں گرفتار اور مبتلا ہیں۔

نماز کے بعد جماعتی صورت میں بلند آواز سے دعا

سابقہ ابحاث سے یہ بات بخوبی معلوم ہو چکی ہے کہ ذکر اور دعا کا ایک ہی حکم ہے جس طرح بجز مستثنیٰ مواقع کے ذکر میں اخفاء اصل اور مطلوبہ ہی حکم کا بھی ہے مگر مزید چند صریح حوالے پیش کرنے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔

(۱) امام ابراہیم بن موسیٰ بن محمد۔ الشاطبی المالکی (المتوفی ۳۹۰ھ) لکھتے ہیں کہ :-

ولو كان الاجتماع للدعاء اثراً للصلاة  
جهرًا للحاضرین من باب البر والتقوی  
لکان اول سابق الیه لکنہ لم یفعلہ  
اصلاً ولا احد بعده حتی حدث ما  
حدث فدل علی انه لیس علی ذلک  
الوجه بولا تقوی۔

اگر نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کے لئے حاضرین کا اجتماع نیکی اور تقویٰ کے باب سے ہوتا تو انھیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس میں سے پہلے سبقت لے جاتے لیکن یہ کاروائی نہ تو آپؐ نے کبھی کی اور نہ آپ کے بعد کسی اور نے کی یہاں تک کہ یہ بدعت پیدا ہوئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ نیکی اور تقویٰ کی دے نہیں ہے۔

(الاعتصام ج ۲ ص ۳۰۲ و ص ۳۰۳ طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کے بعد جہادِ عالمگیر نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ آپ کے بعد حضراتِ خلفاء راشدین اور ائمہ دین سے اگر یہ کاروائی نیکی اور تقویٰ کی مدین ہوتی تو ان حضرات سے یہ بھی نہ چھوٹی اور سب سے پہلے اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمل کرتے لیکن آپ نے ہرگز ایسا نہیں کیا لیکن یہ یاد رہے کہ تعلیم و دعا کا حکم الگ ہے اور اسی کتاب میں متعدد حواشی سے ذکر اور دعا کی تعلیم کے لئے بقدر ضرورت جہر کرنا صراحت سے مذکور ہے اس لئے بلاوجہ غلط فہمی یا عمدتاً غلط بحث اہل علم کی شان کے مناسب نہیں ہے۔

(۲) حضرت امام ابو زکریا یحییٰ بن محمد شرف النوبی الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ:-

واما الدعاء فیسربہ بلا خلاف (شرح مسلم ج ۳) بہر حال دعا بلا اتفاق آہستہ کی جائے اس سے معلوم ہوا کہ دعا کے آہستہ ہونے میں سبک اتفاق ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۳) امام سراج الدین الاودسی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:-

لیستحب فی الدعاء الاخفاء ورفع الصوت بدعة ورفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مکروه وما یفعله الذین یدعون الوجد والمجبة لا اصل له یمنع الصوفیة من رفع الصوت وتجوید الثیاب۔

دعا میں مستحب یہ ہے کہ آہستہ ہو اور دعائیں آواز بلند کرنا بدعت ہے اور قرآن کریم کے سماع اور وعظ کے وقت بھی آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور جو کاروائی وہ لوگ کرتے ہیں جو وجد و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں اور حضرات صوفیاء کو آواز بلند کرنے اور کپڑے پھاڑنے سے روکا جائے گا۔

رفتادی سراجیہ مکہ طبع نولکشور دکن

فتاویٰ سراجیہ کے حوالہ سے یہ عبارت فتاویٰ عالمگیری ج ۳ طبع مصر میں بھی نقل کی گئی ہے۔

(۴) حضرت ملان القاری الحنفیؒ امام حسن بصریؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

ان القصص بدعة وان رفع الصوت بالدعاء لبدعة وان مد الایدی بالدعاء لبدعة وان اجتماع الرجال والنساء لبدعة (موضوعات کبریٰ طبع محمدی لاہور)

قصہ بیان کرنے اور دعائیں پڑھنا بلند کرنا بدعت ہے اور دعائیں ہاتھوں کا بہت مبالغہ سے بلند کرنا بدعت ہے بدعت ہے اور مردوں اور عورتوں کا اجتماع بھی بلاشبہ بدعت ہے۔

ایک ہے قاعدہ کے مطابق دعائیں ہاتھ اٹھانا جس کو حضرات محدثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ دفع  
الایدی فی الدعاء سے تعبیر فرماتے ہیں وہ ثابت اور صحیح ہے، اور احادیث سے اس کا ثبوت ہے  
(تسویح اس میں مروی ہے اور دعائیں ہاتھ اٹھانے کی حدیثیں تو اتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں۔  
تدرب الراوی ص ۳۴ طبع مصر) اور ایک ہے افراط اور مبالغہ کے ساتھ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا یہ  
استسقا کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۳۱) عمومی حالت  
میں نہیں اور اسی کو صدّ الایدی بالدعاء بعدۃ سے اس عبارت میں تعبیر کیا گیا ہے راقصوں  
کا بیان کرنا تو اس میں بھی تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر قصّہ صحیح سند سے ثابت ہوں اور عبرت اور وعظمت  
کے لئے ان کو بیان کیا جائے تو بالکل بجا اور صحیح ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ  
أَحْسَنَ الْقَصَصِ اور فَلَمَّا قُصِّ عَلَيْهِ الْقَصَصُ اور فَاقْصُصْ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ  
يَتَفَكَّرُونَ وغیرہ اس کا واضح ثبوت ہے اور قرآن کریم سے ثبوت کے بعد کسی اور ثبوت کی ضرورت  
باقی نہیں رہتی، حضرت امام حسن بصریؒ کے ارشاد میں جن قصوں کا تذکرہ ہے ان سے نئے ثبوت  
اور بے سرو پا قصے اور خود ساختہ حکایتیں مراد ہیں جن کو عموماً واعظ اور غیر مستند لوگ  
بیان کرتے رہتے ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا اور ایسے ہی قصہ گو لوگوں کے بارے میں  
جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

سیکون بعدی قصاص لا ينظر الله  
اليهم ابو عمرو بن فضاله في اماليه  
عن علي صحيح - والجامع الصغير ج ۲ ص ۲۰  
للسیوطی ج ۱

میرے بعد قصّے بیان کرنے والے ہوں گے اللہ  
تعالیٰ ان کی طرف نظر شفقت نہیں کرے گا  
یہ روایت صحیح ہے اس کو امام ابوبکر عمر بن فضالہ  
نے اپنی کتاب امالی میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے۔

اور ایسے قصہ گو لوگوں کو حضرات سلف صالحینؒ مسجدوں سے نکال دیتے تھے اور ان کی  
طرف توجہ ہی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ امام محمد بن عثمان البلیغی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۷ھ) لکھتے ہیں کہ  
و ابتغوا من فضل الله لا باجماع  
القصص فهو بدعة وكانوا يخرجون  
القصص من المسجد ومن العلم ۹۲ طبع لاہور

اور تم اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو لیکن نہ  
قصے جمع کرنے سے کیونکہ یہ بدعت ہے اور  
حضرت سلفؒ ایسے قصہ گو لوگوں کو مسجد سے

نکال دیا کرتے تھے۔

مگر صد افسوس ہے کہ آج کل اکثر لوگوں کو بجلے قرآن و حدیث کے لطف ہی ان بے سرو پا  
فصول میں آتا ہے اور خالص توحید اور سنت کا بیان سننے سے ان کا مارے غصے کے حلیم ہی بگڑ  
جاتا ہے نعوذ باللہ تعالیٰ منہ۔

(۵) مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی نداء خفیا کی تفسیر میں  
تحریر فرماتے ہیں :-

ای سراً فی جوف اللیل لان الذکر  
والدعاء سراً اکثر اخلاصاً والاخفاء  
مسنة الدعاء (تفسیر منہجی ج ۴ ص ۸۷)  
کرنا ہی دعا کی سنت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سنون طریقہ ہی دعا کا یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو کیونکہ اس میں اخلاص بھی زیادہ  
ہے اور ریاز اور نمازیوں وغیرہم کو تشویش میں ڈالنے کا امکان بھی نہیں ہے۔  
(۶) حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف صاحب تھانوی (المتوفی ۱۳۶۳ھ) دعا کے بارے میں  
طویل بحث نقل کرتے ہوئے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

تیسرا جزو خوب سمجھ لیجئے کہ ملا سب اربعہ یعنی خفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ میں اس بارہ میں  
کوئی اختلاف نہیں کہ نماز کے بعد آہستہ دعا مانگنا امام اور مفرد کے لئے مستحب ہے اور مالکیہ اور شافعیہ  
امام کے لئے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ دعا جہراً پڑھے تاکہ مقتدیوں کو تعلیم ہو یا وہ اس کی دعا پڑ  
آمین کہہ سکیں (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۵۶ طبع کراچی منوب) حضرات مالکیہ اور شافعیہ کی ضروری  
عبارتیں اسی کتاب میں مذکور ہیں جن میں اس کی صراحت موجود ہے کہ تعلیم کے بعد پھر جہر ترک کر  
دینا چاہیئے اور آہستہ دعا کرنا چاہیئے دوام جہر ان کے نزدیک بھی نہیں ہے اور اسی بحث میں آگے  
حضرت تھانوی ایک عبارت کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مراد بظاہر یہ ہے کہ اگر دعا کا جہر  
تعلیم حاضرین اور ان کے آمین کہنے کے قصد سے ہو تو علماء اس کو مکروہ نہیں کہتے۔ (امداد الفتاویٰ ج  
۵ ص ۵۶) اور ذکر کے بارے میں لکھتے ہیں ذکر دونوں طرح مفید ہے، لیکن جہراً معلوم ہوتا  
ہے آپ بھی جہر کریں مگر اس قدر جہر نہ ہو کہ لوگوں کو تکلیف پہنچے (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۵۶ حضرت



مقاوی نے ذکر بالجہر کی اجازت مشروط دی ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے مگر جکل مشاہدہ ہے کہ تقریباً نوانوے فی صدی ذکر بالجہر نازیوں، بیماروں پڑھنے پڑھانے والوں اور دیگر لوگوں کی تکلیف کا باعث ہوتے ہیں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رالتوفی ۱۳۷۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:-

نیز امام کا زور زور سے دعا مانگنا بھی مکروہ ہے اگرچہ منتر ہی اور خلاف اولیٰ ہی ہے لیکن اس کے اختیار کرنے اور عادت بنانے کی ضرورت ہی کیلئے مکروہ بہر حال مکروہ ہے اسے چھوڑنا ہی بہتر ہے اور اولیت اور بہتری اس کے خلاف میں ہے۔ زلفاس مرغوبہ فی حکم الدعاء بعد المکتوبہ ص ۱۷ طبع کراچی) اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے دو حوالے دیئے ہیں ایک السعایہ کا اور دوسرا فتاویٰ بزازیہ کا یہ حوالہ دوسری جگہ اسی کتاب میں مذکور ہے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رالتوفی ۱۳۹۲ھ) فرماتے ہیں کہ:-

فالاصل فی جملة الاذکار هو الاخفاء  
نعم ورد بالجهر بها حیث لا لغائہ لا و  
داعیۃ ولا تثبت بہ السنۃ وانما  
تثبت لو ثبت ان اکثر عملہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کان بالجهر وقد ثبت  
عندی جهر الاذکار والادعیۃ کلہا  
تقریباً غیر التشہد والتسمیحات  
حتی جهر الاکیۃ فی السریۃ ایضاً  
فدل علی ان معاملۃ الجهر والاخفاء  
ھتین عند الشرع لا ان الجاھر  
بالتأمین متبع السنۃ والمسر بہ  
مخالف لہا وانما بالغ فیہ المبالغون  
فقط احمد و فیض الیاری ج ۳ ص ۳۱۵

اصل تمام اذکار میں اخفاء ہی ہے ہاں بعض اوقات کسی فائدہ اور کسی داعیہ کی وجہ سے جہر بھی وارد ہوا ہے مگر اس سے سنت ثابت نہیں ہوتی سنت تو ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر عمل جہر کا رہا ہو اور میرے نزدیک بلاشبہ تمام اذکار و ادعیہ کا جہر بغیر تشہد اور سبیمات کے تقریباً ثابت ہے حتیٰ کہ سمری نماز میں بھی آیت کا جہر ثابت ہے سو اس سے معلوم ہوا کہ جہر و اخفاء کا معاملہ شریعت میں نرم ہے یہی نہیں کہ بلند آواز سے آمین کہنے والا ہی قبیح سنت ہے اور آہستہ زمین کہنے والا ہی سنت کا مخالف ہے مگر اس میں بلا وجہ مبالغہ کرنے والوں نے

مبالغہ کیا ہے کہ بلند آواز سے آئین کہنے ہی  
سے سنت پوری ہوتی ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات بلند آواز کے ساتھ دعا اور ذکر کرنے سے اس کا سنت  
ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ مثلاً آپ کا بعض اوقات جہر کرنا تعلیم کی خاطر ہوتا تھا اور کبھی کوئی اور  
فائدہ اور داعیہ پیش نظر ہوتا تھا اور اسی نظریہ کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ستری  
نمازوں میں بھی کبھی کوئی آیت کریمہ جہر سے پڑھی اور آئین بھی کبھار جہر سے پڑھی لیکن اس سے اس  
کی مستحکمیت ثابت نہیں ہوتی اس کے لئے تو مواظبت اور آپ کے اکثر عمل سے شہوت درکار ہے جو بیان  
مفقود ہے۔ یہ یاد رہے کہ جن حضرات نے نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کو جائز کہا ہے انہوں نے بھی اس کو  
مطلق نہیں چھوڑا بلکہ تعلیم کی قید اور کوئی مانع عارض نہ ہو کی قید کو ملحوظ رکھا ہے۔  
دعائیں تجاویز پسندیدہ بات ہے۔

مذہب اسلام ایک ایسا فطری اور معتدل مذہب ہے جس میں افراط و تفریط کی کوئی گنجائش نہیں  
اس برحق مذہب میں ہر چیز کو حد اعتدال پر اور موزوں و مناسب موقع اور محل پر رکھا گیا ہے ذکر  
اور دعا عبادت ہے اور ان میں اخلاص اور اخفاء مطلوب ہے اور حد سے تجاوز شرعاً ناپسندیدہ  
امر ہے حضرت عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو دعا کرتے سنا کہ وہ یوں کہہ رہے ہیں کہ اے پروردگار  
میں تجھ سے جنت کے دائیں طرف سفید رنگ کا محل مانگتا ہوں اس پر والد محترم نے ان کو  
تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و  
آلہ وسلم يقول یكون فی هذا الامۃ قوم  
یعتدون فی الدعاء والطهور (مستند)  
پڑھتے قال لما کم والنہی صحیح

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رافضی ایوان التوفی سے روایت میں آتا ہے آپ نے فرمایا کہ:-  
سیکون قوم یعتدون فی الدعاء وجموع  
معد صحیح الجامع الصغیر پڑھتے طبع مصر  
عنقریب ایک قوم ایسی آئے گی جو دعائیں تجاویز  
کرے گی۔

اور ان کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ

انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقولون فی الدعاء  
 فایاک ان تکن منهم الحدیث -  
 (ابو داؤد ج ۲)

عبارت میں اعتدال اور تجاوز کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ جہاں شرعاً دعا ثابت نہیں وہاں دعا کی جائے مثلاً جنازہ کے ساتھ شریک ہونے والے چند قدموں کے بعد اجتماعی صورت میں دعا مانگیں اور نماز جنازہ کے بعد دفن سے پہلے دعا مانگیں اور تیجہ ساتواں اور اس قسم کے متعین آیات میں اہتمام کے ساتھ جمع ہو کر دعا مانگیں اور سنتوں اور نوافل کے بعد مل کر دعا مانگیں اور مثلاً جہاں بلند آواز کے ساتھ دعا ثابت نہیں وہاں بلند آواز سے دعا مانگیں جنازہ کے ساتھ ہو یا نماز کے بعد اور مثلاً یہ کہ جو چیز کسی کی حیثیت اور شان کے لائق نہ ہو وہ طلب کریں یہ اور اس قسم کی متعدد صورتیں اعتدال فی الدعاء میں داخل ہیں اور جیسا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے وہ پوری ہو کر رہی ہے اور یہ ساری صورتیں مشاہدہ میں آچکی ہیں اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو فراطو فی طریق سے بچائے اور راہ ہدایت پر قائم رکھے اور پاکیزگی میں تجاوز یہ کہ مثلاً ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس سے گذرے وہ وضو کر رہے تھے آپ نے فرمایا اے سعد یہ اسراف کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت افی الوضوء سرف قلل نعم ولو کنت علی ضفۃ نہر جاد (غیر المستل ۳ طبع دیوبند) اور اگرچہ تو جاری نہر کے کنارے پر ہی ہو۔

ظاہرات ہے کہ نہر جاری ہو اور اس کے کنارے پر وضو کیا جائے تو پانی میں کیا کمی واقع ہو سکتی ہے؟ لیکن شرعاً اس موقع پر بھی ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور اس کو اسراف کہا ہے۔

نماز کے لئے بلند آواز سے نیت کرنا؟

اس میں حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ آیا نماز کے لئے تلفظ بالنیۃ درست ہے یا نہیں؟

چنانچہ مافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ زبان سے نیت کرنا مستحب ہے یا نہیں؟ سو ایک قول جس پر امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کے اصحاب ہیں یہ ہے کہ تلفظ بالنیت مستحب ہے کیونکہ اس سے دل اور زبان کی موافقت اور تاکید و تائید ہوتی ہے اور دوسرا قول یہ ہے جس پر امام مالک اور امام احمد کے کچھ اصحاب ہیں کہ تلفظ بالنیت مستحب نہیں ہے بلکہ بدعت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ سے منقول نہیں اس کے بعد انہوں نے اپنا مختار دوسرا قول بتا کر اگے یہ لکھا ہے کہ۔

وقد اتفق الاثمة على ان الجهر بالنية وتكريرها ليس بمشروع بل من اعتاده فانه ينبغي له ان يؤدب تاديباً يمنعهُ عن التعبد بالبدن وايذاء الناس برفع صوته والله تعالى اعلم۔

اس پر حضرات ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ بلند آواز سے اور بار بار نیت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ جس شخص نے اس کی عادت بنائی تو مناسب ہے کہ اس کو ایسی سزا دی جائے جس سے وہ اس بدعت کے طریقہ سے عبادت کرنے اور آواز بلند کر کے لوگوں کو اذیت دینے سے باز آجائے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۱۱ طبع مصر)

بعض مراتبی قسم کے لوگوں کا یہ قیورہ ہے کہ جب تک زبان سے بلند آواز کے ساتھ نیت نہ باندھیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری نیت نہیں ہوئی اس لئے وہ بار بار ایسا کرتے ہیں اس میں کئی خرابیاں جمع ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ بلند آواز کے ساتھ نیت باندھنے کو ضروری سمجھنا بدعت ہے جن بعض حضرات فقہاء کرام نے زبان سے نیت کرنے کو بدعت کہا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ بلند آواز سے نیت کو ضروری سمجھا جائے اور دوسری خرابی یہ ہے کہ ایسی کاروائی کا ثبوت حضرات ائمہ کرام سے نہیں جب کہ دین وہی ہے جو ان حضرات سے منقول ہوا ہے اور جس پر انہوں نے عمل کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامل اتباع کر کے ایک بہترین نمونہ امت مسلمہ کے لئے چھوڑا ہے اور تیسری خرابی یہ ہے بلند آواز کے ساتھ نیت کرنے والے کی اس کاروائی سے باقی نمازیوں کو تکلیف اور تشویش ہوتی ہے اور کسی دوسرے کے ذہن کو پریشان کرنا خصوصاً جب کہ وہ نماز میں مصروف ہو کسی طرح بھی کہ بہت سے خالی نہیں ہے اور چوتھی خرابی یہ ہے کہ بعض کم فہم اور جاہل لوگ

ایسے مراتی شخص سے یہ اخذ کریں گے کہ نیت باواز بلند ہونی چاہیئے اور اس کی کاروائی ایک غلط امر کی ترویج و اشاعت کا ذریعہ ہوگی اور پانچویں خرابی یہ ہے کہ مسجد میں بلا ضرورت آواز بلند کرنا ویسے مکروہ ہے اور اس کا یہ عمل اسی کراہت کا عامل ہے۔

الغرض ایسے مراتی لوگوں کی یہ کاروائی کئی خرابیوں کا موجب ہے لہذا اس کو حضرات ائمہ کرامؒ نے پسند نہیں کیا اور بقول حافظ ابن تیمیہؒ ایسے کاروائی پر اصرار کرنے والا موجب تعزیر و تادیب ہے تاکہ لوگوں کے لئے وہ عبرت بن سکے اور آئندہ کوئی شخص بھی ایسی کاروائی کا معمول سے بھی ارتکاب نہ کرے۔ حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہوئے کہ علماء کرامؒ نے اس اتفاق کے بعد کہ بلند آواز کے ساتھ نیت کرنا مشروع نہیں ہے اس میں اختلاف کیا ہے کہ کیا زبان کے ساتھ امام یا مقتدی یا منفرد کے لئے نیت کا لفظ کرنا درست ہے یا نہیں؟ لکھتے ہیں کہ :-

علماء کی اکثریت اس پر ہے کہ دل اور زبان کی نیت کو جمع کر لینا مستحب ہے تاکہ نیت کے معنی کا بھٹنا اور اس کا حاضر کرنا آسان ہو۔

فالاكثر على ان الجمع بينهما مستحب ليسهل تعقل معنى النية واستحضارها (فتاویٰ ص ۱۱۶)

# باب ششم

درویش شریف کا حکم

درویش شریف بھی ایک اعلیٰ اور عمدہ ذکر ہے اور جہر و اخفاء کے بارے میں جو حکم دیگر از کار ہے وہی حکم درویش شریف کا ہے لیکن اس کے باوجود حضرات فقہاء کرام نے اس کا حکم الگ بھی بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ اس میں اگر تعلیم مقصود نہ ہو تو اخفاء ہی مطلوب ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ:

قاص عندہ جمع عظیم یرفعون اصواتہم  
بالتسبیح والتہلیل جملۃ لا بأس بہ  
والاخفاء افضل ولو اجتمعوا فی ذکر اللہ  
تعالی والتسبیح والتہلیل یرفعون والاخفاء  
افضل عند الفرع فی السفینۃ او  
ملاعتہم بالسیوف وکذا الصلوۃ  
علی النبی صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ  
وسلم کذا فی القنیۃ انتہی۔

اگر کسی واعظ کے پاس کوئی بڑی جماعت ہو جو اٹھے  
ہو کر (داو تحسین دیتے ہوئے) تسبیح و تہلیل پڑھتے  
ہوئے آواز بلند کریں تو کوئی حرج نہیں مگر اخفاء  
افضل ہے اور اگر وہ جماعت اللہ تعالیٰ کے ذکر  
اور تسبیح تہلیل پر جمع ہو تو آہستہ ہی پڑھ لو کہ سنتی  
پر گہرا سٹ کے وقت اور تلواروں کے ساتھ  
کھیلنے وقت آہستہ ذکر کرنا ہی افضل ہے اور اسی

طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر درود

بھی آہستہ ہی پڑھنا افضل ہے جیسا کہ فقہیہ میں ہے۔

(نوٹ) عالمگیری کے بعض نسخوں میں طباعت کی غلطی کی وجہ سے بجائے قاص کے قاض  
طبع ہو گیا ہے جو بالکل غلط ہے مفتی احمد یار خان صاحب نے ایک کمال تو یہ کیا کہ لا بأس بہ کے  
جملہ تک عبارت نقل کر دی اور آگے والا خفاء افضل الخ ساری عبارت ترک کر دی اور

(عالمگیری ج ۵ صفحہ ۳۲۹ طبع مصر)

دوسرا کمال یہ کیا کہ طباعت کی غلطی نہ سمجھ سکے اور معنی یوں کیا کسی قاضی کے پاس بڑی جماعت ہو اتنا (ملاحظہ ہو بار الحق ص ۳۳۲) اور مؤلف ذکر بالجہر نے جمع عظیم سے لے کر لا باس بہ تک مفید عبارت نقل کر دی ہے اور اول و آخر کی عبارت گیارھویں شریف کا لفظ علوہ کچھ کر پڑھ کر لی ہے۔ (دیکھئے ص ۳۳۹) ظاہر بات ہے کہ درود شریف کا مجموعی اور خلاص سے پڑھنا جس طرح اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہے اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت اور اظہار عقیدت کا ایک عمدہ اور بہترین وسیلہ ہے لیکن اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ درود شریف آہستہ پڑھنا ہی افضل ہے اور اس سے قبل بحوالہ الحق کا حوالہ بھی گزر چکا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک دو عبارتیں اس پر اندر نقل کر دیں تاکہ بات بخوبی آشکارا اور عیان ہو جائے حافظ ابن الہمام الحنفی تلبیہ کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

والمعنى فيه انها من شعائر الحج والسييل فيما هو كذا لا الظهار والاشهار كالاذان ونحوه ويستحب ان يصلى على النبي المعلم للخير صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من التلبية ويجفئ صوته بذلك اذا دفع القدير بآ صا طبع مصر)

اس کا مطلب یہ ہے کہ تلبیہ شعائر حج میں سے ہے اور ایسی چیزوں کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا اظہار و اعلان اور تشہیر کی جائے جیسے اذان وغیرہ اور مستحب یہ ہے کہ تلبیہ سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو معلم خیر ہیں درود شریف پڑھے لیکن درود شریف پڑھتے وقت اپنی آواز کو پست رکھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تلبیہ تو بلند آواز سے پڑھے اس لئے کہ شرعاً اس کا اعلان و اظہار مقصود ہے لیکن جب درود شریف پڑھنے کی باری آئے تو پست آواز سے اور آہستہ پڑھے کیونکہ اس کا اعلان و اظہار مطلوب نہیں ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ بیان کرنے والا کوئی و بانی نہیں بلکہ ذمہ دار فقہاء احناف ہیں اور بحوالہ الحق، عالمگیری اور فتح القدير فقہ حنفی کی مستند ترین کتابیں ہیں اور اہل علم سے یہ بات محقق نہیں اور یہ سلسلہ صرف فقہاء احناف کے ہاں نہیں بلکہ دیگر فقہاء کرام بھی اس کو صاف لفظوں میں بیان اور تسلیم کرتے ہیں چنانچہ علامہ بدیع الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی البعلی القسری المتوفی ۸۷۵ھ لکھتے ہیں کہ:-

و اتفق المسلمون على ان الصلوة  
على التتي صلى الله عليه وسلم والدعاء  
كله سرًا افضل بل الجهر ورفع الصوت  
بالصلوة بدعة ورفع الصوت بذلك  
او بالتوضي قد اجماع الخطيب في الجمعة  
مكروه او محرم بالاتفاق ومنهم من  
يقول سرًا ومنهم من يقول يسكت  
(مختصر الفتاوى المصرية ص ۹ طبع مصر)

تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم پر درود شریف اور دعائے سب کی سب  
آہستہ افضل ہے بلکہ درود شریف کا بلند آواز سے  
جہراً مخاطبت ہے اور جمعہ کے دن خطیب کے  
سامنے بلند آواز سے درود شریف یا حضرات  
صحابہ کرام کا نام مشکک رضی اللہ تعالیٰ کے  
الفاظ بلند آواز سے پڑھنے بالاتفاق مکروہ یا حرام  
ہیں بعض یہ فرماتے ہیں کہ آہستہ پڑھنے یعنی دل میں  
اور بعض فرماتے ہیں کہ بالکل خاموش رہے۔

جس طرح پہلے صاف اور صریح حوالوں سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ بلند آواز سے ذکر اور دعا کرنا بدعت ہے اسی  
طرح اس عبارت سے معلوم ہو کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا بھی بدعت ہے اور درود شریف اور دعا کے آہستہ افضل  
ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہے لیکن اہل بدعت اور خواہش نفسانی کی پیروی کرنے والوں کے  
مسلمانوں کے اجماع و اتفاق سے کیا واسطہ؟ اور ان کو نصوح قطعہ صریح سے کیا لگاؤ؟ اور ان کو حضرت امام ابو حنیفہؒ  
کے صریح ارشاد اور کتب فقہ حنفی کی واضح عبارات سے کیا تعلق اور سروکار؟ ان کو تونت نہ نئی بدعت  
گھر گھر کے اپنے پیٹ کے دوزخ کے لئے ایندھن ہتیا کرنا ہے اور گروہ بندی کو برقرار رکھنے کے  
لئے بجا لائے رب تعالیٰ کی خوشنودی کے عوام الناس کو اپنی کارگزاری بتانا سوتی ہے ان کی ان بدعات  
پر عامل ہو کر کوئی تباہ و برباد ہو یا ان سے دستگیری حاصل کر کے نجات پالے اہل بدعت اس سے  
بے نیاز نہیں کیونکہ ۵

دریا کو اپنی موج کی طغیانوں سے کام  
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان ہے

علمی خیانت

مفتی احمد یار خان صاحب نے امام نوویؒ کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کی ہے لیکن درمیانی  
حصہ جو ان کے قدرے خلاف پڑتا تھا بالکل پی گئے ہیں ہم پوری عبارت نقل کرتے  
ہیں ملاحظہ فرمائیں۔



یستحب لقادی الحدیث وغیرہ ممن  
 فی معناه اذا ذکر رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم ان یوقع صوته بالصلوة  
 علیہ والتسلیم ولا یبالغ فی الرفع  
 مبالغة فاحشة ومن نقص علی رفع  
 الصوت الا ما مام الحافظ ابو بکر الخطیب  
 البغدادی وآخرون وقد نقلته الی  
 علوم الحدیث وقد نصّ العلماء من  
 اصحابنا وغیرہم انه یستحب ان یوقع  
 صوته بالصلوة علی رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم فی التلبیة واللہ  
 تعالیٰ اعلم۔ کتاب الاذکار ص ۱۷ طبع مصر

حدیث شریف وغیرہ اور جو اس کے ہم معنی ہے  
 پڑھنے والے کے لئے مستحب ہے کہ جب آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آئے تو بلند آواز  
 سے آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے اور آواز بلند کرنے  
 میں زیادہ مبالغہ نہ کرے جن بزرگوں نے آواز  
 بلند کرنے کی تصریح کی ہے ان میں امام حافظ  
 ابوبکر خطیب اور دوسرے حضرات شامل  
 ہیں اور میں نے اس کو علوم الحدیث میں نقل کیا  
 ہے۔ اور ہمارے اصحاب (ثوافت) وغیرہم نے  
 تلبیہ کے موقع پر درود شریف بلند آواز سے  
 پڑھنے کے استحباب کی تصریح فرمائی ہے۔  
 واللہ تعالیٰ اعلم۔

مفتی صاحب نے بار الحق ص ۲۳۲ میں درمیان خط کشیدہ عبارت اور اس کا ترجمہ بالکل  
 ترک کر دیا ہے نہ معلوم یہ کونسی علمی حدیث اور تقویٰ و دیانت ہے اس کا مطلب تو بالکل واضح  
 اور صاف ہے کہ جس بزرگ ترین سستی اور ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث پر مصری جارہی ہے  
 اس مبارک موقع پر قدرے بلند آواز سے درود شریف پڑھی جائے تاکہ آغاز ہی سے اللہ تعالیٰ کی  
 خصوصی رحمتیں شامل ہوں اور سننے والے بھی متوجہ ہوں اور طلبہ حدیث کو آگاہی ہو کہ میں  
 بھی اس نیک اور مبارک عمل میں ان کی اقتدا کرنی چاہیے لیکن ساتھ ہی تصریح کر دی ہے کہ  
 آواز بلند کرنے میں زیادہ مبالغہ اور افراط نہ اختیار کرنا چاہیے بلکہ یہ رفع صوت حد اعتدال  
 تک رہنا چاہیے۔ امام نووی کا یہ ارشاد کہ میں نے اس کو علوم الحدیث میں نقل کیا ہے یہ اشارہ  
 ہے اس کی طرف جو انہوں نے تقریب النواوی میں امام خطیب بغدادی الشافعی والتموی ص ۳۶۳  
 کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

علامہ خطیب نے فرمایا کہ درود شریف پڑھتے وقت

قال الخطیب ویوقع بها صوته

دقترب التواوی مع شمر قدیر البراوی ص ۳۴۱ طبع مصر  
(جب حدیث پڑھ رہا ہو تب مقرر) اپنی  
آواز کو بلند کرے۔

مفتی احمد یار خان صاحب کا امام نوویؒ کی کتاب الاذکار کی عبارت سے مطلقاً درود شریف  
کے بلند آواز کے ساتھ پڑھنے پر استدلال صحیح نہیں ہے اولاً تو اس لئے کہ اس عبارت میں صرف دو  
مقامات پر رفع الصوت ثابت ہے ایک یہ کہ تلبیہ کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھے اور  
دوسرے حدیث شریف پڑھتے وقت اور ایسے ہی اس سے ملتے جلتے موقع پر مثلاً درس و تدریس  
کے موقع پر اس سے ہر ہر مقام پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کا ثبوت کیسے ہوا؟ بس یہی  
ثابت ہو گا کہ ان مقامات میں بلند آواز سے پڑھے و ثانیاً تلبیہ میں رفع الصوت خود شرعاً مطلوب ہے  
جیسا کہ باحوال پہلے بیان ہو چکا ہے اور اس سے حضرات شوافع وغیرہم نے یہ سمجھا ہے کہ درود شریف  
بھی بلند آواز سے ہو، چنانچہ ان کی عبارت میں وقد نص العلماء من اصحابنا وغیرہم ان  
کا واضح قرینہ ہے۔ اور امام نوویؒ نے المجموع شرح المہذب ج ۸ ص ۱۱۱ طبع مصر میں بھی تلبیہ بطرح  
درود شریف بھی بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر کیا ہے لیکن علماء احناف نے جن کی فقہی بصیرت مسلم  
ہے اور ان میں سے علی الخصوص حافظ ابن الہمام الحنفی جن کو مولوی احمد رضا خان بریلوی بھی  
المحقق حیث اُطلق سے تعبیر کرتے ہیں صرف تلبیہ میں رفع الصوت کے قائل ہیں چنانچہ ان کا  
حوالہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ جب تلبیہ سے فارغ ہو تو مستحب یہ ہے کہ درود شریف آہستہ پڑھے  
کیونکہ آواز بلند کرنے کا حکم صرف تلبیہ میں وارد ہوا ہے تو یہ اپنے مورد پر بند رہے گا اور درود شریف  
چونکہ ذکر ہے اس لئے اصل قاعدہ کے مطابق اس میں اخفاء ہی افضل ہو گا۔  
اذان سے قبل اور بعد بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھنا۔

اذان شعار دین میں سے ہے اور نماز کی طرف دعوت دینے کا ایک شرعی ضابطہ ہے آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرامؓ اور خیر القرون میں اسی شرعی حکم کو نماز کی دعوت لئے کافی سمجھا  
جاتا تھا مگر شعبان ۱۱۹۴ھ میں سرزمین مصر میں ایک ظالم اور راشی حاکم نجم الدین الطنبندی کے حکم  
سے اذان کے بعد بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے کی بدعت ایجاد ہوئی اور اس علاقہ میں  
اس کا اس قدر رواج ہوا کہ اس کو کار ثواب سمجھا جانے لگا حتیٰ کہ بعض جنید مصری علماء کرامؒ نے

اگر کو بدعت مانتے ہوئے بھی اس کے ساتھ حسنہ کا پیوند لگایا لیکن اس کے حسنہ ہونے کی کوئی دغنی یا نقل معقول دلیل وہ نہ پیش کر سکے اس کے برعکس دیگر علماء کرام نے اپنے اپنے انداز سے اس کی تردید کی اور لوگوں پر واضح کیا کہ یہ بدعت ہے اور نجات اور کامیابی سلف صالحین کی پیروی میں ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی تحریر فرماتے ہیں کہ:-

اما ما حدث الناس قبل وقت الجمعة من الدعاء اليها بالذكر والصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم فهو في بعض البلاد دون بعض واتباع السلف الصالح اولى انتهى (فتح الباری ج ۷ ص ۷ طبع مصر)

بہر حال لوگوں نے جمعہ کے وقت سے پہلے جمعہ کی طرف دعوت دینے کے سلسلہ میں ذکر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کی جو بدعت ایجاد کی ہے وہ بعض شہروں میں ہے اور بعض میں نہیں ہے لیکن سلف صالحین کا اتباع ہی سب سے بہتر ہے۔

حافظ ابن حجر نے خالص علمی اور تحقیقی زبان میں نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اس کاروائی کو بدعت کہہ کر سلف صالحین کی پیروی کی تلقین فرمائی ہے حضرت ملان نقاری الحنفی لکھتے ہیں کہ:-

فما يفعل المؤمنون الآن عقب الاذان بالصلوة والسلام مراراً اصد سنة والكيفية بدعت لان رنم الصوت بالن كوفيه كواحة سيما في المسجد الحرام لتشويش على الطائفين والمصلين والمعتكفين۔

پس جو کاروائی اذان کے بعد اب مؤذن کرتے ہیں کہ بار بالصلوة والسلام پڑھتے ہیں اصل درود شریف پڑھنا تو سنت ہے مگر یہ کیفیت بدعت ہے کیونکہ بلند آواز سے ذکر کرنے میں کراہت ہے خصوصاً مسجد حرام میں کیونکہ اس سے طواف کرنے والوں، نمازیوں اور اعتکاف کرنے والوں کو تشویش ہوتی ہے۔

مرقات ج ۱ ص ۱۶ طبع ملتان

شیخ الصوفی امام عبد الوہاب الشعرانی الشافعی (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ

قال شيخنا لم يكن التسليم الذي يفعله المؤمنون في ايام حياته ولا الخلفاء

ہمارے شیخ نے فرمایا کہ آج کل مؤذن جس طرح سلام پڑھتے ہیں یہ طریقہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

السراشدین بل کان فی ایام الروافض  
بمصر اور کشف الغمہ ج ۱۲ طبع مصر  
وسلم کی زندگی میں تھا اور نہ حضرات خلفاء  
راشدین کے زمانہ میں بلکہ اس کی ایجاد مصر میں  
رافضیوں کے دور حکومت میں ہوئی۔

تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۹۸ در مختار ج ۱۲ اور طحاوی ص ۱۱۱ میں اس کی تصریح ہوئی  
ہے کہ یہ بدعت ۹۷ھ میں جاری ہوئی۔ اصل واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک جاہل صوفی نے یہ طریقہ  
نواب میں دیکھا حالانکہ مدار شریعت خوابوں پر نہیں اور نہ وہ شرافت ہیں تو مصر کے ایک ظالم  
اور راشی حاکم کے سامنے اس کو پیش کیا اس بے دین نے نہ آؤ دیکھنا نہ آؤ فوراً قانوناً یہ بدعت  
جاری کر دی۔ چنانچہ علامہ مؤرخ اسلام مقرر بنی لکھتے ہیں کہ وہ جاہل صوفی قاہرہ کے محتسب کے  
پاس گیا جو اس وقت نجم الدین محمد الطنبی تھا جو ایک جاہل شیخ تھا قضا و محاسبہ میں بد اخلاق تھا  
ایک ایک درہم پر جان دیتا تھا اور کینگی اور بے حیائی کا پتہ تھا حرام اور شہوت لینے سے دریغ  
نہیں کرتا تھا اور کسی مومن کی قربت اور ذمہ کا اس کو پاس نہ تھا گناہوں پر بڑا حرص تھا اور اس کا  
جسم حرام سے پلا ہوا تھا اس کے نزدیک علم کا کمال بس دستار و مجبہ تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ ہوائے  
الہی اللہ تعالیٰ بندوں کو کورے لگانے اور عہدہ قضا پر برابر چنے رہنے سے ہے اس کی جہالتوں  
کے قحطے اور اس کے گندے افعال کی کہانیاں ملک میں شہور تھیں۔ رجواز الابداع فی مضار  
الابداع ص ۱۶ طبع مصر

امام ابن حجر المکی الشافعی اپنے فتاویٰ الکبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

وقد استفتی مشائخنا وغیرہم فی الصلوۃ  
والسلام علیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد  
الاذان علی الکيفية التي يفعلہ المؤذنون  
فافتوا بان الاصل سنة والکيفية  
بدعة رجواز الابداع ص ۱۶۳

ہمارے مشائخ وغیرہم سے یہ فتویٰ طلب کیا گیا  
کہ اذان کے بعد جس کیفیت سے رجاء پڑھا کر آجکل  
مؤذن صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں کیا یہ درست ہے؟  
تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ اصل درود شریف پڑھنا تو  
سنت ہے لیکن یہ کیفیت بدعت ہے۔

”فتاویٰ وغیرہ السالکین“ میں لکھا ہے کہ۔

الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
اذان سے پہلے اور اذان کے بعد آنحضرت

قبل الاذان وبعده من محدثات  
الامور التي لم يكن في عهد رسول الله  
صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء الراشدين  
والتابعين وتبعهم رضوان الله تعالى  
عليهم اجمعين۔ (بجواز نفاة الكلام ص ۱۲۸)

صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا ان امور  
بدعات میں سے ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
اور حضرات خلفاء راشدین اور حضرات تابعین  
اور تبع تابعین کے زمانہ میں نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان  
سب پر رضا ہو۔

اور مؤلف مجالس الابراہ فرماتے ہیں کہ اہل بدعت نے حرف اذان میں راکسہی پر اکتفا نہیں کیا۔  
بلکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات  
گرامی پر صلوٰۃ و سلام کے بعض کلمات بھی زیادہ  
کئے ہیں درود شریف اگرچہ کتاب و سنت کی  
نقص سے ثابت ہے اور بُری اور درجے والی  
عبادات میں سے ہے لیکن منارہ پر اذان کے  
وقت اس کے پڑھنے کو عادت بنالینا شروع  
نہیں کیونکہ حضرات صحابہ کرام تابعین اور ان کے علاوہ  
ائمہ دین میں سے کسی نے یہ کاروائی نہیں کی اور  
کسی آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ عبادات کو ان  
جگہوں میں کرتا پھرے جہاں شریعت نے ان کو  
نہیں رکھا اور جس سلف صالحین کا تعامل نہیں۔

اور علامہ ابن الجاج المالکی تحریر فرماتے ہیں کہ:-

فالصلوة والتسليم على النبي صلى الله  
عليه وسلم احد ثوها في اربعة مواضع  
لم تكن تفعل فيها في عهد من مضى  
والخير كله في الاتباع لهم مع انها  
قريبة العهد بالحدوث جداً او

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کو ان  
(اہل بدعت) نے چار جگہوں میں ایجا دیا ہے  
کہ ان مواقع میں سلف صالحین کے زمانہ میں ایسا  
نہیں ہوتا تھا اور بھلائی سب ان کی پیروی میں  
ہے حالانکہ اس بدعت کی ایجاد کا زمانہ بہت ہی

قریب ہے ان میں ایک جگہ ہر رات طلوع فجر کے وقت اور جمعہ کی رات عشاء کی اذان کے بعد ہے۔

ہی عند طلوع الفجر من کل ليلة وبعد اذان العشاء ليلة الجمعة  
اصد الدغل بم ۲۳۹ طبع مصر

ذکر بالجہر بھی مشروع ہے۔

جن اکابر نے ذکر بالجہر کی اجازت دی ہے اس میں انہوں نے شرائط کو نظر انداز نہیں کیا جو ذکر بالجہر کے حجاز کے لئے ضروری ہیں۔ چنانچہ علامہ شافعی رفع صوت بذکر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔  
اقول اضطرب کلہ صاحب البزازیة  
فی ذالک فتارۃ قال انتہ حرام وتارۃ  
قال انتہ جائز و فی الفتاوی الخیریة  
من الکراہیة والا ستحسان جاء فی  
المحدث ما اقتضی طلب الجہر بہ نحو  
وان ذکر فی فی ملاء ذکر تہ فی ملاء الخیر  
منہم رواہ الشیخان و ہناک احادیث  
اقتضت طلب الاسرار والجمع  
بینہما بان ذالک یختلف باختلاف  
الاشخاص والاحوال کما جمع بذالک  
بین احادیث الجہر والاحفاء بالقراءة  
والایعارض ذالک حدیث خیر الذکر  
الحقی لانہ حیث خیف السراء وتاؤدی  
المصلین او النیام فان خلا جہا ذکر  
فقال بعض اهل العلم ان الجہر افضل  
لانہ اکثر عملاً ولتعدی فائد تہ  
السامعین ویوقظ قلب الذاکر فیجمع

میں کہتا ہوں کہ صاحب بزازیہ کا کلام اس مقام میں مضطرب کبھی تو وہ ذکر بالجہر کو حرام کہتے ہیں اور کبھی جائز کہتے ہیں اور فتاویٰ خیرۃ رسلہ طبع مصر مؤلف علامہ خیر الدین الرمل الحنفی المتوفی ۱۰۸۰ھ استاد علامہ خضکی کے باب الکراہت والاستحسان میں ہے کہ حدیث میں ایسا ثبوت بھی آیا ہے جو طلب جہر کو چاہتا ہے غلط ہے کہ (رب العزت فرماتے ہیں) اگر کسی نے کسی جماعت میں یہ ذکر کیا تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر جماعت میں کرتا ہوں بخاری اور سلم نے اس کو روایت کیا ہے اور اس سلسلہ میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جو آہستہ ذکر کا تقاضا کرتی ہیں اور ان میں تطبیق یوں ہے کہ یہ اشخاص واحوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف حالات پر محمول ہیں جیسا کہ بلند آواز سے .... اور آہستہ قرات کہنے والی حدیثوں کو اسی طرح جمع کیا گیا ہے اور یہ اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں آہستہ کہ بہترین ذکر ہے۔

همه لای الفکر و بصرف سمعه الیه  
 و یطرد النوم و ینزید النشاط اه  
 ملخصاً و تمام الکلام هنا  
 فراجعہ و فی حاشیۃ الحموی  
 عن الامام الشعرانی اجمع العلماء  
 سلفاً و خلقاً علی استحباب الذکر  
 الجماعۃ فی المساجد و غیرها  
 الا ان یشوش جہرہم علی قائم  
 او مصل او قاری اه انتہی۔  
 (الشامی ج ۱ ص ۱۱ طبع مصر)

جوابتہ ہو اس لئے کہ وہ اس پر محمول ہے جہاں  
 زیادہ کا خوف یا نازیروں یا سونے والوں کی اذیت  
 کا خطرہ ہو پس اگر ان مذکورہ مجبوروں سے خالی  
 ہو تو بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جہر افضل ہے کیونکہ  
 اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سامعین  
 تک متعدی ہے اور یہ فاکر کے دل کو میدا کرتا ہے  
 سو اس طریقہ سے وہ اپنی طبیعت سے فکر کرے گا اور  
 اپنا کان اس کی طرف متوجہ کرے گا اور نیند کو دور  
 کرے گا اور خوشی کو بڑھائے گا (الذکر مخلصاً) اور اس کی  
 پوری عبارت وہیں مراجعت کر کے دیکھ لیں اور  
 حموی کے حاشیہ میں امام شعرانی سے نقل کیا ہے  
 کہ سلف و خلف کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ  
 مساجد وغیرہ میں جماعتی شکل میں ذکر کرنا مستحب  
 مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی ہونے والے یا نازی یا کسی  
 تلاوت کرنے کرنے والے کو تشویش ہوتی ہے تو پھر  
 جہر درست نہیں ہے۔

علامہ شامی کی اس عبارت میں بعض باتیں قابل توجہ ہیں جن کو سمجھ لینا ضروری ہے تاکہ الجھن  
 باقی نہ رہے۔

(الف) یہ کہ صاحب بزاز نے کلام میں اضطراب ہے کہی تو وہ ذکر یا الجہر کو حرام اور کبھی جائز  
 کہتے ہیں اور مؤلف ذکر یا الجہر نے ص ۵۹ میں بھی اس کا یوں ذکر کیا ہے۔ صاحب بزاز نے کلام ذکر  
 یا الجہر کے بارے میں بظاہر مضطرب ہے لیکن حقیقت میں کوئی اضطراب نہیں کیونکہ وہ ذکر یا الجہر  
 کو اس وقت منع کرتے ہیں جب اس میں کوئی مصلحت نہ ہو اور جب اس میں مصلحت ہو تو پھر  
 جائز ہے۔ انتہی بل فظہ مؤلف مذکور کے بس کا تو روگ نہیں البتہ علامہ شامی پر ضرور تعجب ہوتا ہے کہ

اتنے بلند پایہ اور وسیع النظر محقق فقیہ کو صاحب بزازیہ کے کلام میں اضطراب کیسے نظر آیا ؟  
 ہمیں تو ان کے کلام میں سرے سے کوئی اضطراب ہی نظر نہیں آ رہا۔ اگر قارئین کرام غور سے ملاحظہ  
 فرمائیں گے تو یہ بات ان کو بھی بجا اشد تعالیٰ آسانی سے سمجھا جائے گی بل ضد کا کوئی علاج نہیں۔  
 اضطراب کے لئے یہ شرط ہے کہ نفی اور اثبات اور یہاں ذکر جہاں اور نہ پھر مصلحت اور غیر مصلحت  
 اگر محل الگ الگ ہو تو پھر اضطراب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ پھر مصلحت اور غیر مصلحت  
 کے ہیوند سے تطبیق دینے کی ضرورت پیش آتی ہے بات دراصل یہ ہے کہ صاحب بزازیہ حضرت امام  
 ابو حنیفہؒ کے مسلک کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیگر محققین علماء احناف کے مطابق جہاں شریعت میں  
 ذکر بالجہر ثابت نہیں اس مقام میں ذکر بالجہر کو حرام کہتے ہیں کیونکہ ایسے موقع پر اصل ہی اخفاء ہے اور  
 ذکر بالجہر کرنا اشد تعالیٰ کے امر اور حکم کے مخالف بھی ہے اور بدعت بھی اور جہاں خود شریعت نے ذکر  
 بالجہر کی اجازت دی ہے اس موقع پر وہ ذکر بالجہر کو جائز قرار دیتے ہیں مثلاً اذان خطبہ اور تبلیہ  
 وغیرہ اور ان مقامات میں شرعاً جہر ثابت اور مطلوب ہے۔ الغرض جہاں انہوں نے ذکر بالجہر کو حرام  
 کہا وہ اور مقام ہے اور جہاں اجازت دی وہ اور محل ہے جب محل الگ الگ ہے تو پھر اضطراب  
 اور تعارض کیسے ؟ ان کی پوری عبارت گزر چکی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں :-

واما رفع الصوت بالذکر فجاہل کسافی اور بہر حال ذکر کے لئے آواز بلند کرنا جائز ہے  
 الاذان والخطبة والحج احد بزازیہ ج ۳ جیسے اذان اور خطبہ اور حج میں۔  
 ص ۳ علی ہامش الہندیہ

اس عبارت میں موصوف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جہاں شرعاً ذکر میں رفع الصوت محمود و مقصود  
 ہے وہاں رفع الصوت جائز ہے اور اس کی مثال میں وہ اذان خطبہ اور حج میں تبلیہ کا ذکر کرتے ہیں  
 اذان اور خطبہ کے بارے میں رفع الصوت کا باحوال تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اور تبلیہ کے بارے میں  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یوں ہے کہ

اتاتی جبرائیل فامرنی ان اصواتهم بالالہلال او بالتلیتہ  
 ان یرفعوا اصواتهم بالالہلال او بالتلیتہ  
 میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں  
 نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے ساتھیوں کو تبلیہ میں  
 آواز بلند کرنے کا حکم دوں۔



اور حضرت ابوبکر الصدیق سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا حضرت کو ساج بفضل ہے؟ آپ نے فرمایا العجب والاعجب۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی (المستوفی) اس کا معنی یوں کرتے ہیں کہ

والعجب هو دفع الصوت بالتسبئة والعجب هو دفع الصوت بالتسبئة  
عجب کا معنی تلبیہ میں آواز بلند کرنا اور تسبیح کا معنی  
والعجب هو دفع الصوت بالتسبئة

اور روایات سے معلوم ہوا کہ حج اور احرام کی حالت میں بلند آواز سے لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ اَللّٰہُ کہنا شرعاً مطلوب ہے۔ الغرض صاحب بزاز نے نہ تو عموماً ذکر جہر کو جائز کہا ہے اور نہ مل کر بلند آواز سے لا الہ الا اللہ مسجدوں میں پڑھنے کو اور نہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کو جائز کہا ہے اس کو تو وہ بہر کیف حرام کی حد میں شمار کر کے حضرت ابن مسعود کا عمل اس پر دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے ایسی کاروائی کرنے والوں کو بدعتی کہا اور مسجد سے نکال باہر کیا۔ اور خود علامہ شامی بھی صاحب بزاز کے حوالہ سے یہ لکھتے ہیں۔

واحد رقم الصوت بالذکر فجائز کمافی  
اور بہر حال ذکر میں آواز بلند کرنا جائز ہے جیسے  
الاذان والمخطبة والجمعة والجماعہ۔  
افان اور خطبہ اور جمعہ اور حج میں۔

(دشامی ج ۵ ص ۷۷)

الحاصل ایسے صاف اور صریح الفاظ اور واضح مثال کے ہوتے ہوئے صاحب بزاز کے کلام سے عمومی طور پر ذکر بالجہر کے حوالہ پر استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے اس ساری عبارت میں وہی کچھ فرمایا ہے جو حضرت امام ابو حنیفہ اور دیگر حضرات فقہاء احناف نے فرمایا ہے کہ عمومی طور پر ذکر بالجہر بدعت ہے صرف ان مقامات اور مواقع میں جائز ہے جہاں شریعت نے اجازت دی ہے مثلاً اذان وغیرہ علاوہ انہیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ ہم نے صاحب بزاز کے حوالہ سے یہ بات بھی پہلے عرض کی ہے کہ جب امام مقتدیوں کو آٹھ و نوا میں سکھایا ہوا اور مقتدی سیکھ رہے ہوں تو اس وقت تک جہر جائز ہے اور جب سیکھ چکے ہوں تو پھر ان کا جہر کرنا بدعت ہوگا اور کچھ کتاب علماء (۷۷) گویا اس حوالہ کے پیش نظر اس عبارت کا مطلب یہ نکلا کہ ذکر اور دعا سیکھنے اور یاد کرنے کے زمانہ میں جہر جائز ہے اور بعد کو بدعت ہے ایک کا زمانہ اور ہے اور دوسرے کا زمانہ اور ہے جب

دونوں حکموں کا محل اور مورد و زمانہ جدا جدا اور الگ الگ ہے تو اس صورت میں تعارض اور اضطراب کا کیا معنی؟

رب الحدیث وَإِنْ ذَكَرْتُنِي فِي مَلَأَةٍ ذَكَرْتُكَ فِي مَلَأَةٍ (بخاری ج ۱ ص ۱۷۶) سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے لیکن اس سے علی التبعین اور قطعی طور پر عمومی ذکر مراد لینا ہی متعین نہیں بلکہ اس سے وعظ و نصیحت اور خطبہ و درس وغیرہ مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ الفاظ حدیث کہ اگر کوئی شخص کسی جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس جماعت سے بہتر جماعت (یعنی فرشتوں) میں اس کا ذکر کرتا ہوں اس کی زیادہ تائید کرتے ہیں کیوں کہ ظاہر بات ہے کہ ایک آدمی جب جماعت میں ذکر کرتا ہو اور باقی سن رہے ہوں تو یہ وعظ و نصیحت اور خطبہ وغیرہ پر زیادہ چسپاں ہے اس سے عمومی ذکر کہ استدلال قطعی نہیں اور پھر جہر کا اس میں صراحتہ نہیں بلکہ اقتضاء ذکر ہے۔ اور علامہ آلوسی ذکر بالجہر اور ذکر بالسر میں فقہاء ائمہ اور علماء اسلام کے اختلاف کو مد نظر رکھ کر تطبیق دینے کے لئے یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ ۱۔

وفصل آخرون فقالوا الاخفاء افضل  
عند خوف الرياء او كان في الجهر  
تشويش على نحو مصل او نام او قارئ  
او مشغل بعلم شرعي وبتقديم  
الجهر على الاخفاء فيما اذا خلا عن  
ذلك وكان فيه قصد تعليم جاهل او  
نحو إزالة وحشة عن مستوحش او  
طرد نعاس او كسل عن الداعي  
نفسه او ادخال سرور على قلب  
مؤمن او تنفير مبتدع عن  
بدعتهم او نحو ذلك۔  
اور دوسرے حضرات نے یہ تفصیل کی ہے اور کہا  
ہے کہ اخفاء اس مقام میں افضل ہے جہاں زیاد  
کا خوف ہو یا جہر کرنے کی وجہ سے مثلاً نمازی یا سوتے  
والے یا لادت کرنے والے یا عالم شرعی میں مشغول  
ہونے والے کو تشویش ہوتی ہو اور جہر اخفاء  
پر مقدم ہو گا جو مقام ان حالات میں سے خالی ہو  
اور اس میں کسی جاہل کی تعلیم یا کسی گھبرائے ہوئے  
کی وحشت کو یا ادنیٰ گھنے والے کی اونگھ کو یا خود  
دعا کرنے والے کی اپنے نفس کے سستی کو دور کرنا  
مقصود ہو یا کسی مومن کے دل میں خوشی داخل  
کرنے یا کسی بدعتی کو اہل بدعت سے باز رکھنے کیلئے جہر کیا  
جائے یا اس جیسی کوئی اور وجہ ہو تو جہر بہتر ہے۔

مفتی احمد یار خان صاحب شامی کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں جو اس کتاب میں نقل کی گئی ہے اور اس کا وہ یوں ترجمہ کرتے ہیں متقدمین اور متاخرین علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے مگر یہ کہ ان کے چہرے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی ہو۔ (حار الحق ص ۳۳۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں بھی کسی نماز، نیند، قرأت و تلاوت اور مطالعہ کتب اور تعلیم میں خلل پڑنے کا احتمال ہو وہاں ذکر بالجہر نہیں کرنا چاہیئے ہاں جہاں ایسا کوئی عارضہ نہ ہو اور اسکے ساتھ دوسرے امور (جن کا ذکر علامہ آلوسی کی عبارت میں موجود ہے) میں سے کوئی امر ہو تو ذکر بالجہر میں کوئی مضائقہ نہیں مثلاً کسی جنگل بیابان میں یا اپنے مکان کی اندرونی کوٹھری میں جس سے آواز باہر نہ نکلتی ہو یا کوئی ایسی مسجد ہو جو بالکل خالی ہو یا کوئی خانقاہ ہو جس میں ذکر بالجہر سے کسی کے سکون و آرام میں خلل نہ پڑتا ہو تو بڑے شوق سے ذکر کرتا رہے۔

حضرت عائشہ (التوفاتہ ص ۵۵) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو ایک شخص کی قرأت سنی جو مسجد میں پڑھ رہا تھا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے اس نے مجھے فلاں سورت کی فلاں آیت یاد کرو دی جو مجھے بھول گئی تھی۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۳۲ و مسلم ج ۲ ص ۲۶۶) حضرت امام نوویؒ اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

منہا جواز دفع الصوت بالقرأة	ان میں سے ایک یہ ہے کہ رات کے وقت اور
فی اللیل فی المسجد ولا کراهۃ فیہ	مسجد میں بلند آواز سے قرأت کرنا جائز ہے اور
اذ لم یؤذ احدًا ولا تعرض للریاء	اس میں کوئی کراہت نہیں جب کہ چہرے کسی کو
والاعجاب ونحو ذلک (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۶۶)	اذیت نہ دے اور نہ زیاد اور خود پسندی وغیرہ

کا شکار ہو۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ اسی مضمون کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔  
الجواب:- اپنے ذکر کے اخفا و اظہار میں آپ مختار ہیں اگر نیت اچھی ہے تو مضائقہ نہیں ہے مگر حتی الوسع اپنے عمل کا اخفا و عناست کیونکہ مال کا ریاکارانہ پیشہ ہونا ناہی ہے فقط والسلام  
رشید احمد عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص ۱۵۹)

(ج) اس عبارت میں ذکر بالجہر اور ذکر بالستر کے اختلاف کو مختلف اشخاص اور احوال پر حمل کیا گیا ہے۔ اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں کہ نہ تو ہر شخص کے لئے ذکر بالجہر جائز ہے اور نہ ہر حالت میں یہ جائز ہے۔

(د) اس عبارت میں اپنی شرائط کے ساتھ ذکر بالجہر کی اجازت دی گئی ہے اور جماعتی شکل میں مل کر بھی مگر اس میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔ کہ اگر ذکر بالجہر سے کسی نمازی یا سونے والے یا تلاوت وغیرہ کرنے والے کو تکلیف ہوتی ہو تو پھر ذکر جہر کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ توسعیدی صاحب اور ان کی جماعت ہی اپنے اپنے اہل محلہ سے پوچھیں کہ لاؤڈ سپیکر بچب وہ چلا چلا کر ذکر کیا کرتے ہیں آیا اس سے لوگوں کی نمازوں، نیند اور سکون میں کچھ خلل پڑتا ہے یا نہیں؟ عیاں راجح بیان۔

علامہ ابن الحاج المالکیؒ لکھتے ہیں کہ:-

وهذه المسئلة لا يعلم فيها خلاف  
بين احد من المتقدمين من اهل  
العلم اعني منع رفع الصوت بالقرأة  
والذكر في المسجد مع وجود مصل يقم  
له التشويش بسببها (المدخل ج ۱ ص ۱۰۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مسجد میں صرف ایک ہی نمازی ہو اور قرأة اور ذکر سے اس کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو تو تمام متقدمین کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ اس کو جہر قرأة اور ذکر سے منع کیا جائے گا جو کچھ حضرات متقدمین نے فرمایا متاخرین نے بھی اس کو نظر انداز نہیں کیا جیسا کہ شامی وغیرہ کی عبارات آپ دیکھ چکے ہیں۔ اور اس سے قبل علامہ ابن الحاج المالکیؒ لکھتے ہیں:-

فالداخل الى المسجد لا يجيد التشويش  
برفع الصوت بالذكر في المسجد على صلواته  
فيمنع كل ما يشوش على المصلی ۱۵۔  
(المدخل ج ۱ ص ۱۰۷)

یعنی مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے والا مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنے سے ضرور اپنی نماز میں تشویش پائے گا سو جو کاروائی نمازی کیلئے باعث تشویش ہو اس سے منع کیا جائے گا۔



المالک میں ہے اس کے بعد غل کی طویل عبارت نقل کی ہے جو اس حدیث سے متعلق ہے آخر میں ایک جواب میں مجاہدین اسلام کو بیان کر کے لکھتے ہیں (مفسر)

فیستحب لهم ان یکبوا و اجہوا یرفعون  
اصواتهم لیرہبوا العدو فان لم یجمل  
علی ذلك فیکون منسوخا بالاجماع  
لانہ لایعلم احد من العلماء یقول بدانتہی

(پس ان کے لئے مستحب ہے کہ وہ جبر کرتے ہوئے بلند  
آواز سے تکبیر کہیں تاکہ وہ دشمنوں کو خوف زدہ کر دیں  
اگر اس توجہ پر اس حدیث کو عمل نہ کیا جائے تو یہ  
اجماعاً منسوخ ہوگی کیونکہ علماء میں سے کوئی اس  
کا قائل نہیں ان کی بات ختم ہوئی)

اور بھی غل میں دوسرے مقام میں ہے کہ  
والیعدو واجبیعا من الجہر بالذکر  
والدعاء عند الفراغ من الصلوة ان  
کان فی جماعۃ فان ذلك من البدع اتی

اور علامہ شیخ الاسلام بدیل الدین العینی الحنفی بنایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں -

(اور سنا سب کسب کو نماز سے فارغ ہونے کے  
بعد جماعتی رنگ میں بلند آواز سے ذکر اور دعا  
کرنے سے منع کیا جائے کیونکہ یہ بدعت ہے)

قال ابو بکر الرازی قال مشائخنا التکبیر  
جہراً فی غیر ایتام التشریق لا اضحی لا  
یسق الا بازاء العدو واللصوص و  
قیل وکذا فی المحرق والمخاوف کلها  
انتہی وفی نصاب الاحساب اذا کتبوا  
علی اشل الصلوة جہراً یکوہ وانہ بدعة  
یعنی سوی ایتام الفخر والتشریق انتہی

(بنایہ ج ص)

دکامام ابوبکر الرازی نے فرمایا کہ ہمارے مشائخ  
فرماتے ہیں کہ ایتام تشریق کے علاوہ بلند آواز سے  
تکبیر کہنا سنوں نہیں مگر دشمن یا چوروں کے مقابلہ  
میں اور کہا گیا ہے کہ اسی طرح آگ لگنے اور بقیہ  
خطرات میں بھی ان کی بات ختم ہوئی اور نصاب  
الاحساب میں ہے جب لوگ نمازوں کے بعد  
آواز سے تکبیر کہیں تو یہ مکروہ اور بدعت ہے مگر  
قرانی اور تشریق کے دونوں میں)

اور عبارات خفید اس قسم کی بہت ہیں جن سے کراہت ذکر جہری بجز چند واضح مستثناۃ کے  
ثابت ہوئی ہے تفصیل اس کی میرے رسالہ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر میں موجود ہے الحاصل ذکر  
جہری بعد نماز کے سوائے ایتام تشریق وغیرہ کے اگر احیاناً ہو تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ جہر مفرد

نہ ہوا اور ایسی اگر مقصود جہر سے تعلیم ہو اور بدو ان اغراض کے اس کا التزام و اہتمام کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے خلاف طریقہ نبویہ و طریقہ سلف صالح ہے واللہ اعلم حررہ الراجی غفور بہ  
 انقوسی ابوالحسنات محمد علی بن محمد بن عبد اللہ بن ذریعہ الجلی والتحقی۔ (مجموعہ فتاویٰ ج ۷ ص ۴۷ و ۴۸)  
 ص ۴۷ طبع یوسفی برقی پریس فرنگی محل المصنوع

اور دوسرے مقام پر ذکر بالجہر کے بارے میں طویل باحوال بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وفي النهاية شرح الهداية المستحب عندنا في الاذكار الخفية الا ما تعلق باعلائه مقصود كالاذان والتلبية انتهى وصرح كثير من الخفية منهم صاحب الهداية ان الجهر بالذكر بدعة والاصل فيه الاخفاء والحاصل ان الجهر وان كان جائزا لكن المفراط منه منهي عنه والمرتفع من الجهر الغير المفراط اي كيف والجهر المفراط يستلزم مفساد منها اي قاطب النيام ومنها شغل قلوب المصلين وهو يفضي الى سهوهم ومنها ترك الخشوع عما ينبغي الى غير ذلك من المفساد التي لا تحصى وان شئت زيادة التفصيل في هذا فارجع الى رسالتی سباحة الفکوفی الجهر بالذكر (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی ج ۷ ص ۳۷)

نہایت شرح ہدایہ میں ہے کہ ہمارے نزدیک اذکار کو آہستہ پڑھنا ہے مگر جس چیز کے اظہار سے کوئی مقصود والبتہ ہوشیاری اذان اور تلبیہ ان کی بات ختم ہوئی اور فقہار اخلاف کی اکثریت نے جن میں صاحب ہدایہ بھی ہیں یہ تصریح کی ہے کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اور اصل ذکر میں اخفاء ہے اور حاصل یہ ہے کہ جہر اگرچہ جائز ہے لیکن جہر مفراط ممنوع ہے اور آہستہ ذکر جہر غیر مفراط سے بھی افضل ہے اور کیوں افضل نہ ہو جبکہ جہر مفراط کی بنیادوں کو مستلزم ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ سونے والوں کو جگانا ہے اور ایک یہ کہ نمازیوں کے دلوں کو توجہ الی اللہ سے مشغول رکھنا اور یہ ان کو بھلانے تک نوبت پہنچا دے گا اور ایک یہ کہ اس طرح ترک خشوع لازم آتا ہے اور اس قسم کے کئی مفساد ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا اگر اس مسئلہ کی تو تفصیل چاہتا ہے تو ہمارے رسالہ سباحۃ الفکوفی الجہر بالذكر کی طرف مراجعت کر۔

مولانا لکھنوی نے المدخل کا جو حوالہ دیا ہے اس کی کچھ مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ امام ابو عبد اللہ محمد

بن محمد بن محمد العبدی الفاسی المالکی المتوفی ۸۵۸ھ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

فان قيل قد وردت احاديث تدل  
على جواز الذكر والقراءة جهرًا وجماعة  
فالجواب ان الاحاديث الواردة في  
ذلك محتملة للوجهين وجاء فعل  
السلف باحدهما فلا شك انه المرجوع  
اليه في الدخول في مثل ومثله طبع مصر

اگر یہ کہا جائے کہ بلند آواز سے اور جماعت میں ذکر اور  
قرأت کے بارے میں جواز کی حدیثیں وارد ہوئی ہیں وان کا  
کیا جواب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو حدیثیں اس سلسلہ  
میں آئی ہیں وہ دو وجوہ کا احتمال کھتی ہیں (ایک چکر اور  
دوسری اخفاء کا) اور سلف کا تعامل ان میں سے ایک سے  
راستہ قرأت و ذکر سے آیا ہے تو کوئی شک نہیں  
کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اس کے بعد انہوں نے ذکر بالجہر کے جواز اور اثبات پر دو حدیثوں کا حوالہ دیا ہے ایک حضرت عبداللہ  
بن الزبیرؓ کی اور دوسری حضرت ابن عباسؓ کی پھر ان کے دو جواب دیئے ہیں جس کی بحث آپس ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔  
اہم شاہجی نماز کے بعد دعا اور ذکر کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ثم نقول ان العلماء يقولون في مثل  
الدعاء والذكر والاداء على اثر الصلوة  
انه مستحب لاسنته ولا واجب وهو  
دليل على امرين احدهما ان هذه  
الادعية لم تكن منه عليها السلام على  
الدوام والثاني انه لم يصح بها دائماً  
ولا يظهرها للناس في غير مواطن  
التعليم اذ لو كانت على الدوام  
وعلى الاظهار لكانت سنة ولم  
يسم للعلماء ان يقولوا فيها بغير  
السنة اذ خاصيتها حسبما ذكره  
الدوام والاظهار في مجامع الناس اه

پھر ہم کہتے ہیں کہ بلاشبہ علمائے کہا ہے کہ دعاء  
اور ذکر جو نماز کے بعد وارد ہوا ہے وہ مستحب  
ہے سنت اور واجب نہیں ہے اور یہ دو  
چیزوں کی دلیل ہے اول یہ کہ یہ دعائیں آنحضرت  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں دواماً  
نہیں ہوتی تھیں اور دوسری یہ کہ آپ ہمیشہ  
ان کو بلند آواز سے نہیں ادا فرماتے تھے اور  
نہ تعلیم کی جگہوں کے بغیر ان کو لوگوں کے سامنے  
ظاہر فرماتے تھے کیونکہ اگر یہ دعائیں ہمیشہ ہوتیں  
اور جب کے ساتھ ہوتیں تو یہ سنت ہوتی پھر علماء  
کے لئے یہ گنجائش کہاں سے ہوئی کہ وہ اس کو  
سنت قرار نہ دیں؟ سنون چیز کی خاصیت



علامہ کرام کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ وہ دوائے  
ہوا اور لوگوں کے معمول میں اس کو ظاہر کیا جائے۔

علامہ شاطبی نے علمی اور فقہی طور پر جو نکتہ اٹھایا ہے وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں  
ہے اور یہی علامہ شاطبی چند جائز اور مستحب امور پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فہذہ امور جائزۃ او مندوب  
الیہا و لکنہم کرہوا فعلہا خوفاً  
پس یہ امور جائز یا مستحب ہیں لیکن حضرات  
علامہ کرام نے ان کے کرنے کو مکروہ سمجھا ہے اس  
خوف کے واسطے کہ بدعت پر عمل نہ ہو جائے

(الاعتصام ج ۱ ص ۲۸۹)

ہمارے حضرات فقہار احناف کثر اللہ تعالیٰ اجاہم نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ جائز  
اور مستحب چیزوں پر اصرار کرنا بدعت ہے۔ (اس کی مزید تحقیق ”راہ سنت میں ملاحظہ فرمائیے“)

# باب ہفتم

مساجد میں رفع اصوات

مساجد کا ادب و احترام جس طرح شریعت نے ملحوظ رکھا ہے اور اس کی تاکید کی ہے کوئی بھی باشندہ مسلمان اس سے بے خبر نہیں ہو سکتا مساجد میں اذان و اقامت اور وعظ و نصیحت اور جہری نمازوں میں امام کی آواز کا بلند ہونا اور اسی طرح جو جہاز کار جہر سے ثابت ہیں، شرعاً ثابت ہے۔ اس کا انکار صرف جہی شخص کر سکتا ہے جس کو شریعت سے کوئی تعلق نہیں لیکن مستثنیٰ امور کے علاوہ مسجدوں میں آواز بلند کرنا شرعی اصول کے خلاف ہے۔ حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ مسجد (نبوی) میں کھڑا تھا کہ ایک شخص نے میری طرف سنگہ بڑا پھینکا میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمرؓ تھے انہوں نے مجھ سے فرمایا جان دو آدمیوں کو میرے پاس لے آؤ میں گیا اور ان کو لے آیا انہوں نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کس قبیلہ اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ یا یہ فرمایا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ بولے ہم طائف کے باشندہ ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم اس (مدینہ کے) شہر کے ہوتے تو میں تمہیں نہرا دیتا۔

توفعان اصواتکم فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری ج ۱ ص ۱۷۷) میں آواز بلند کرتے ہو۔

بلاشبہ مسجد نبویؐ میں آواز بلند کرنا یا اس وجہ سے منع ہے کہ روضہ اقدس کے اندر اپنی قبر مبارک میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرمائیں اور عند القبر آپ صلوٰۃ و سلام وغیرہ سنتے ہیں اس لئے بھی آپ کی مومنگی میں نص قرآنی لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ الْآیۃ

کے پیش نظر وہاں آواز بلند کرنا آپ کی افیت اور تکلیف کا موجب جس کا ممنوع ہونا ایک واضح حقیقت ہے لیکن اس روایت میں حضرت عمرؓ نے مسجد کو بھی علت کے طور پر پیش کیا ہے اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ ایک حکم کی متعدد علتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میں منبر رسول ﷺ کے پاس تھا اتنے میں ایک شخص نے کہا کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں اسلام لانے کے بعد کوئی اور کام نہ کروں بجز حاجیوں کو پانی پلانے کے یعنی پانی پلانے کا درجہ زیادہ ہے، دوسرا بولا کہ مجھے بھی پرواہ نہیں کہ میں مسجد حرام کی تعمیر و خدمت کے بغیر کوئی اور کام نہ کروں تیسرا بولا کہ ان امور سے جن کا تم نے ذکر کیا ہے جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ زیادہ ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ:-

لَا تَوَفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ عِنْدَ مَنْبَرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَدِيث

تم اپنی آواز کو اس حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بلند نہ کرو۔

(مسلم ج ۲ ص ۱۳۲)

اس حدیث کی شرح حضرت امام نوویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

فیه کراہۃ رفع الصوت فی المساجد  
یوم الجمعة وغیرہ وانہ لا یرفع الصوت  
بعلم ولا غیرہ عند اجتماع الناس  
للصلوة لما فیہ من التشویش علیہم  
وعلی المصلین والذاکرین واللہ تعالیٰ  
اعلم وشرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۲

اس روایت سے ثابت ہوا کہ جمعہ وغیرہ کے دن مسجد میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب لوگ نماز کے لئے جمع ہوں اس وقت علم وغیرہ کی آواز بھی بلند نہ کی جائے کیونکہ اس طرح سے مسجد میں جمع ہونے والوں اور نمازیوں اور ذکر کرنے والوں کو تشویش ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت امام نوویؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ سب مساجد کا یہی حکم ہے کہ ان میں آواز بلند نہ کی جائے علم کی ہوا ذکر وغیرہ کی کوئی اور آواز لیکن یہ قید بھی لگاتے ہیں کہ جب لوگ نماز کے لئے جمع ہوں (عند اجتماع الناس للصلوة) اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے اور اسی طرح جو حضرات اپنے ذکر اور ورد میں مصروف ہوتے ہیں ان کی

توجہ میں کمی واقع ہوتی ہے لہذا مسجدوں میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے اس کی بحث انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر آ رہی ہے کہ جب ذکر یا الجہ نمازوں میں خلل پیدا کرتا ہے تو تم نمازوں کے بعد درس کیوں دیتے ہو؟

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت علیؓ و المتوفیؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے اس حدیث میں تقریباً چند درہ نشانیاں بیان فرمائی ہیں کہ ان کا حضورؐ ظہور ہوگا۔ ان میں ایک نشانی یہ بھی بیان فرمائی کہ۔  
و ظہرت الاصوات فی المساجد۔  
مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی۔

(مشکوٰۃ ج ۱۰، وقال رواہ ابن حزمی والبیہقی فی المستدرک)

اس حدیث کی تشریح میں حضرت علامہ علی القاریؒ و المتوفیؒ (۱۰۱۴ھ) یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ:-  
وقد نص بعض علماء ثابان رفع الصوت  
ہمارے بعض حضرات علماء اگر ائمہ نے راحت سے  
فی المسجد ولو بالذکر حرام۔  
فرمایا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنی حرام ہے اگرچہ  
مراعات ج ۱۰، مثل طبع ملتان)  
ذکر کی آواز ہی مکہ دل نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض علماء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی تصریح ہے کہ مسجدوں میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر ہی کی آواز کیوں نہ ہو حرام ہے اور علامہ علاؤ الدین محمد بن علی انصاریؒ و المتوفیؒ (۱۰۱۹ھ) اور ابجد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

و یحرم فیہ السؤال و یکرہ الاعطاء مطلقاً  
سجدوں میں سوال حرام ہے اور دینا مطلقاً مکروہ  
وقیل ان تخطی و انشاء ضالۃ او شعراً لا  
چاہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر گزریں پچاند کر

۱۰ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جس نے کسی شخص کو سنا کہ وہ مسجد میں کسی گندہ چیز کو طلب اور اس کا اعلان کر رہا ہے تو تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ چیز واپس نہ دلائے کیونکہ مسجد تو اس لئے بنائی گئی کہ تم ان میں گندہ اشیاء کے بارے میں اعلان کرتے رہو مسلم ج ۱ ص ۱۱۲ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۱ مگر صد افسوس ہے کہ اس وقت مسجدیں ہی ایسے اعلانات کا مرکز بنی ہوئی ہیں فوا اسفا۔

لہذا حکمران طبقہ کو چاہیے کہ گندہ چیزوں کے اعلانات کیلئے ملک و موہم پیکروں کا انتظام کرے تاکہ مساجد کی بے حریتی نہیں نہ ہو اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کی نافرمانی بھی نہ ہو۔

ما فیہ ذکر و دفع صوت بذکر الا  
للمتفقہۃ اور مختار مع شرح رد المختار  
جلد ۱۱ طبع مصر

سائل کو دیا تب مکروہ ہے اور اسی طرح مکمل شدہ  
چیز کا تلاش کرنا اور شعر پڑھنا بھی مگر ایسے اشعار  
جن میں نصیحت ہو اور اسی طرح ذکر کرتے ہوئے  
آواز بلند کرنا بھی حرام ہے مگر علم اور فقہ حاصل  
کرنے والوں کے لئے۔

یہ عبارت بھی صراحت سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ مسجد میں ذکر کرتے ہوئے آواز بلند کرنا  
مکروہ ہے۔ علامہ حلبی الحنفیؒ نے غنیۃ المستمل کے آخرین احکام المساجد کی ایک فصل  
قائم کی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ یجب ان تصان عن ادخال الرائحة الکریہۃ الی قولہ  
ورفع الصوت والخصومة یعنی واجب ہے کہ مسجدوں کو اس سے بچایا جائے کہ ان  
میں بدبودار چیزیں داخل کی جائیں..... اور اسی طرح آواز بلند کرنے اور جھگڑوں سے  
بچانا بھی ضروری ہے اس کے بعد مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے باند حضرت معاذ بن جبل  
کی روایت نقل کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

جَبَبُوا مَسَاجِدَکُمْ صَبِیَانِکُمْ وَجَہَانِکُمْ  
وَشِرَائِکُمْ وَبِیْعَکُمْ وَخُصُومَکُمْ وَرَفَعِ  
اَصْوَاتَکُمْ الْحَدِیثُ لکیری ص ۵۶۶ و ۵۶۷

یہ روایت مصنف عبدالرزاق ج ۲ طبع بیروت میں موجود ہے۔  
اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجدوں میں آواز بلند کرنے  
سے منع فرمایا ہے اور اس سے ایسی آواز مرا ہے جو بلا حاجت ہو اور ضرورت سے زائد ہو یا سچی  
انشار اللہ تعالیٰ۔

فخر متاخرین علامہ سید محمد موسیٰ الحنفیؒ (متوفی ۱۲۷۰ھ) ذکر الجہر کے بارے میں تشریح  
کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

وتسرى کثیراً من اهل زمانک یعتقدون  
النصراخ فی الدعاء خصوصاً فی الجوامع  
تم اپنے زمانہ میں بہت سے لوگوں کو دیکھو گے  
جو دعائے وقت پڑھنے کو اپنا شعار بنائے

حتیٰ يعظم اللغظ ويشد وتشد  
المسامع وتشد ولا يدرون انهم  
جمعوا بين بدعتين رفع الصوت و  
كون ذلك في المسجد اه  
رواج المعاني ج ۸ ص ۱۳۹

یہ شکوہ تو علامہ آلوسیؒ اپنے دور کا کر رہے ہیں جو تقریباً سو سال آج سے پہلے کا دور ہے اور  
خیال القرون کے قریب ہے اور اغلباً کہ اس دور میں لاؤڈ سپیکر بھی نہ ہوں گے اگر ہوتے بھی تھے  
تب بھی بہت شاذ و نادر ہوں گے۔ علامہ موصوفؒ اگر آج ہمارے دور اور ہمارے علاقہ میں  
ہوتے تو غذا جانے کیا کیا شکوے کرتے؟  
حافظ ابن تیمیہ الحنبلیؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ:-

ورفع الصوت في المساجد نهى عنه و  
هو في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم  
اشد اه رمناسك الحج ص ۲۶ طبع مصر

اصل بات یہ ہے کہ مسجدوں میں ذکر بالجہر عموماً نام و نمود اور شہرت اور اپنے گرد ہی تعصب  
اور دوسرے عقائد کے لوگوں کو نیچا دکھانے اور تنگ کرنے کے لئے ہوتا ہے، گویا یوں کہہ دیجئے  
کہ اس کاروائی میں محبت علیؑ کم اور بغض معاویہؓ زیادہ ہوتا ہے اور اسی چیز کا شکوہ امام ابراہیمؒ  
بن موسیٰ الشاطبی المالکیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ) یوں کرتے ہیں:-

واما ارتفاع الاصوات في المساجد  
فناشئ عن بدعة الجدل في الدين  
والاعتصام بزم طبع مصر

امام شاطبیؒ کے اس حوالہ کے پیش نظر مسجدوں میں آواز بلند کرنا اور چلا چلا کر ذکر اور دعائیں کرنا  
لہجہ کی وجہ سے نہیں بلکہ محض جھگڑا اور جدال پیدا کرنے کے لئے یہ بدعت اختیار کی جاتی ہے۔  
اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو بدعت سے بچائے اور محفوظ

رکھے اور دوسروں کو بھی اس کی توفیق ازاں فرمائے اس کے لئے کوئی شئی مشکل نہیں ہے۔  
 جمع ہو کر مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا۔  
 امام حافظ الدین محمد بن محمد ابن زری الحنفی ر المتوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:-

وفي فتاوى القاضى رفع الصوت بالذكر  
 حرام وقد صح عن ابن مسعود واندفع  
 قومًا اجتماعي في مسجد يهللون ويصلون  
 عليه الصلوة والسلام جهراً فراح  
 اليهم فقال ما عهدنا ذلك على  
 عهدنا عليه السلام وما اراكم  
 الا مبتدعين فما نال يذكرك ذلك  
 حتى اخروهم عن المسجد اه  
 (فتاوى بزاز ج ۲ ص ۲۵۵ علی حاشی البندیہ)

قاضی صاحب کے فتاویٰ میں ہے کہ بلند آواز سے  
 ذکر کرنا حرام ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ  
 صحت کے ساتھ یہ روایت ثابت ہے کہ انہوں  
 نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر بلند آواز  
 سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور درود شریف پڑھتے ہیں  
 چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ ان کے پاس گئے اور  
 فرمایا کہ ہم نے یہ کاروائی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وسلم کے مبارک عہد میں نہیں دیکھی اور میں  
 بدعتی ہی خیال کرتا ہوں بار بار یہ فرماتے رہے  
 یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جماعتی شکل میں مسجد کے اندر بلند آواز سے ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا  
 بقول حضرت ابن مسعود بدعت ہے اور انہوں نے بدعتیوں کی اس جماعت کو مسجد سے نکال دیا  
 تھا حضرات صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تفسیر فقہ و علوم دینیہ میں جو مقام سے وہ  
 اظہر من الشمس ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو تمہارا  
 لئے ابن مسعودؓ پسند کرے میں بھی تمہارے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں اور اس پر راضی ہوں۔  
 (مسندک ج ۱ ص ۱۱۱ قال الحاکم والذہبی صحیح) اور ایک روایت میں ہے کہ جس چیز کو ابن مسعودؓ میری  
 امت کے لئے پسند کرے میں اس پر راضی ہوں (البیہ ج ۳ ص ۳۱) اور نیز ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو عبداللہؓ  
 بن مسعودؓ پسند کرے میں بھی اس چیز کو تمہارے لئے پسند نہیں کرتا۔ (الاستیعاب ج ۱ ص ۳۵۹) ملاحظہ فرمائیں  
 کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان پر کس طرح اعتماد کا اظہار فرما رہے ہیں؟  
 حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی امت کے لئے ایک زندین نصیحت مشکوٰۃ شریف میں زین کے حوالہ

سیر بول نقل کی گئی ہے۔

و عن ابن مسعود قال من كان مُسْتَنًا  
فليستن بمن قد مات فان الحى لا  
تؤمن عليه الفتنه او لك اصحاب  
محمد صلى الله عليه وسلم كانوا  
افضل هذه الامة ابرها قلوبا واعمقا  
علما و اقلها تكلفا اختارهم الله  
لصحبة نبیه و لا قامه دينه  
فاعرفوا لهم فضلهم و اتبعوهم على  
اثروهم و تمسكوا بما استطعتم من  
اخلاقهم و سيئرهم فانهم كانوا  
على الهدى المستقيم ردوا رزين  
(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۲)

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جو شخص تم میں سے  
کسی کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہے تو اسے ان  
بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا چاہیے جو فوت ہو چکے  
ہیں کیونکہ زندہ انسان پر قدم میں مبتلا ہونے  
کا کوئی اطمینان نہیں ہوتا وہ بزرگ آنحضرت  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں وہ  
اس امت کے افضل ترین لوگ تھے وہ بہت  
نیک دل اور بہت گہرے علم والے تھے اور بہت  
کم تکلف کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو  
اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت اور  
رفاقت کے لئے چنا تھا اور دین کے قائم کرنے  
کے لئے ان کو انتخاب کیا تھا سو تم ان کی فضیلت  
کو پہچانو اور ان کے نشانات کی پیروی کرو  
اور جتنی بھی تمہیں توفیق ہو ان کے اخلاق اور  
ان کی عادات سے تمسک کرو کیونکہ وہ راہ راست  
اور ہدایت پر قائم تھے۔

حضرت علامہ ابن القاری الحنفیؒ اقلہا تکلفا کے جملہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ  
کرامؓ ذکر اور درود شریف مسجدوں یا گھر و مل میں ملحق بنانا کر بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے (رقابہ ص ۱۲۷)  
اس روایت کو بریلوی جامعہ کے محقق اور مصنف عالم مولوی عبدالسمیع صاحب نے بھی نقل  
اور تسلیم کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

چنانچہ حموی میں ہے فی فتاویٰ القاضی الجہد بالذکر حرام و قد صح عن ابن مسعود  
انہ سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یہطلون ویصلون علیہ الصلوٰۃ والسلام جہرا



فراح اليهم وقال ما عهد ولا لك على عهد عليه الصلوة والسلام وما اداكم  
 الا مبتدعين فما زال يذكر ذلك حتى اخبر جهم من المسجد اور روايات سے  
 معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان لوگوں کو فقط احداث ہیئت جدیدہ کے لئے نہیں بلکہ  
 یہ سمجھ کر نکالا تھا کہ یہ ذکر جبر کرنا ہی انکا رسول اللہ علیہ السلام کے مخالف ہے اور یہی ہم کہتے ہیں کہ جو  
 احداث مخالف امشاعر کی ہو وہ منع ہے الخ (بلفظ انوار ساطعہ مشرقیہ ۳۹۹ ص ۳۸) یہ تو ایک بریلوی عالم  
 کا مسلک اور عندیہ ہے اب آپ دو دیوبندی بزرگوں کا حوالہ بھی سن لیں حضرت مولانا سید انور شاہ  
 صاحب کشمیری رالتوفی ۱۳۵۶ھ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کے حرام ہونے کی جواہر حضرت ملا علی  
 القاری تصریح فرماتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو العرف الشذی ص ۱۲) اور عہد حاضر کے جید عالم محدث اور  
 فخر الاماں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دامت برکاتہم بھی مسجد میں بلند آواز سے ذکر کی  
 سماعت کی صراحت فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو معارف السنن ج ۲ ص ۳۲) رہا مولف ذکر بالجہر کا مسئلہ  
 میں یہ حوالہ کہ امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد میں حضرت ابو داؤد سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ لوگ  
 حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے گمان کرتے ہیں کہ وہ ذکر سے روکتے تھے حالانکہ میں نے ان کے  
 ساتھ کسی مجلس میں شرکت نہیں کی مگر وہ اس مجلس میں ذکر بالجہر کرتے تھے (مصلحہ) تو ان کو سود مند  
 نہیں آؤا اس لئے کہ اس کی سنا اور پھر اس کی صحت اور اتصال درکار ہے محض حدیث صحیح کہنے سے صحیح  
 نہیں ہو جاتی یا کم از کم مستند علماء اس کو صحیح قرار دیتے مول بخلاف ان کی نہی کی روایت کے جس کو  
 وہ قدیم سے تعبیر کرتے ہیں وثانیاً تو اس روایت میں مسجد کی قید ہے اور نہ اجتماعی رنگ کا  
 ذکر ہے وثالثاً اگر ثابت بھی ہو تو یہ تعلیم پر محمول ہوگا۔ حافظ ابن حجر نے حضرت امام اعظم کے مسلک کے  
 سمجھنے میں ایک غلطی کی ہے حضرت ملا علی القاری ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۱۔

وفیه نظر من وجوه منها نسبة نفی مطلق  
 الکراهة الی الامام الاعظم وهو افتراء  
 علیہ اذ مذہب کراهة دفع الصوت  
 فی المسجد ولو بالذکر مع تجوز الدیون فی المسجد للبحث  
 فیہ حیث لم یخوش علی الصلین العلم یکن هناك  
 کہ اس میں کئی وجوہ سے کلام ہے ان میں سے ایک وجہ  
 یہ ہے کہ مطلقاً کراہت کی نفی کی نسبت حضرت امام  
 ابو یوسفؒ پر افتراء ہے کیونکہ آپ کا مذہب یہ ہے کہ  
 مسجد میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے اگرچہ ذکر ہی کی آواز  
 کیوں نہ ہو ہاں انہوں نے مسجد میں مدین اور مدی بحث

کی اجازت دی ہے جب کہ اس سے نمازیوں کو  
تشویش نہ ہو یا مسجدیں سرے سے نمازی ہی نہ ہوں۔

حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا کہ آپ جب  
یہ فرماتے ہیں کہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں تو اس سے آپ کی کیا مراد ہوتی ہے؟ فرمایا التقدیم  
یعنی حرام (ہامش ہدایہ ج ۴ ص ۱۷۲) اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمدؒ سے صراحت  
کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ وہ مکروہ کو حرام سمجھتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ  
فرماتے ہیں ہوا لی الحرام اقرب (ہدایہ ج ۴ ص ۱۸۵) کہ مکروہ حرام کے قریب تر ہے۔ حضرت  
مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ:-

پس مکروہ ہے کہ مقابل مباح است مکروہ  
تحریمی است۔  
پس جو مکروہ مباح کے مقابل ہوتا ہے وہ مکروہ  
تحریمی ہوتا ہے۔

(مکتوب ص ۲۹ دفتر اول حصہ اول ص ۱۷ طبع لاہور)

جن حضرات فقہار احنافؒ نے مسجد میں بلند آواز سے ذکر کو حرام کہا ہے (جیسا کہ مرقات  
ہی کا ایک حوالہ پہلے گزر چکا ہے) تو اس فتویٰ کی بنیاد بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اس مسلک  
پر ہے اور جن حضرات نے مثلاً علامہ خضکیؒ وغیرہ کا مکرر کراہت کا اطلاق کیا ہے تو اس سے مراد  
بھی کراہت تحریم ہے، اب حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک واضح سے واضح تر ہو گیا کہ بلند آواز  
سے ذکر کرنا جاہد بدعت ہے اور مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا الگ بدعت ہے جیسا کہ علامہ آلوسیؒ  
کے حوالہ سے یہ بات پہلے عرض ہو چکی ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنے والے دو بدعتوں  
کے ترکیب ہیں یعنی ڈبل بدعتی ہیں۔ اب سعیدی صاحب اور ان کے حواری ہی بتلا گئے کہ مسجد میں  
میں بلند آواز سے ذکر کرنے والے حنفی ہیں یا منع کرنے والے؟ اور مسجدوں میں ذکر بالجبر کرنے  
والے بدعتی ہیں یا منع کرنے والے؟ بات صاف ہو۔

ستعلم لیل اتی دین تدانیت واتی غریب فی التقاضی عزیزہا

مساجد میں قیومی باتیں اور شور وغل وغیرہ درست نہیں۔

مسجد ایک ایسا مقام ہے جہاں سے معرفت خداوندی اور سنت نبویؐ صلی اللہ علیہ وسلم

الف تحیۃ حاصل ہوتی ہے اس کا ادب و احترام ہر مسلمان کا فریضہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان فرما ہے  
 اَفْرِغْ اللّٰهُ اَنْ تَرْفَعْ اَسْ بِرْشٰہِدِ عَدْلٍ ہے اللہ تعالیٰ کے ان پاکیزہ گھروں اور دین اسلام کے ان  
 مضبوط قلعوں کی ظاہری و باطنی حفاظت اسلام کا بنیادی تقاضا ہے مگر صدافسوس ہے کہ آج کل  
 بعض مسجدیں محض ریٹ پروری کا ذریعہ اور سستی شہرت کا وسیلہ بھی جاتی ہیں حضرت ابوہریرہ سے  
 روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اِذَا قِيَمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَأْتُوْهُا تَسْعَوْنَ جِبْ نَمَازَ تَقَامُّ اَلْجِلَّةُ تَقُمُ دَوْرُ كَرَمَازِ كِ طَرَفِ نَ  
 وَاَتُوْهُا تَمْشَوْنَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ اَوْ اَبْلَكُ اَسْتَهْ جَلْ كَرَا اَوْ تَمُ پَر سَكُوْنَ اَوْرَا سَتِ  
 نَمَادِرْ كَتْمُ فَصْلُوْا مَافَا نَكْمُ فَاْتَمُوْا۔ لَازِمُ ہے سَو جِو حَصَّ تَمَامُ كُ كُ سَاقِدُ حَاصِلُ كُرُو تُو

ابوداؤد ج ۱ ص ۸۷ اس کے ساتھ پڑھو اور جو حصہ تم سے چھوٹ گیا ہوا اس کو پورا کرو۔

اور اس نہی کی ایک وجہ یہ ہے کہ دَوْرُ کَرَمَازِ میں شامل ہونے سے مسجد کی بے حسی ہوگی جو پابندیہ  
 امر ہے حضرت ابن مسعود سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ۔

لِيَلْبِيَنَّ مِنْكُمْ اُولُو الْاِحْلَامِ وَالنَّهْيُ ثُمَّ الذِّينَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الذِّينَ يَلُوْنَهُمْ وَاَيَاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْاَسْوَاقِ رَسْمُ ج ۱ ص ۱۸۱ تَرْفَعُ  
 مَنَاسِبُ ہے كُ تَمُ مِیْنُ سَے تَجْرِبُ كَارُ اَوْرُ عَقْلُ دَلُے مِیْرُے قَرِیْبُ ہُوْلُ پُھَرَانُ كُے تِجھُے وَہ ہُوْلُ جُو تَبْرِیْمِ  
 اُنْ كُے قَرِیْبُ ہُوْلُ پُھَرَانُ كُے تِجھُے وَہ ہُوْلُ جَوَانُ كُے قَرِیْبُ ہُوْلُ اَوْرُ تَمُ بَاَزَارُوْلُ كِ طَرَحُ (مَسْجِدُوْلُ مِیْنُ)  
 شُورُ وَخُشْبُ سَے پَر ہِیْزُ كُرُو۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد میں اور خصوصیت کے ساتھ جماعت کے وقت بازاروں  
 کی طرح شور وغل کرنا مذموم فعل ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے ،  
 اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ بازاروں میں آوازیں بلند کرنا اور شور وغل برپا کرنا کوئی نیکی اور کار  
 ثوب ہے عام بازار میں قسم کے لوگ شاید اس کو جائز یا مہتر تصور کرتے ہوں مگر اسلام نے اس  
 پر بھی پابندی عائد کی ہے اسلام کسی کے سکون میں خلل اندازی کو ہرگز برداشت نہیں کرتا بخدا کی  
 شریف میں تورات کے مجموعہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو خوبیاں اور کمالات بیان کئے

گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

ولا یتعذب فی الاسواق و بخاری ج ۱  
۲۸۵ و ج ۲ ص ۷۷۷  
کہ آپ بازاروں میں شور و غل بپا نہیں کریں گے۔

حضرت امام بخاریؒ نے پہلی جلد میں اس حدیث پر باب یہ قائم کیا ہے باب کدھیتہ القصب فی السوق۔ یعنی وہ باب جس میں یہ بیان ہو گا کہ یا نہ اس میں آواز بلند نہ کرنا مکروہ ہے۔ کتاب یسعیاہ باب ۴۱ آیت ۲ میں ہے وہ نہ چنڈے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی۔ اور ظاہر امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امت کے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ بنا کر بھیجا ہے سو آپ کا یہ نمونہ امت پر بھی لازم ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ان اللہ یتبغض کل جعظری جواظ  
صخاب فی الاسواق جیفۃ باللیل  
حمار بالنہار عالم بامرالد نیلجاہل  
بامر۔ (الآخوۃ موارد النفلان ص ۷۷)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایسے شخص سے بغض کرتا ہے جو منکبر اور مال جمع کرنے والا اور خرچ نہ کرنے والا ہو اور بازاروں میں شور مچاتا ہو، رات کو مردار کی طرح پڑا رہے (زمانہ تہجد سے غافل ہو) اور دن کو دکام کے لئے، گدھا بنا رہے، دنیا کے کاموں کو تو خوب جانتا ہو اور آخرت کے معاملہ سے غافل ہو

یعنی ذمیوی امور کا تو وہ ماہر ہو مگر دین اور آخرت کے مسائل سے وہ بالکل ناواقف ہو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ آج کل مساجد کا شرعی ادب و احترام بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اب تو وہ دور آ گیا ہے اور وہ زمانہ آ گیا ہے جس کے بارے میں جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذیل کی حدیثوں میں فرمائی گئی پیشگوئیاں حرف بحرف پوری نظر آتی ہیں:-

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ  
سیکون فی آخر الزمان قوم یکون حدیثہم  
آخر زمان میں ایسے لوگ اُٹھیں گے جن کی تائیں مسجدوں

فی مساجدہم لیس للہ فیہم حاجۃ میں ہوں گی ان کی اللہ تعالیٰ کو کوئی حاجت  
(موارد النظار ص ۹) نہیں (یعنی وہ ان سے راضی نہیں)

یہ باتیں دین کی توہین نہیں سکتیں کیونکہ شرعی قواعد کے مطابق ان باتوں کی نشر و اشاعت کھارک  
ہی مساجد میں اور مساجد ہی سے صدیوں یہ کارنجیر وابستہ چلا آرہا ہے۔ یہ باتیں دنیوی ہو سکتی  
ہیں اور جکل مساجد میں ان کی کوئی کمی نظر نہیں آتی چنانچہ امام نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی  
الخصفۃ والمتوفی ۳۹۳ھ یوں روایت کرتے ہیں۔

ان التبی صلی اللہ علیہ وسلم قال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سری  
یا قی علی امتی زمان یکون حدیثہم امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کی دنیوی  
فی مساجدہم لامردنیاءہم لیس باتیں ہی مسجدوں میں ہوں گی اللہ تعالیٰ کو ان  
للہ فیہم حاجۃ فلا تجالسوہم کی کوئی ضرورت نہیں سونم ان کے پاس نہ بیٹھو۔  
(تنبیہ الغافلین ص ۱۱ طبع مصر)

حضرت انس کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ  
یا قی عن الناس زمان یتخلقون فی لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں لوگ  
مساجدہم ولیس یتخلقون فی مسجدوں میں خلقے باندھیں گے اور ان کا مقصد  
لیس للہ فیہم حاجۃ فلا تجالسوہم صرف دنیا ہوگی اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی حاجت  
رستہ رک ۴۷ ص ۳۲۳ قال الحاکم والذہبی صحیحہ وقال العراقی صحیحہ الاسناد  
تخویم الاحیاء ج ۱ ص ۱۳ للعراقی

مساجد میں صرف دنیا کمانے کی خاطر تعلیم و تدریس اور ختم شریف اور گیارہویں وغیرہ کے  
نام پر تحصیل زر سب اس کا مصداق ہیں اور حضرت عبداللہ عمرؓ فرماتے ہیں کہ  
یا قی علی الناس زمان یجتمعون فی مساجدہم لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ اپنی مسجدوں  
و یصلون ولیس فیہم مؤمن میں جمع ہوں گے اور نمازیں بھی پڑھیں گے مگر  
رستہ رک ۴۷ ص ۳۲۳ قال الحاکم والذہبی صحیحہ ان میں ایک بھی مؤمن نہ ہوگا۔

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے ختم نبوت کے منکر، منکرین حدیث اور  
غالی مشرک وغیرہ سب اس حدیث کی زد میں ہیں، اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ رکھے۔  
حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ

وقد صرح ابن الہمام بان المباح من الكلام في المسجد مكروه یا كل الحسنات فكيف في الطواف وهو في حكم الصلوة الخ را المسلك المتقسط ملا طبع مصر

امام ابن الہمامؒ نے تصریح کی ہے کہ مباح کلام بھی مسجد میں مکروہ ہے اور یہ کلام نیکیوں کو کھا جاتا ہے پس بوقت طواف یہ کلام کیونکر درست ہوگا طواف نماز کے حکم میں ہے۔

یعنی جس طرح نماز عبادت اور بندگی ہے اسی طرح طواف کعبہ بھی عبادت ہے مگر اس میں بضرورت کلام کی اجازت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ طواف نماز ہی کی مثل ہے مگر اس میں تم کلام کر سکتے ہو را و کما قال المسلك المتقسط ملا طبع مصر

علامہ حسین بن محمد سعید عبدالغنی الملکی الحنفیؒ اس قول کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ

قیدہ فی الظہیریۃ بان یجلس لاجلہ فانہ ینشد لایباح بالاتفاق لان المسجد ما بنی لامور الدنیا و فی صلوة الجلابی الکلام المباح من حدیث الدنیا یموز فی المسجد و ان کان الاولی ان یشغل بذکر اللہ تعالیٰ کذا فی التمر تاشی ہندیۃ۔

ظہیرہ میں اس کو اس بات سے مقید کیا ہے کہ دنیوی کلام ہی کی خاطر مسجد میں بیٹھے تب بالاتفاق مباح نہیں ہے کیونکہ مسجد دنیوی امور کے لئے نہیں بنائی جاتی اور جلابی میں نماز کی بحث میں ہے کہ دنیوی مباح قسم کی بات مسجد میں جائز ہے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو اسی طرح تماشی میں ہے۔

راشاد السادیؒ الی مناسک ملا علی القاریؒ  
ملا طبع مصر

(عالمگیری)

اس سے معلوم ہوا کہ دنیوی امور کی باتیں گنہگار کے لئے قصداً مسجد میں بیٹھنا بالاتفاق مباح نہیں ہے، بل اگر مسجد میں نماز تعلیم و تعلم اور وعظ و نصیحت سننے کے لئے گیا ہو اور بالتبع ضمناً دنیوی باتیں بھی ہو جائیں تو تماشی و امام شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمر تاشی الحنفیؒ

التوفی ۳۴) مؤلف تنویر الابصار وغیرہ کے حوالے کے پیش نظر گنجائش ہے لیکن اس کے ساتھ یہ تفصیل بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ یہ مباح کلام بوقت حاجت اور بقدر ضرورت ہو اگر حاجت کے بغیر محض دل لگی کے لئے ہو یا قصد ارادۃ ضرورت سے زیادہ ہو تو پھر بھی اس کی اجازت نہ ہوگی حضرت علامہ علی القاریؒ طواف کے وقت مکروہات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

الکلام الفضول اما ما يحتاج اليه بقدر الحاجة فمباح كما سبق  
الفضل کلام بھی مکروہ ہے ہاں جس کلام کی حاجت ہو تو بقدر حاجت وہ مباح ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور ارشاد الساری میں ہے کہ

قيد الشيخ عبد الله العفيف في منسكه اباحة الكلام باحتياجه اليه وبه يزول التناقض  
شیخ عبد اللہ العفیفؒ نے اپنی منسک میں یہ قید لگائی ہے کہ کلام مباح کی اس وقت گنجائش ہے جب اس کی حاجت پڑے اور اس سے تعارض دور ہو جائے گا۔

فتاویٰ ہندیہ کی جس عبارت کا اوپر حوالہ آیا ہے وہ پوری اس طرح ہے کہ :-

الجلوس في المسجد للحديث لا يباح بالاتفاق لان المسجد ما بني لأمور الدنيا وفي خرافة الفقهاء ما يدل على ان الكلام المباح من حديث النبي في المسجد حرام قال ولا يتكلم بكلام الدنيا وصلوة الجلابي الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وان كان الاولى ان يشتغل بذكر الله تعالى كذا في التمر تاشي  
مسجد میں باتوں کے لئے بیٹھنا بالاتفاق مباح نہیں ہے کیونکہ مسجد نبویؐ اور کے لئے تو نہیں بنائی جاتی اور خرافۃ الفقہاء میں ایسا مضمون ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ نبویؐ مباح قسم کی باتیں مسجد میں حرام ہیں انہوں نے کہا ہے کہ نبویؐ باتیں نہ کرے اور جلابی کے باب الصلوٰۃ میں ہے کہ نبویؐ مباح باتیں مسجد میں جائز ہیں اگرچہ بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے اسی طرح تمر تاشی میں ہے۔

(مالگیری ج ۲ ص ۳۵۶ طبع مصر)

لیکن تجویزین حضرات کے نزدیک سابق تفصیل کو ملاحظہ رکھنا چاہیئے کہ کلام مباح بوقت حاجت ہو اور بقدر ضرورت ہو۔ علماء اسلام میں جو زیادہ آزاد خیال گذرے ہیں وہ علامہ ابن حزم الظاہریؒ (المتوفی ۵۴۵ھ) ہیں مگر وہ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ۔  
 والتحدث فی المسجد بمالا اثم فیہ مسجد میں دنیوی معاملات کی ایسی باتیں کرنا  
 من امور الدنیا مباح و ذکر اللہ تعالیٰ جن میں گناہ نہیں مباح ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر  
 افضل د محل ابن حزم ج ۴ ص ۲۲ طبع منیہ مصر افضل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس بات میں گناہ ہو مثلاً یہ کہ کسی کی غیبت ہو کسی سے تسخر ہو یا کسی کی دل آزاری کی بات ہو وغیرہ وغیرہ تو وہ جس طرح مسجد کے باہر جائز نہیں مسجد کے اندر بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ مسجد میں ان خلاف شرح امور کا گناہ اور وبال اور زیادہ ہوگا ہاں جائز قسم کی باتیں بقدر ضرورت و حاجت مباح ہیں مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ان سے بہت افضل و بہتر ہے۔  
 مسجد میں تعلیم کے لئے آواز بلند کرنا جائز ہے۔

مرقات کے سابق حوالے سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے مسجد میں تعلیم و تدریس اور علمی بحث اور گفتگو کی اجازت دی ہے لیکن اس شرط سے کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو لہذا سعیدی صاحب کا یہ طنز مشورہ کہ پھر تو تقویٰ کریں اور درس بھی بلند آواز سے ختم کر دینا چاہیئے لیکن درس اور تقریریں اس لئے ختم نہیں کرو گے کہ تمہاری روزی کا معاملہ ہے (محصلہ ص ۱۸) ایک مغلطہ مشورہ ہے جس کا جواب یہ ہے۔

الجواب۔ اہل السنۃ والجماعت مسجدوں میں اس لئے بلند آواز سے تقریریں اور درس نہیں دیتے کہ یہ ان کی روزی کا مسئلہ ہے روزی کے ذرائع اللہ تعالیٰ نے بے شمار رکھے ہیں اور وہ اسی میں بند نہیں یہ حضرات تقریر اور درس اس لئے بلند آواز سے دیتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ کے موقع پر وعظ و نصیحت کرتے ہوئے آواز بلند کی (کما ترقی) اور اس لئے یہ آواز بلند کرتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے مسجدوں میں اس کی اجازت دی ہے اور حنفی المسالک کو اپنے امام کی پیروی کرنی چاہیئے اور



بحمد اللہ تعالیٰ ہم دیگر عقائد اور مسائل کی طرح اس میں بھی حضرت امام اعظمؒ کی پیروی کرتے ہیں آپ لوگ جس کی چاہیں پیروی کریں کیونکہ حج

نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ جو شخص میری اس مسجد میں آئے اور اس کے آنے کی غرض صرف یہ ہو کہ وہ خیر دینی یعنی علم و عمل (سیکھنا چاہتا ہے یا سکھانا چاہتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے مجاہد فی سبیل اللہ الحریث ابن ماجہ ص ۲۰۰ والبیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۰)

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں :-

یتعلمہ او یعلمہ او للترویج وفیہ  
دلالتہ ظاہرۃ علی جواز التدریس  
فی المسجد خلا فاما تقدم عن  
الامام مالک وعلہ منہ دفع  
الصوت المشوش فهو بمنزلت  
المجاهد فی سبیل اللہ من حیث  
ان کلا منہما فرض کفایۃ ۱  
(مرقات ج ۲ ص ۲۳۱)

سیکھے یا سکھائے اس میں حرف او  
(تشکیک کے لئے نہیں بلکہ تنویع کے لئے  
ہے اور اس میں کملی دلالت ہے کہ مسجد میں  
تدریس جائز ہے بخلاف اس کے جو پہلے حضرت  
امام مالکؒ کے حوالہ سے بیان ہوا کہ مسجد  
میں علم کی آواز بھی نہیں بلند کی جاسکتی،  
اور شاید کہ انہوں نے ایسی آواز سے منع کیا ہو  
جو موجب تشوش ہوتی ہو تو ایسا شخص مجاہد  
فی سبیل اللہ ہے کیونکہ علم حاصل کرنا اور  
جہاد کرنا، دونوں فرض کفایہ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح عام حالات میں رزق دشمن کے حملہ کی صورت میں کیونکہ اس  
موقع پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے جہاد فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح ضروریات دین سے زائد کا علم  
کیونکہ اس حد تک علم حاصل کرنا فرض عین ہے علم حاصل کرنا بھی فرض کفایہ ہے تو ایسے دونوں  
شخص فی سبیل اللہ کا مہدق ہیں دیگر علماء نے بھی لکھا ہے اور حضرت امام نوویؒ بھی لکھتے ہیں  
کہ حضرت امام مالکؒ اور ان کے علاوہ حضرات علماء کرامؒ کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ مسجد میں علم

وغیرہ کے لئے آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمد بن مسلمہؒ الماکلیؒ  
 نے علم اور آپس کے بحث و مباحثہ کے سلسلہ میں آواز بلند کرنے کی اجازت دی ہے کیونکہ لوگ  
 مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور اس کا دوائی سے ان کو کوئی چارہ نہیں (محصلہ شرح مسلم ج ۲ صفحہ ۲۱۵)  
 اور خود حضرت تلامذہ القاضی نے بھی حضرت امام مالکؒ کا یہ مسلک چند جگہوں میں نقل کیا ہے  
 مثلاً مرقات (ج ۲ ص ۲۲۳) میں حضرت امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں اس کو کہتا  
 ہوں لیکن یہ کہ حضرت امام مالکؒ کا رفع الصوت بالعلم سے منع کرنا مطلق نہ ہو بلکہ ایسی آواز کے ساتھ  
 مقید ہو جس سے تشویش پیدا ہوتی ہو اور بظاہر یہی بات حق اور صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ وعظ  
 ونصیحت کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آواز بلند کرنا اور صبح کی زمانہ کے بعد  
 آپؐ کا حضرات صحابہ کرامؓ سے عموماً یہ دریافت فرماتا کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟  
 اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو آپؐ کی تعبیر بیان فرما دیتے تھے ایسے ہی موقع پر آپؐ نے اپنا ایک  
 طویل خواب بیان فرمایا جو بخاری (ج ۱ صفحہ ۱۸۵) و ج ۲ ص ۱۰۲ میں مذکور ہے ظاہر بات ہے  
 کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے مجمع میں یہ کاروائی بغیر رفع الصوت کے نہیں ہو سکتی تھی اور  
 آپؐ جو فرماتے تھے وہ دین ہی ہوتا تھا کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ ایسی واضح باتیں بھی حضرت  
 امام مالکؒ پر مخفی رہیں؟۔



# باب ہشتم

## ذکر بالجہر کے جواز کے دلائل

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان دلائل کا بھی اختصاراً تذکرہ کر دیں جن سے ذکر بالجہر کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام کو زیر بحث مسئلہ کے دونوں پہلو یا بالفاظ دیگر تصویق کے دونوں سُرخ آسانی سے نظر آجائیں اور دلائل کا توازن اور تقابل کرنے کی اہلیت رکھنے والے حضرات بسہولت صحیح اور راجح بات کو سمجھ سکیں کیونکہ ع و بضد ہا تنبتین الاشیاء اہل علم کے ہاں مشہور بات ہے۔

## قرآن کریم سے استدلال

مختصرین ذکر بالجہر نے قرآن کریم سے بھی اس پر استدلال کی سعی کی ہے اب پڑھنے والے ملاحظہ کر لیں کہ وہ حضرات اپنے اس مقصد میں کہاں تک کامیاب ہیں۔ پہلی آیت کریمہ :-

مؤلف ذکر بالجہر نے اس ذیل کی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے ادا لکھا ہے کہ :- اور جن جہر میں ہمارا کلام ہے وہ قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیت میں صراحتاً منصوص ہے اذکر وہا

اللہ کَذِبُکُمْ أَبَاءُکُمْ اَوْ اَشْدَّ ذِکْرًا (قرآن کریم) اللہ کا ذکر کرو جیسے تم اپنے  
 آباء کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ۔ "مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں  
 کفار کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حج سے فارغ ہونے کے بعد بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے  
 اور اپنے باپ دادا کے کارناموں کو فخر کے ساتھ بیان کرتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بجائے آباء  
 کے ذکر کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو اور اہل فہم پر مخفی نہیں ہے کہ لوگوں کے سنانے کے لئے جو  
 ذکر ہو گا وہ بالجہر ہی ہو گا، پس اس آیت کریمہ سے صراحتہ ذکر بالجہر کا جواز ثابت ہوا چنانچہ  
 شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:-

دیگر آنکہ جہر مشروع است بے شبہ جان لو ذکر بالجہر بلاشبہ جائز ہے اور اس  
 الی ان قال ازاولہ ان است قول حق کے دلائل میں سے اللہ سبحانہ کافران ہے  
 سبحانہ وتعالیٰ کَذِبُکُمْ أَبَاءُکُمْ۔ کَذِبُکُمْ أَبَاءُکُمْ  
 (اشعۃ للغات ج ۲ ص ۲۶۵ ذکر بالجہر ص ۱۷۱)

الجواب:- مؤلف مذکور کا یہ بیان صحیح نہیں ہے اولاً اس لئے کہ مؤلف مذکور نے حضرت  
 مفسرین کرام کے حوالہ سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہ بیت اللہ کے سامنے ذکر بقا  
 تھا جس سے بظاہر یہی قیاساً اور ہوتا ہے کہ سب یا اکثر مفسرین کرام اس ذکر کا محل وقوع بیت اللہ  
 کے سامنے بتاتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے اکثر مفسرین کرام اس کا محل وقوع منیٰ کا مقام  
 بتاتے ہیں چنانچہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جب اہل جاہلیت افعال حج سے فارغ ہو جاتے تو  
 وقفوا عند الجمرۃ و ذکرُوا آبَاءَہُمْ (تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۲۹۶ طبع مصر) یعنی جمرہ  
 کے پاس کھڑے ہو کر اپنے آباء کا ذکر کرتے تھے تفسیر ریضا وی ص ۲۸ (تقطیع کلاں) اور تفسیر العاسمی  
 ج ۱ ص ۱۸۱ طبع مصر) میں منیٰ کا لفظ موجود ہے تفسیر جلالین میں جمرۃ العقبتہ کے الفاظ موجود  
 ہیں (ملاحظہ ہو ص ۲ طبع اصح المطابع دہلی) حافظ ابن کثیر لفظ موسم نقل کرتے ہیں تفسیر ابن کثیر  
 ج ۱ ص ۲۳ طبع مصر) اور لفظ طرام ہے کہ جس کی تعیین نہیں اور ایک تفسیر میں لفظ موقف آیا ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۲۳)  
 اگرچہ مناسک حج میں موقف کا لفظ منوالہ عرفات اور حیرہ پر بولا جاتا ہے مگر حضرت مجاہد وغیرہ کی مراد تفسیر کے  
 موافق یہاں موقف سے مراد ہے انہی تفسیروں کے یہ کہ حضرت تھانوی نے منیٰ میں حج ہو کر اللہ سے اس کی تعبیر

کی ہے (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۸) اور حضرت شیخ البند محمد والحسن (المتوفی ۳۳۹ھ) تحریر فرماتے ہیں زیادہ قیام منیٰ میں اللہ کا ذکر کروا لے (حاشیہ ص ۳۹) البتہ امام ابو بکر بن عیاشؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

اذا فرغوا من الحج قاموا عند البيت اھ (تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۲۹۶) کہ جب وہ حج سے فارغ ہو جاتے تو بیت اللہ کے پاس کھڑے ہوتے اور غالباً اسی تفسیر کو مولوی نعیم الدین صاحب براد آبادی نے پیش نظر رکھ کر یہ لکھا ہے حج کے بعد کعبہ کے قریب اپنے باپ دادا کے فضائل بیان کرتے تھے (حاشیہ ص ۳۹) اور یہی تفسیر بن ظاہر مؤلف مذکور کے سامنے ہے لیکن یہ تفسیر سب یا اکثر مفسرین کرام کی بیان کردہ نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور کی عبارت سے یہ ثابت ہو رہا ہے اور مقام منیٰ کعبہ شریف سے تقریباً پچاس میل دور ہے بالکل قریب نہیں واثناً اس آیت کریمہ سے ذکر بالجہر مقصود نہیں بلکہ مقصود صرف کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے ضمناً اور بالیقین اس سے ذکر بالجہر ثابت ہوتا ہو تو اس کو صراحتہ ذکر بالجہر نہیں کہتے اور نہ اس میں ذکر بالجہر صراحتہ منصوص ہے جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر کو یہ غلط اور دھوکہ لگا ہے یا وہ سینہ زوری سے کام لے رہے ہیں چنانچہ حافظ عطاء الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر الشافعی (رحمۃ اللہ علیہ) اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

والمقصود منه الحث علی كثرة الذكر  
 والله عز وجل اھ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۸) اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے کثرت ذکر پر آمادہ کرنا ہے۔

یعنی اس آیت کریمہ میں مقصود کثرت ذکر ہے جہر یا ذکر نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور کا بے جا دؤی ہے۔ اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ :-

وقوله تعالى فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ  
 آبَاءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا لَيْسَ فِيهِ  
 التشبيه في الجهر بل في كثرة الذكر اھ  
 اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسا کہ تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ ذکر تو اس میں تشبیہ جہر میں نہیں بلکہ کثرت سے ذکر کرنے میں ہے۔

اس عبارت سے صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس آیت میں مطلوب اور مقصود

ذکر بالجہر نہیں اور نہ مل کر جماعتی شکل میں ذکر کرنا مقصود ہے جیسا کہ مولوی نعیم الدین صاحب کو  
 دعوہ کو ہوا ہے (ملاحظہ ہو محاشیہ مشک) بلکہ اس سے مراد صرف کثرت ذکر ہے یعنی جس طرح  
 تم اس موقع پر کثرت کے ساتھ اپنے آباء و اجداد کے مفاخر بیان کیا کرتے ہو اسی طرح اس مقام  
 پر تم اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو اور اس کی حمد و ثناء میں اپنا وقت گزارو۔ وثالثاً حضرت شیخ  
 عبدالحق محدث دہلوی کا یہ فرمانا کہ یہ آیت کریمہ ذکر بالجہر کے اور میں سے ہے قابل غور ہے کیونکہ اس  
 آیت کریمہ میں جہر کا تو کوئی تذکرہ ہی نہیں بلکہ اس آیت کریمہ سے مقصود انکار ذکر ہے اور تشبیہ  
 صرف کثرت ذکر میں ہے نہ کہ جہر میں دیکھنا علاوہ برس اگر یہ تسلیم بھی کر لیا کہ اس آیت کریمہ سے  
 جہر ضمناً اور تبعاً ثابت ہوتا ہے تب بھی حضرت شیخ کی مراد یہ ہوگی کہ جہاں حضرات احناف  
 کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کے نزدیک جہز ثابت ہے وہاں جہر ہو گا دوسرے مواقع میں ذکر بالجہر مکروہ  
 ہو گا چونکہ حضرت شیخ صاحب حنفی مسلک سے وابستہ تھے اس لئے حضرات احناف کے اس  
 واضح مسلک کو وہ کیوں کر چھوڑ سکتے ہیں؟ یقین نہ آئے تو ہم حضرت شیخ صاحب ہی سے یہ منوا  
 دیتے ہیں چنانچہ وہ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت جس کی ضروری بحث آگے آرہی ہے  
 انشاء اللہ العزیز کا ایک جواب یوں نقل کرتے ہیں کہ

وقیل کان ذلک فی ایام التشریق  
 بسنی و هذا اوفق لمذہب الحنفیۃ  
 فی کواہتمم الجہر بالذکر فی اعداما  
 ورد و لہذا لا یوجبون قضاء تکبیرات  
 العید و التشریق ذکوة الشیم فی اللغات  
 انتہی درماتش مشکوٰۃ بارہ طبع اصح المطابع دہلی

کہا گیا ہے کہ عینی کے اندر ایام تشریق میں تھا اور  
 یہی توجہ احناف کے مذہب کے زیادہ موافق  
 ہے کیونکہ وہ جہاں جہر کا حکم دار نہیں وہاں ذکر  
 بالجہر کو مکروہ کہتے ہیں اور یہی درجہ ہے کہ وہ عید اور  
 تشریق کی تکبیروں کی قضاء واجب نہیں سمجھتے شیخ  
 عبدالحق محدث دہلوی نے لغات میں اس کا ذکر کیا ہے۔

یہی اے عبارت میں حضرت شیخ صاحب اس کی تصریح فرما رہے ہیں کہ حضرات فقہاء احناف  
 کے نزدیک ذکر بالجہر مکروہ ہے مگر صرف اس مقام میں جہاں شروع میں ذکر بالجہر وارد ہوا ہے اور  
 اس کو اگرچہ وہ لفظ قیل سے ذکر کرتے ہیں لیکن تصریح فرماتے ہیں کہ احناف کے مذہب سے یہ زیادہ  
 موافقت رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مثلاً اگر کسی سے نماز عید کی پہلی رکعت امام کے ساتھ

چھوٹ جائے تو امام کی فراغت کے بعد اس پر تکبیرات کی قضا واجب نہیں کیونکہ ان کا محل فوت ہو چکا ہے اور دوسرے مقام میں جہراً تکبیر مشروع نہیں اور اسی طرح اگر کوئی شخص یا تم تشریق میں کسی وجہ سے تکبیر نہیں پڑھ سکا یا فرض کر لیجے کہ ان دنوں اس کی نماز ہی قضا ہوگئی ہو تو اب اس پر تشریق کی تکبیرات کی قضا واجب نہیں کیونکہ ان کا محل اور موقع ہاتھ سے نکل گیا ہے اور غیر محل میں جہراً تکبیر کا حکم وارد نہیں ہوا۔

حضرت شیخ صاحب کی اور جن جن عبارات میں ذکر بالجہر کی مشروعیت کا تذکرہ آتا ہے مثلاً اشعة اللمعات ج ۲ صفحہ ۱۷۱ و ج ۱ صفحہ ۵۳ وغیرہ جن کا حوالہ ذکر بالجہر ص ۷۹ و ۷۸ وغیرہ میں دیا گیا ہے، اس سے بھی ان کی اس واضح عبارت کے پیش نظر اس مقام پر ذکر بالجہر مراد ہوگی جہاں شریعت سے ثبوت ہے ورنہ بقول ان کے حضرات حنفیہ کا مذہب ہی یہ ہے کہ ذکر بالجہر مکروہ ہے۔

اور حضرت شیخ صاحب یرفع صوته بالتلاۃ کی حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ فی الحدیث دلیل علی مشروعیت الجہر بالذکر وہو ثابت فی الشرع بلا شبہ لکن الحنفی منہ افضل فی غیر ما ثبت فی المأثور۔

اس حدیث میں ذکر بالجہر کی مشروعیت کی دلیل ہے اور بلاشبہ شریعت میں ذکر بالجہر ثابت نہیں ہے لیکن جہاں نقل کے ساتھ جہر ثابت نہیں وہاں آیت ذکر افضل ہے۔

(اللمعات، الماش مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۲)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ جہاں شرعاً ذکر بالجہر بقول نہیں دیا حضرت شیخ ذکر بالسریٰ کو افضل قرار دیتے ہیں مطلقاً ذکر بالجہر کے وہ ہرگز قائل نہیں ہیں جیسا کہ مولف ذکر بالجہر وغیرہ کا بے بنیاد دعوٰی ہے اور نیز یہ مدعی سست اور گواہ چست کا مصداق ہے۔

دوسری آیت کریمہ۔

مؤلف مذکور لکھتے ہیں نیز قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قَبْلَ مَا عَصَوْا وَ عَلَىٰ مُجْزِبٍ مِّنْكُمْ  
پس جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے۔



پھر اس کے بعد اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رد و مشورہ ۲۱۴ تفسیرات احمدیہ ۲۰۵  
اور احیاء العلوم ج ۱ ص ۳۱۷ کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر نقل کی ہے ہم مؤلف  
مذکور کے ترجمہ پر یہی اکتفا کرتے ہیں تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے رات اور  
دن میں دریا اور خشکی میں سفر اور حضر میں فراغت اور تنگدستی میں بیماری اور صحت میں ترلور  
جہر سے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو بلقظہ (ص ۱۶۱)

الجواب :- اس سے ذکر بالجہر استدلال تام نہیں اولاً اس لئے کہ تفسیرات احمدیہ  
میں اس آیت کریمہ کے چار معانی بیان کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے مؤلف مذکور کا ان  
دیگر معانی کا ذکر نہ کرنا جس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ اس کا صرف یہی معنی ہے ایک علمی مغالطہ  
ہے وثانیاً اس لئے کہ اس آیت کریمہ میں جہر کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے اور ماہ الذی  
ہی یہ لفظ ہے بخلاف اس آیت کریمہ کے جس سے حضرت امام ابو حنیفہؒ وغیرہ نے عدم جہر پر  
استدلال کیا ہے کیونکہ اس میں خفیۃ کا لفظ جو اہستہ پر دلالت کرتا ہے صراحت سے موجود  
ہے۔ لہذا صریح کے مقابلہ میں محتمل سے استدلال کا کوئی مقام نہیں ہے وثالثاً پہلے باطل  
یہ بحث گذر چکی ہے کہ اپنی شرائط کے ساتھ ذکر بالجہر کی بھی گنجائش ہے لیکن ہر مقام  
پر نہیں بلکہ اسی مقام میں جہاں شرعاً جہر کی اجازت ملتی ہے اگر ہر مقام پر ذکر بالجہر کی  
اجازت اور گنجائش ہوتی تو حضرات فقہاء اخاف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا محتاط طبقہ  
کبھی کسی جگہ پر ذکر بالجہر اور دعا بالجہر کو مکروہ بدعت اور خلاف سنت نہ کہتا لیکن معاملہ  
اس کے بالکل برعکس ہے حوالے پہلے گذر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں وراثتاً حضرت  
ابن عباسؓ کی عبارت میں سراً اور جہراً کے جو الفاظ موجود ہیں وہ بجایں اپنے وقت اور  
اپنے موقع پر جہراً بھی ذکر جائز ہے اس کا کون منکر ہے؟ جس طرح ان کی عبارت میں دن  
اور رات دریا اور خشکی سفر اور حضر فقر و تنگدستی بیماری اور صحت کے الفاظ الگ الگ  
حالت پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح سراً اور جہر کی حالتیں بھی الگ اور جدا ہیں جہاں  
سراً ذکر مطلوب ہے وہاں سراً ہوگا اور ذکر میں اصل ہی یہی ہے کہ سراً اور جہاں جہراً ذکر مطلوب  
ہے وہاں جہراً ذکر ہوگا، اس عبارت میں لفظ جہر کو ہر مقام اور ہر جگہ اور ہر موقع پر حمل

کر کے خوش ہو جانا حضرات فقہار احناف کی تصریحات سے بے خبری پر مبنی ہے۔ اس آیت کریمہ سے استدلال کے سلسلہ میں ذکر بالجہر ملا کے حاشیہ میں حضرت تھانویؒ کا حوالہ بھی دیا گیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہمدرد ذکر بالجہر پر یوں استدلال کرتے ہیں وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَسَّ جِدَّ اللَّهِ أَنْ يَكُونَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَوَائِبِهَا۔ اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو مساجد میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر سے منع کرتا ہے اور مساجد کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے ظاہر ہے کہ منع بدوں اطلاع ذکر ممکن نہیں الاطلاع بدون جہر غیر متصور ہے رعناوی امدادیہ جلد چہارم ص ۱۱۱ مجتہبائی پریس)

الجواب :- حضرت مولانا تھانویؒ نے ذکر بالجہر کی اجازت دی ہے مگر مطلقاً نہیں بلکہ یہ جہر شرط ہے خود ان کی عبارتیں اس پر صراحت دلالت کرتی ہیں غور سے ملاحظہ کریں۔  
(۱) وَأَذْكُرُ بِكَ فِي نَفْسِكَ الْآيَةِ كِتَابِ تَفْسِيرِ الْفَرْغِ فِي تَفْسِيرِ الْفَرْغِ

(ف) حاصل ادب کا یہ ہے کہ دل اور ہیئت میں تذلل اور خوف ہو اور آواز کے اعتبار سے جہر مفرط نہ ہو یا تو بالکل آہستہ ہو یعنی مع حرکت لسانی کے اور یا جہر معتدل ہو اور جہر فی نفسہ ممنوع نہیں ہے جن حیثیوں میں اس کی مانعت آئی ہے مراد اس سے مفرط ہے البتہ اگر کسی عارضہ کی وجہ سے مثل دفع خطرات یا دفع قساوت و تحصیل رقت وغیرہ ان شرائط کے ساتھ ہو کہ کسی شیخ محقق نے تجویز کیا ہو کسی ناظم یا مصلیٰ کو تشویش نہ ہو ورنہ بستی سے باہر چلا جاوے اس جہر کو قربت نہ جانتا ہو بلکہ علاج سمجھتا ہو تو اجازت ہے کیونکہ جو فاسد علل نہیں کے تھے وہ اس میں نہیں ہیں واللہ اعلم اور مع حرکت لسانی کی قید اس لئے لگائی کہ اس میں دونوں عضو مشغول عبادت رہتے ہیں دل بھی ناور زبان بھی اور اس مسئلہ میں یہی کلام طویل الذیل ہے احقر نے اپنی تحقیق لکھ دی ہے اتنی ریان القرآن ج ۲ ص ۶۷) اور حضرت تھانویؒ کی یہ عبارت بھی پہلے گزر چکی ہے۔ مگر اس کے جواز کی یہ شرط ہے کہ کسی مصلیٰ یا ناظم کو تشویش و اندازہ نہ ہو کما صرح بہ الفقہاء (امداد الفتاویٰ حصہ ۱ ص ۱۲۳) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت تھانویؒ جہر مفرط کے قائل نہیں ہیں اور خود اس عبارت میں

تشریح فرماتے ہیں کہ جہر مفروضہ ہے جس سے کسی سونے والے یا نمازی کو تکلیف اور تشویش ہو اور ایسے جہر کو نہ تو وہ عبادت و قربت سمجھتے ہیں اور نہ بستیوں اور آبادیوں میں ایسے ذکر کی اجازت دیتے ہیں وہ تو صرف ایسے جہر کی اجازت دیتے ہیں جو مقتدل ہو مثلاً یہ کہ بالکل قریب بیٹھنے والے ہی سُن سکیں۔ اب سعیدی صاحب ہی بتائیں کہ آج کل بریلوی حضرات لاوڈ اسپیکر پر جو چلا چلا کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے اور ذکر کرتے ہیں، کیا اس سے سونے والوں اور نمازیوں کو تشویش ہوتی ہے یا نہیں؟ اور آیا یہ ان کی اصطلاح میں جہر مفروضہ ہے یا نہیں؟ اور آیا وہ اس کو عبادت و قربت سمجھ کر کرتے ہیں یا یوں ہی شغل میلہ سمجھتے ہیں؟ (۲) ذکر دونوں طرح مفید ہے لیکن جہر اچھا معلوم ہوتا ہے آپ بھی جہر کریں مگر اس قدر جہر نہ ہو کہ لوگوں کو تکلیف پہنچے (فتاویٰ امدادیہ جلد چہارم صفحہ ۱۱۱) یہ حوالہ ذکر بالجہر ص ۱۹ کے حاشیہ میں بھی موجود ہے اور نزاع بھی اسی جہر میں ہے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے کہ نہ تو وہ نماز و طہری سے پڑھ سکیں اور نہ تلاوت و مطالعہ کر سکیں اور نہ چین کیساتھ سو سکیں اور نہ بیمار ہی آرام و سکون سے رہ سکیں۔

(۳) مؤلف ذکر بالجہر ص ۱۱۱ میں طحاوی اور فتاویٰ امدادیہ کے حوالہ سے امام شعرانیؒ سے نقل کرتے ہیں:-

فتاویٰ میں کہا ہے کہ مسجدوں میں ذکر بالجہر سے نہیں منع کیا جائے گا اس سے بچتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی زد میں آجائے اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منع کیا اسی طرح بزائریہ میں ہے اور امام شعرانیؒ نے اپنے رسالہ ذکر الذکر للمذکور والشافر للمشکور میں لکھا ہے کہ حضرات سلف و خلف کے علماء مساجد وغیرہ میں جماعتی شکل میں اللہ تعالیٰ کے

قال فی الفتاوی لا یمنع من الجہر بالذکر فی المساجد احتراز عن الدخول تحت قولہ تعالیٰ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ یَذْکُرَ فِیْہَا اسْمَہٗ کَذَا فی البزازیة ونص الشعرانی فی ذکر الذکر للمذکور والشافر للمشکور ما لفظہ۔ واجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر اللہ تعالیٰ جماعۃ فی المساجد

و غیرہا من غیر نصیر الا ان  
تشتوش جہرہم بالذکر علی نائیم  
او مصل او قارئ قرآن کما فی کتب  
الفقہ و فی الحلبی الا فضل الجہر  
بالقرآن ان لم یکن عند قوم مشغولین  
مالہم یخالطہ ریاء۔

خطاوی ص ۱۹ فتاویٰ المدیہ جلد چہارم ص ۴  
مطبوعہ مجتہبائی

ذکر کے مستحب ہونے پر متفق ہیں کسی نے کوئی  
انکار نہیں کیا مگر یہ کہ ان کے ذکر بالجہر سے کسی  
سونے والے یا کسی نمازی یا کسی تلاوت کرنے  
والے کو تشویش ہوتی ہو جیسا کہ کتب فقہ میں  
ہے اور حلبی میں ہے کہ افضل یہ ہے کہ بلند آواز  
کے ساتھ قرأت کی جائے اگر وہاں کوئی ایسی  
قوم نہ ہو جو مشغول و مصروف ہو اور ذکر بالجہر  
سے ان کے کام میں خلل نہ پڑتا ہو، ہاں جب ریاء  
کا خطرہ ہو تو پھر جہر نہ کرے۔

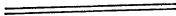
فتاویٰ المدیہ وغیرہ کے اس حوالہ سے ثابت ہو کہ جس جہر سے سونے والے یا نمازی یا تلاوت  
کرنے والے کو تشویش ہو اس کی گنجائش نہیں اور اسی طرح قرآن کریم کی قرأت اس وقت افضل  
ہے جب کہ کسی کے شغل میں خلل نہ پڑتا ہو اور زیادہ سے خالی ہو۔

نوٹ ضروری :- ذکر بالجہر ص ۱۷ کے حاشیہ پر اعداد انقاوی ج ۴ ص ۲۶۷ کی جو دو عبارتیں مشرعیّت  
ذکر بالجہر نقل کی گئی ہیں ان عبارتوں میں بھی یہ قیود اور شرائط ملحوظ رکھنے ہونگے جنکی تشریح خود حضرت  
مفتاویٰ نے ان عبارت میں کر دی ہے کہ جہر سے سونے والوں اور نمازیوں کو تشویش نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔  
تیسری آیت کریمہ۔

مؤلف ذکر بالجہر ص ۱۷ میں لکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَأَذْکُرْ ذِی  
الْذِکْرِ کَحَدِّ۔ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کر نیکا حکم دیا ہے اور ذکر ستر بالجہر کے ساتھ متفق کرنا  
اس کے عموم اور اطلاق کو ظاہر کرتا ہے اور اصول حنفیہ میں مقرر ہے کہ نصوص مطلقہ کو انکے اطلاق اور عموم پر  
محمول کیا جاتا ہے۔ احوال الجواب :- یہ آیت کریمہ عینی سے غیر متعلق ہے کیونکہ تبصر ترح مؤلف مذکور  
اس میں ستر اور جہر کی قید موجود نہیں اور جھگڑا اسی میں ہے نفس ذکر اور کثرت ذکر کا کوئی منکر نہیں اور ہم نے  
پہلے جو آیتیں بالتفسیر نقل کی ہیں ان میں خفیہ فی نفسک اور دون الجہر کی قید موجود ہے اور حضرت محمد الفطیل

کے حوالہ سے یہ بات آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ کہ حضرات احناف کے نزدیک روایات میں مطلق کو مقید پر حمل کرنا لازم ہے۔ الغرض ذکر بالجہر کے اثبات پر قرآن کریم کی کوئی بھی ایسی آیت کمریہ پیش کی جاسکی۔ جس میں صراحت کے ساتھ جہر کا لفظ موجود ہو جب کہ نزاع بھی صرف اسی میں ہے محض ادھر ادھر سے غیر متعلق حوالے نقل کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔



# باب نہم

مؤلف مذکور نے عنوان قائم کیا ہے۔ ذکر بالجہر ہر احادیث سے دلائل پھر اس پر انہوں نے چند احادیث سے استدلال کیا ہے۔

پہلی حدیث۔ (ترجمہ مؤلف مذکور کا ہے) ہم ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں، بخاری اور مسلم نے یہ حدیث ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے اختتام کو اللہ اکبر کہنے سے بیچا نہ کرتا تھا۔ (متفق علیہ شکوۃ مش) اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد انہوں نے پھر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور امام نوویؒ کی عبارتیں بھی اپنی تائید میں پیش کی ہیں مگر افسوس کہ اوصوری۔

الجواب:- یہ روایت بخاری ج ۱ ص ۱۱۱ اور مسلم ج ۱ ص ۲۱۱ و ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۳ میں مروی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم معتبر اور مستند شرح حدیث کی وہ عبارتیں جو انہوں نے اس کی شرح میں تحریر فرمائی ہیں نقل کر دیں اور وہ خود ہی بفضلہ تعالیٰ اس کا مفصل جواب ہیں۔

(۱) امام اہل سنت حضرت محمد بن ادیس الشافعیؒ والمتوفی ۲۰۴ھ حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایتوں کا حوالہ دینے کے بعد ان کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

واختار للامام والمأموم ان یذکواللہ بعد الانصراف من الصلوۃ ویخضیان الذکر الا ان یکون اما ما یحب ان یتعلم منه فیجہر حتی یری انه قد تعلم منه میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ امام اور مقتدی نماز سے فارغ ہونے کے بعد دونوں اسبستہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں مگر جب کہ امام اس بات کو پسند کرتا ہو کہ اس سے دعا کی گئی جائے تو اس وقت وہ

ثم يسرفان الله عز وجل يقول ولا  
تَجْهَرُ بِصَوْتِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا  
يَعْنِي وَاللَّهِ تَعَالَى اَعْلَمُ الدَّعَاءَ وَلَا  
تَجْهَرُ لَا تَرْفَعُ وَلَا تُخَافِتُ حَتَّى لَا تَسْمَعَ  
نَفْسُكَ وَاحْسِبْ مَا رَوَى ابْنُ الزَّبَيْرِ  
مَنْ تَهْلِيلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَمَا رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ مِنْ تَكْبِيرِهِ كَمَا  
رَوَيْنَاهُ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَاحْسِبْهُ اِنَّمَا  
جَهْرٌ قَلِيلٌ لِيَتَعَلَّمَ النَّاسُ مِنْهُ اِنْ  
رَأَى كِتَابَ الْاِمَامِ طَبَعَ بِطَبْعِ بُولَاقِ مِصْرَ

جہر کرے یہاں تک کہ جب اس سے دعا سیکھ  
لی جائے تو پھر وہ آہستہ دعا کرے اس لئے کہ  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو اپنی دعا میں نہ جہر کر اور نہ  
آہستہ یعنی اللہ تعالیٰ تو اپنی مراد کو خوب جانتا ہے  
لیکن ہمارا دانست میں اس سے دعا مراد ہے طلب  
یہ ہے کہ تم جہر سے دعا کرو اور نہ اس قدر آہستہ دعا  
کرو کہ تم اپنے نفس کو بھی نہ سنا سکو باقی حضرت عبداللہ  
بن الزبیر سے جو یہ روایت مروی ہے کہ آنحضرت  
صلی اللہ تعالیٰ وسلم لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے  
اور حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت کہ آپ تکبیر  
پڑھا کرتے تھے تو ہمارے خیال میں اس سے مراد  
یہ ہے کہ آپ نے قصوراً عرضہ جہر کیا تاکہ لوگ آپ  
سے سیکھ لیں (پھر جہر ترک کر دیا تھا)

حضرت امام شافعیؒ کی یہ عبارت بالکل صاف اور واضح ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت  
منسوخ ہے اور اب جہر کا حکم باقی نہیں رہا۔

(۲) امام ابوبکر محمد بن حسین البیہقی الشافعی المتوفی ۴۵۸ھ نے امام شافعیؒ کا یہ جواب  
ان کے حوالہ سے سنن اکبری ج ۲ ص ۸۴ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں نقل کیا ہے۔

(۳) امام النووی الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ  
هذا دليل لما قاله بعض السلف انه  
يستحب رفع الصوت بالتكبير والذكر  
عقب المكتوبة ومن استعبد من  
المتأخرين ابن حزم الظاهري ونقل  
ابن بطلال وآخرون ان اصحاب المذاهب

یہ دلیل ہے بعض سلفؒ کے قول کی جو یہ کہتے ہیں  
کہ فرض نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا  
اور ذکر کرنا مستحب ہے اور متأخرین میں سے جس  
نے اس کو مستحب قرار دیا ان میں ابن حزم ظاہریؒ  
بھی ہیں اور محدث ابن بطلالؒ اور دوسرے

المتبوعة وغيرهم متفقون على عدم  
استحباب رفع الصوت بالذكر  
والتكبير وحمل الشافعي رحمه الله  
تعالى هذا الحديث على انه جهر وقتا  
يسيرا حتى يعلمهم صفة الذكر لانه  
جهر دائما قال فاختر الامام والمأموم  
يذكر الله تعالى بعد الفراغ من الصلوة  
ويخفيان ذلك الا ان يكون اماما  
يريد ان يتعلم منه فيجهر حتى يعلم  
انه قد تعلم منه ثم يسر وحمل الحديث  
على هذا وقوله كنت اعلم اذا انصرفوا  
ظاهرة انه لم يكن يحضر الصلوة  
في الجماعة في بعض الاوقات لصغره  
انتهى (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۱۷)

بزرگوں نے فرمایا کہ ان مذاہب وائے جن کی  
بکثرت پیروی کی گئی ہے اور ان کے علاوہ دوسرے  
سب اس پر متفق ہیں کہ ذکر اور تکبیر میں آواز بلند  
کرنا مستحب نہیں ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ  
نے فرمایا کہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے  
معتوا اعرصہ جبر کیا تھا تاکہ لوگوں کو آپ ذکر کا طریقہ  
بتاویں یہ مطلب نہیں کہ آپ نے ہمیشہ جبر کیا تھا  
نے فرمایا کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ امام اور مقتدی  
دونوں نماز سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ  
کا ذکر کریں لیکن اسبستہ ذکر کریں مگر یہ کہ امام اس  
کا ارادہ کرے کہ اس سے دعا کیجھی جائے تو وہ  
اس وقت تک جبر کر سکتا ہے جب تک اس سے  
دعا کیجھی جائے پھر وہ دعا اسبستہ کرے اور  
اس حدیث کو امام شافعیؒ نے اسی پر حمل کیا ہے  
رہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول کہ میں تکبیر سے  
اس کو پہچان لیتا تھا کہ وہ نماز سے فارغ ہو  
چکے ہیں تو بظاہر یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ کم سنی  
کی وجہ سے بعض اوقات وہ جماعت کی نماز میں  
حاضر نہیں ہوتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی وغیرہ تمام وہ مذاہب و مسائل جن کی بکثرت  
پیروی کی گئی ہے اس بات پر متفق ہیں کہ نماز کے بعد بلند آواز کے ساتھ ذکر اور تکبیر مستحب نہیں  
علامہ ابن حزم ظاہری وغیرہ اس کے خلاف ہیں وہ اس کے استحباب کے قائل ہیں رہ حضرت  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فعل تو حسب تصریح حضرت امام شافعیؒ تعلیم کے سلسلہ میں تھا اور وہ



بھی تھوڑے عرصہ تک رہا لہذا اس سے عوامی طور پر ذکر بالجہر یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔  
(۲) علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی (المتوفی ۸۵۲ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

وقول ابن عباس كان علي عهد النبي  
صلى الله عليه وسلم يدل على انه  
لم يكن الصحابة يفعلونه حين  
حدث ابن عباس به كانهم رأوا  
ان ذلك ليس بلازم فتركوه  
خشية ان يظن القاصرون انه  
مما لا تتم الصلوة الآبه وقد  
قال بعض المالكية يتعجب التكبير  
في العساكر والثغور اثر صلوة الصبح  
والعشاء تكبيراً عالياً ثلاث مرات  
وهو قديم من شان الناس انتهي  
(الكواكب الدلوی ج ۵ صفحہ ۱۹ طبع مصر)

حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول کہ آنحضرت صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا اس  
بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ  
نے یہ حدیث بیان کی تو اس وقت حضرات صحابہ  
کرامؓ ایسا نہیں کیا کرتے تھے گویا حضرات صحابہ  
کرامؓ نے یہ خیال کیا کہ تکبیر کہنا لازم نہیں ہے اس  
لئے انہوں نے اس دور کے مارے اس کو ترک  
کر دیا تھا تاکہ کوتاہ فہم یہ خیال نہ کر لیں کہ نماز  
بغیر اس تکبیر کے پوری نہیں ہوتی اور بعض  
مالکیوں نے کہل ہے کہ شکروں میں اور سرحدوں  
پر صبح اور عشا کی نماز کے بعد بلند آواز سے  
تین مرتبہ تکبیر کہنی چاہیے۔ اور قدیم زمانہ سے  
لوگوں کا اس پر عمل چلا آ رہا ہے۔

اس عبارت سے بھی یہ بات بالکل آشکار ہو گئی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث پر  
برائے تعلیم تھوڑا سا وقت عمل ہوتا رہا پھر اس پر ترک کر دیا گیا تھا۔  
(۳) حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی (المتوفی ۸۵۲ھ) رقمطراز ہیں کہ:-

وفيه دليل على جواز الجهر بالذكر  
عقيب الصلوة قال الطبري فيه  
الابانة عن صحة ما كان يفعل بعض  
الامراء عن التكبير عقب الصلوة

اس میں نماز کے بعد ذکر بالجہر کے جواز کی دلیل  
ہے، امام طبريؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اس چیز  
کی صحت کا اظہار ہے جس کو بعض امرا کیا کرتے  
تھے وہ یہ کہ نماز کے بعد وہ تکبیر کہتے تھے لیکن

و تعقبه ابن بطلان بانه لم يقف على ذلك  
 عن احد من السلف الا ما حكاه ابن  
 جيب في الواضحة انهم كانوا يستحبون  
 التكبير في العساكر عقب الصبح والعشاء  
 تكبيرا عاليا ثلاثا قال وهو قد يم  
 من شان الناس قال ابن بطلان وفي  
 العيبة عن مالك ان ذلك محدث  
 قال وفي السياق اشعار بان الصحابة  
 لم يكونوا يرفعون اصواتهم  
 بالذكر في الوقت الذي قال فيه  
 ابن عباس ما قال قلت في التقيد  
 بالصحابة فظروا بل لم يكن حينئذ  
 من الصحابة الا القليل وقال النووي  
 حمل الشافعي هذا الحديث على  
 انهم جهروا به وقتا يسيرا لاجل  
 تعليم صفة الذكر لا انهم داوموا  
 على الجهر به والمختاران الامام و  
 المؤمن يخفيان الذكر الا ان احتيج  
 الى التعليم انتهى .

فتح البارى ج ۲ ص ۶۹ طبع مصر

محدث ابن بطلان نے اس پر گرفت کی ہے کہ  
 سلف میں سے کسی ایک سے بھی اس پر اطلاع نہیں  
 پائی جاسکتی مگر یہ کہ ابن حبیب نے اپنی کتاب الواسع  
 میں بیان کیا ہے کہ شکر وں میں صبح اور عشاء کی  
 نماز کے بعد تین دفعہ بلند آواز سے تکبیر کو سلف  
 پسند کرتے تھے اور قدیم زمانہ سے لوگوں کا  
 معاملہ اسی پر چلا آرہا ہے ابن بطلان فرماتے  
 ہیں کہ قبیہ میں حضرت امام مالک سے نقل کیا گیا  
 ہے کہ یہ بدعت ہے اور اس حدیث کے سیاق  
 سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرات صحابہ کرام  
 اس وقت جبکہ حضرت ابن عباس نے یہ حدیث  
 بیان کی بلند آواز سے ذکر نہیں کرتے تھے مگر کہتا  
 ہوں کہ حضرات صحابہ کرام سے اس کو مفید کرنے  
 میں کلام ہے کیونکہ اس وقت حضرات صحابہ  
 کرام بہت کم تھے تو مطلب یہ ہوا کہ اس وقت  
 حضرات صحابہ کرام اور حضرات تابعین بلند آواز  
 سے تکبیر نہیں کہتے تھے امام نووی فرماتے ہیں  
 کہ حضرت امام شافعی نے اس کو اس پر حمل کیا ہے  
 کہ ذکر کا طریقہ بتانے کے لئے مقصود اس امر ہے  
 انہوں نے جہر کیا تھا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے  
 اس پر مداومت کی تھی اور امام اور مقتدی  
 دونوں کے لئے پسندیدہ امر ہے کہ وہ دونوں  
 آہستہ ذکر کریں مگر جب کہ تعلیم کی حاجت پڑے۔

فائدہ : جن حوالوں سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام کے ساتھ مل کر بلند آواز سے تسبیح و تہلیل پڑھا کرتے تھے ان سے یہی تعلیمی دور مراد ہے نہ کہ دوام مثلاً حضرت شیخ محمد تقا نوئی استاد حدیث حضرت مولانا شبیر احمد خان گنگوہی لکھتے ہیں کہ :-  
 ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجہر مع الصحابة بالاذکار والتہلیل والتسبیح بعد الصلوة۔  
 آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام کے ساتھ مل کر نماز کے بعد اذکار تہلیل اور تسبیح پڑھتے تھے۔

ردائل الاذکار مشکطہ طبع دہلی

۱۴۵۵ھ، علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی الحنفی راتنوفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ :-

استدل بہ بعض السلف علی استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر عقیب المکتوبة ومعن استحبابه من التأخرین ابن حزم وقال ابن بطلال اصحاب المذاهب المتبعة وغیرہم متفقون علی عدم استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر حاشا ابن حزم وحمل الشافعی هذا الحديث علی انه جہر ليعلمهم صفة الذکر لانه کان دائماً قال واختار للامام والمأموم ان یدکرا للہ بعد الفراغ من الصلوة ونحفيان ذلك الا ان يقصد التعليم فيعلم ان لم يراهم (عمدة القاری ج ۶ ص ۲۷۷ طبع مصر)

اس حدیث سے بعض سلف نے فرضی نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر اور ذکر کرنے کے مستحب ہونے پر استدلال کیا ہے اور جن حضرات متأخرین میں سے اس کو مستحب قرار دیا ہے ان میں ابن حزم بھی ہیں محدث ابن بطلال فرماتے ہیں کہ ان مذاہب والے حضرات جن کی بکثرت پیروی کی گئی ہے اور ان کے علاوہ دوسرے سب اس پر متفق ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر اور ذکر مستحب نہیں ہے بجز ابن حزم کے اور حضرت امام شافعی نے اس حدیث کو اس پر حمل کیا ہے کہ آپ نے حضرات صحابہ کرام کو ذکر کا طریقہ بتانے کے لئے جہر کیا تھا نہ یہ کہ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام اور مقتدی دونوں اللہ تعالیٰ کا آہستہ ذکر کریں مگر یہ کہ دونوں کا مقصد تعلیم ہو تو تعلیم و تعلم

کی حد تک جبر کریں پھر دونوں آہستہ کریں۔

فائدہ :- علامہ ابو محمد علی بن احمد ابن حزم النظارہ کی (المتوفی ۴۵۶ھ) یہ مسئلہ لکھتے ہیں کہ :-

رفع الصوت بالتكبير اشر كل صلوة حسن انتهى د محل ج ۲ ص ۴۴ طبع مصر

ہر نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا اچھا ہے پھر اس کی دلیل میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ مذکور حدیث بیان کرتے ہیں لیکن آپ ملاحظہ کر چکے کہ جبہ و سب ان کے خلاف ہیں اور وہ بلند آواز سے تکبیر کو مستحب نہیں سمجھتے۔

(۵) امام ابن الحاج المالکیؒ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت اور حضرت ابن زبیرؓ کی عنقریب

بیان ہونے والی حدیث کا ذکر کرنے کے بعد ان کے جواب میں یوں رقمطراز ہیں کہ :-

پس جواب دو طریقوں سے ہے ایک تو وہ جو امام شافعیؒ نے اپنی کتاب الام میں ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ میں امام اور مقتدی کے لئے اس کو پسند کرتا ہوں کہ نماز سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کا آہستہ ذکر کریں مگر یہ کہ امام اس کو پسند کرتا ہو کہ اس سے دعو کی کھی جائے تو وہ اس لئے جبر کر سکتا ہے حتیٰ کہ وہ یہ سمجھے کہ اس سے دعو کی کھی لی گئی ہے پھر آہستہ دعو کرے (پھر آگے فرمایا) حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں جس تکبیر کا ذکر ہے وہ بھی اس پر محمول ہے کہ کچھ عرصہ جبر کیا تاکہ لوگ دعو کی کھی لیں۔

فالجواب من وجهين احدهما ما ذكره الامام الشافعي رحمه الله تعالى في الام قال واختار الامام والمأموم ان يذكروا الله بعد الانصراف من الصلوة ويخفيا الذكر الا ان يكون اماما يجب ان يتعلم منه فيجهر حتى يرمى انه قد تعلم منه ثم يسرا الى ان قال وما روى عن ابن عباس من تكبيرة كمار ويناك انما جهر قليلا ليتعلم الناس منه اهر المدخل في مثله

اس کے بعد دوسرا جواب وہ یوں نقل کرتے ہیں کہ :-

اور دوسرا جواب وہ ہے جو شیخ الامام ابو الحسن بن بطلان نے بخاری کی شرح میں حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے

والجواب الثاني ما ذكره الشيخ الامام ابو الحسن بن بطلان رحمه الله تعالى في شرح البخاري لما اذ تكلم على حديث

ابن عباسؓ فقال يحتمل ان يكون ادا  
 به المجاهد بن قبان كان كذا لك فهو  
 الى الآن وعليه العمل وهو ان المجاهد بن  
 اذ اصلوا الخمس فيستعجب لهم ان يكبروا  
 جهراً يرفعون اصواتهم ليترهبوا  
 العدو وقال فان لم يحصل على هذا فيكون  
 منسوخاً بالاجماع قال لا ندره لا يعلم  
 احد من العلماء يقول به والاجماع  
 لا يجتمع عليه انتهى وقال القاضي عياض  
 رحمه الله تعالى واما رفع الصوت  
 بذكر فان كانوا جماعة فستحسن  
 ليترهبوا العدو وبذلك وان كان وحده  
 فغير مستحسن (املا المدخل ١٩ ص ١٩)

فرمایا کہ احتمال ہے کہ اس سے مجاہدین کی تکبیر مراد  
 ہو جو اس وقت تک بدتور چلی آ رہی ہے اور  
 اسی پر عمل ہے وہ یہ کہ مجاہدین جب پانچ نمازیں  
 پڑھ چکیں تو ان کے لئے بلند آواز سے تکبیر کہنا  
 مستحب ہے تاکہ وہ اپنے دشمنوں کو مرعوب کریں  
 فرمایا کہ اگر اس پر اس حدیث کو نہ حمل نہ کیا جائے  
 تو بالاجماع یہ حدیث منسوخ ہوگی کیونکہ علماء میں  
 سے کوئی معلوم نہیں جو اس کا قائل ہو اور اجماع کے  
 مقابلہ میں کوئی دلیل نہیں پیش کی جاسکتی قاضی  
 عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حال ذکر کے لئے آواز  
 بلند کرنا اگر جماعتی شکل میں ہو تو پسندیدہ ہے تاکہ  
 وہ اس طریقہ سے دشمنوں کو مرعوب کر سکیں اور اگر  
 انفرادی صورت میں ہو تو وہ مستحسن نہیں ہے۔

اس عبارت میں اس کی تصریح سے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنے کا معاملہ پہلے تھا اور اس کے بعد  
 تمام مشہور و معروف مذاہب کے علماء کا اس کے منسوخ ہونے پر اجماع ہو گیا ہے اور اجماع ایک  
 ایسی ذرنی دلیل ہے جس کے مقابلہ میں کوئی دلیل کارگر نہیں ہے۔

(۶) علامہ ابوالعباس احمد بن محمد القسطلانی الشافعیؒ (المتوفی ۹۲۳ھ) نے بھی حضرت  
 ابن عباسؓ کی اس روایت کی شرح میں وہی عبارت نقل کی ہے جو امام نوویؒ نے حضرت امام شافعیؒ  
 کے حوالہ سے نقل کی ہے (لاحظہ ہو ارشاد الساری شرح البخاری ج ۲ ص ۱۳ طبع نو لکھنؤ)  
 (۷) اور علامہ الساعاتیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

وهو محمول على ابنه صلى الله عليه وسلم فعل ذلك لتعليم الناس الذكر  
 فحفظ وغير ذلك كان يسربه قاله  
 یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ  
 تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کاروائی صرف اس لئے کی  
 کہ لوگوں کو ذکر کے طریقہ کی تعلیم دیں اور اس کے

الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الامام احمد  
 ربو غ الامانی ج ۲ ص ۱۰ طبع مصر  
 علاوہ آپ آہستہ ذکر کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت  
 امام شافعی نے کتاب الام میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اس کے بعد وہی عبارت نقل کی ہے جو کتاب الام کے حوالہ سے نقل کی جا چکی ہے۔

(۸) مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبد الرحمن شرف الحق الشہید محمد شرف بن امیر نے بھی حضرت  
 ابن عباسؓ کی اس روایت کا وہی مطلب بیان کیا ہے راجح ہو جو ان المعبود ج ۲ ص ۲۸۳ طبع الانصار کراچی  
 فا ۱۳۵۴ :- ان عبارت میں جس ابن بطلان کا لفظ آیا ہے وہ اپنے وقت کے بہت بڑے امام  
 محدث، فقیہ اور صحیح بخاری کے شارح تھے نام ان کا امام ابو الحسن علی بن خلف المغربي المالکی  
 ہے (التوفی ۴۴۴ھ) رکذا فی الدیبا ج المذهب لابن فرحون ص ۲۰۰ وقد لا مع الطبری ۳۳۵ھ

(۹) شیخ عبد الحق المحمّد الدہلوی الحنفی والتوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں کہ

واختلاف کردہ اند شراح در بیان بتکبیر  
 بعض گفتہ اند کہ مراد بتکبیر اس جا ذکر است  
 چنانکہ در صحیحین از ابن عباسؓ است کہ رفع  
 صوت بند کر وقت انصرام مردم از نماز فرض  
 در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معبود بود  
 وگفت ابن عباسؓ شنا ختم من القضاء  
 صلوة را بدال پسترا آوردہ است بخاری  
 اس حدیث را پس معلوم شد کہ مراد بتکبیر  
 مطلق ذکر است و بعض گفتہ اند کہ مراد بتکبیر  
 است کہ در تسبیح و تحمید و تکبیر کہ بعد از نماز  
 وہ بار بار باسی و سہ بار میگویند واقع است  
 و بعض گویند کہ در زمان آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم بعد از نماز تکبیر می گفتند یک بار یا  
 سہ بار و بعض میگویند کہ اس در ایام منی بود  
 شراح حدیث نے تکبیر کے بیان میں اختلاف کیا  
 ہے بعض فرماتے ہیں کہ اس جگہ تکبیر سے مراد ذکر ہے  
 جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی  
 ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز میں  
 فرضی نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے  
 ذکر کرنا معبود تھا اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا  
 کہ میں اس تکبیر کی وجہ سے نماز کے ختم ہونے کو  
 پہچانتا تھا اس کے بعد حضرت امام بخاری نے یہ  
 حدیث بیان کی ہے سو اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر  
 سے مطلق ذکر مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ تکبیر  
 سے مراد نماز کے بعد دس دس بار یا تینتیس تینتیس  
 بار تسبیح و تحمید اور تکبیر سے اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز کے بعد ایک مرتبہ  
 یا تین مرتبہ تکبیر کہا کرتے تھے اور بعض فرماتے

کہ تکبیرات تشریف می گفتہ اند  
(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۰۰ طبع مصطفائی ج ۱ ص ۱۰۱)  
ہیں کہ یہ تکبیر ایام منیٰ میں ہوتی تھی جس کو تکبیر  
تشریف کہتے ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ لفظ تکبیر کے معنی اور مراد کی تعیین میں علماء کرام کے متعدد اذکار  
مختلف اقوال ہیں یقینی طور پر صرف مطلق ذکر ہی مراد نہیں جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر نے  
ص ۲۸ میں مطلق ذکر است تک ہی عبارت نقل کر کے دھوکہ دیا ہے بلکہ حضرت شیخ صاحب  
کی آخری توجیہ کے مطابق یہ تکبیر ایام تشریف اور ایام منیٰ سے متعلق ہے اور طاعات کا خواہ  
پہلے گزر چکا ہے کہ یہی توجیہ اور مطلب حضرات احناف کے مذہب سے زیادہ موافق ہے۔  
کیونکہ وہ ذکر بالجہر اور بلند آواز سے تکبیر کو مخصوص مواقع کے علاوہ اور مقامات میں کر دیتے ہیں۔  
(۱۰) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (المتوفی ۱۳۴۶ھ) ابوداؤد کی شرح بذل  
الجمہور میں حضرت امام نووی کی سابق عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وقیل محمول علی ما کانوا یکبرون  
فی ایام التشریق بنئی وغیرہ وھذا  
أوفق بمذھب الحنفیۃ فی کراھتھم  
الذکر بالجہر ولدن الا یوجیون قضاء  
تکبیرات العید والتشریق انتھی  
(بذل الجمہور ج ۲ ص ۱۳۴)  
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ منیٰ وغیرہ میں ایام تشریف  
کی تکبیر پر محمول ہے اور حضرات احناف کے  
مذہب سے یہی زیادہ موافق ہے کیونکہ وہ ذکر  
بالجہر کو مکروہ کہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ  
عیاد تشریف کی تکبیر کی قضا کو واجب نہیں سمجھتے۔

(۱۱) حضرت مولانا سید آورشاد صاحب کشمیری الحنفی فرماتے ہیں کہ:-

ولم یقل احد بسنیۃ الجہر بالذکر  
بعد الصلوۃ الا ابن حزم الاندلسی  
وقد ثبت الجہر فی مواضع للتعلیم ام  
(العرف الشدی ص ۱۲۵) مکتبہ رحیمیہ رائے پور  
وہو فی معارف السنن ج ۲ ص ۲۶۵)  
نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کے سنت ہونے  
کا کوئی بھی سچرا بن حزم اندلسی کے قائل نہیں ہے  
ان تعلیم کی خاطر کئی جگہوں میں ذکر بالجہر  
ثابت ہے۔

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:-

تسك بظاهرة ابن حزم وذهب  
إلى سنية الجمهور بالتكبيد بـ الصلوة  
وانكرها الجمهور (فيض الباري ج ٣ ص ١٤١)

اس حدیث کے ظاہر سے ابن حزم نے استدلال  
کیا ہے اور نمازوں کے بعد بلند آواز کے ساتھ  
تکبیر کے منون ہونے کا مذہب اختیار یہ کیا ہے  
مگر جمہور نے اس کا انکار کیا ہے۔

قاریں کرام ان صریح عبارات سے آپ اندازہ لگا چکے ہوں گے کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس ولایت  
میں جس تکبیر کا ذکر ہے اس کی مراد اور معنی کے بارے میں کسی باتیں کہی گئی ہیں جن میں ایک یا اثنی عشر  
کی تکبیر بھی ہے اور پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم کی خاطر حقوڑا سا عرصہ اس پر عمل کیا  
دوام نہیں فرمایا یہی وجہ ہے کہ امام ابن حزم ظاہری وغیرہ کے علاوہ دیگر تمام مذاہب کے حضرت فقہار  
کرام کا اس پر عمل نہیں رہا جو اس کے منسوخ ہونے کی واضح دلیل ہے بلکہ بقول امام ابن امیر الحاج لا الہ الا  
یہ اجماعاً منسوخ ہے حوالہ پہلے گزر چکا ہے اندیش حالات اس سے عمومی طور پر ذکر بالجبر کے ثبوت پر استدلال  
کرنا اور اس کو کار ثواب سمجھنا اور اپنے اس فعل کو نقد حنفی کے موافق سمجھنا نہ انغالط اور عوام الناس کو  
دھوکہ دینا ہے اللہ تعالیٰ سمیعہی صاحب اور ان کے حواریوں کو ان ٹھوس حوالوں سے ہدایت نصیب فرمائے آمین  
در بہاراں کے شودر سبز رنگ خاک شوتا گل برود رنگ رنگ

دوسری حدیث

مؤلف ذکر بالجبر نے حضرت ابن عباسؓ کی مذکور حدیث کے بعد لکھا ہے :- دوسری حدیث  
لاحظہ فرمائیے ہم ان کے ترجمہ پر یہی اکتفا کرتے ہیں۔ صفحہ ۱۱۱ صحیح مسلم میں عبد اللہ بن  
اصول کتابت کے لحاظ سے اس مقام پر لفظ ابن الف کا لا نا غلط ہے کہ لا یحییٰ۔ صفحہ ۱۱۱ زیر رضی  
اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ کا ذکر فرماتے تھے شیخ محقق شیخ عبد الحق محدث  
دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ترجمہ ان کے ترجمہ پر اکتفا کی ہے۔  
صفحہ ۱۱۱ اور حدیث ذکر بالجبر پر نص صریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر بالجبر کیا کرتے  
تھے (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۱۱ ذکر بالجبر ص ۱۱۱)

الجواب :- یہ روایت مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۱ میں مسلم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے اور مشکوٰۃ میں



بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود ہیں اور واقعی ان الفاظ کی موجودگی ذکر بالجہ پر نص  
صریح ہے لیکن مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کو یہاں بھی سوائے کئی ناکامی کے اور کچھ حاصل  
نہ ہوگا اولاً اس لئے کہ یہ روایت مسلم ج ۱ ص ۲۱۸ میں موجود ہے لیکن اس میں سرے سے  
بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ ہی موجود نہیں ہیں اور نزاع بھی صرف اس جلد میں ہے نفس  
ذکر کالوئی متکرر نہیں ہے اس روایت کو امام بیہقی نے سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۸۵ طبع دائرۃ المعارف  
حیدر آباد دکن میں مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے لیکن اس میں بھی بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود  
نہیں ہیں علامہ ابو البرکات محمد الدین عبد السلام ابن تیمیہ الحبلی (موتوفی ۷۲۸ھ) اس روایت  
کو نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں رواہ مسلم و ابو داؤد والنسائی (متفق الاصحاح النیل  
ج ۲ ص ۳۱۶ طبع مصر) لیکن اس میں بھی بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود نہیں ہیں اسی طرح یہ روایت  
مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۱ ابو داؤد ج ۱ ص ۲۱۱ اور نسائی ج ۱ ص ۱۵۱ میں موجود ہے لیکن کسی میں بصوتہ  
الاعلیٰ کے الفاظ موجود نہیں ہیں اور یہ روایت امام نووی نے کتاب الاذکار ص ۶ طبع مصر  
میں اور امام موفق الدین ابن قدامہ نے مغنی ج ۱ ص ۱۲۱ میں اور حافظ ابن القیم نے زاد المعاد ج ۱  
ص ۱۲۱ میں بھی نقل کی ہے مگر اس میں بھی بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود نہیں ہیں جب یہ الفاظ ہی ثابت  
نہیں تو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ صحیح احادیث اور حضرات مفسرین کرام اور حضرات فقہاء اہل سنت کی  
تصریحات کے مقابلہ میں اس سے استدلال کا کیا معنی؟ اور پھر اس استدلال کو مستند اور ماننا  
کون ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ مشکوٰۃ میں فنی  
طور پر ان کے متعدد اوہام ہیں مثلاً مشکوٰۃ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی ترک رفع یدین کی روایت  
کے بارے میں وہ لکھتے ہیں وقال ابو داؤد لیس ہو بصیحہ علیٰ هذا المعنی انتہی حالانکہ امام  
ابو داؤد نے یہ الفاظ حضرت ابن مسعود کی روایت کے بارے میں نہیں فرمائے بلکہ یہ الفاظ انہوں  
نے حضرت برادر بن عازب کی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو ابو داؤد ج ۱ ص ۱۱۱ قال  
ابو داؤد هذا الحديث ليس بصحيح) ابو داؤد متعدد اور متداول مصری اور غیر مصری نسخوں  
اور متعدد شروح میں ایسا ہی ہے اور مثلاً مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۵ میں ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں  
استقبله داعی امر آتہ راضا فت کے ساتھ جس کی وجہ سے میت کے گھر سے ایام شہرور میں

کھانا کھانے کی غیر ضروری بحث چل نکلی ہے تفصیل کے لئے راہ منت ملاحظہ کریں، اور یہ روایت  
 انہوں نے بوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے نقل کی ہے مگر بوداؤد ج ۲ ص ۱۸۱ میں روایت یوں ہے،  
 داعی امرأة ربیراضافت کے، الغرض مشکوٰۃ شریف میں صاحب مشکوٰۃ کے متعدد اولام میں  
 اہل علم ان کو بخوبی جانتے ہیں باقی جالوں کو سمجھنا اور ان کا سمجھنا اور پھر ضدیوں کا ماننا بہت مشکل  
 ہے وثائیا حضرت عبداللہ بن الزبیر کی اس روایت میں بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ حضرت  
 امام شافعیؒ نے اپنی سند کے ساتھ کتاب الامم ج ۱ ص ۱۸۱ طبع بولاق مصر میں نقل کئے ہیں اور انہیں  
 کے حوالہ سے امام ابن الحاج المالکیؒ والذہلیؒ ج ۱ ص ۱۸۱ طبع مصر میں اور علامہ الساعیؒ نے دبلوغ اللالی  
 ج ۲ ص ۱۸۱ طبع مصر میں نقل کئے ہیں اور اس کی سندیوں ہے اخبارنا الربیع قال اخبارنا الشافعیؒ  
 قال اخبارنا ابراہیم بن محمد قال حدثنی موسیٰ بن عقبہ عن ابی الزبیر  
 انه سمع عبد اللہ بن الزبیرؒ انہ اس کی سند میں ابراہیم بن محمد واقع ہے اور حضرت  
 امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ وہ اگر کسی بلندی سے گر جاتے تو ان کے لئے زیادہ عزیز تھا نسبت اس  
 کے کہ وہ جموٹ بولتے اور فرمایا کہ وہ حدیث میں ثقہ تھے زہد تھے التہذیب ج ۱ ص ۱۵۹ لیکن یہ  
 حضرت امام شافعیؒ کی اجتہادی غلطی ہے کہ وہ ایسے راوی کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث  
 کے سلسلہ میں ثقہ ہے کتب اسامہ الرجال میں اس پر کڑی جرح موجود ہے، چنانچہ امام الجرح والعیل  
 یحییٰ بن سعید القطانؒ فرماتے ہیں میں نے امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ کیا ابراہیم بن محمد ثقہ ہے؟ فرمایا  
 حدیث میں تو کیا ثقہ ہو تا دین میں بھی ثقہ نہیں ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ وہ قدری منکر تقدیر معتزلی  
 اور جہمی تھا عریب اس میں موجود تھا اور فرمایا کہ اس کی حدیث نہیں لکھی جاسکتی لوگوں نے اس کی  
 حدیث بالکل ترک کر دی ہے، وہ ایسی منکر روایات بیان کیا کرتا تھا جن کی کوئی اصل نہیں بشر  
 بن الفضلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے فقہار اہل مدینہ سے اس کے بارے دریافت کیا تو انہوں نے کہا  
 کہ وہ کذاب ہے امام علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ بن سعیدؒ بھی ان کو کذاب کہتے تھے اور امام  
 یحییٰ بن سعیدؒ سے یہ روایت بھی ہے کہ ہم اس کو متہم بالکذب سمجھتے ہیں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ  
 جہمی تھا امام ابن المبارکؒ اور باقی لوگوں نے اس کو بالکل ترک کر دیا تھا اور امام ابن معینؒ فرماتے  
 تھے کہ وہ ثقہ نہیں نیز فرمایا کہ وہ جو کچھ بیان کرتا ہے اس میں کذاب ہے اور نیز فرمایا کہ اس میں عین

خصالتیں تھیں وہ کذاب، قدری اور رافضی تھا۔ امام جوزجانی فرماتے تھے کہ وہ نہ توحجت ہے اور  
 نہ اس کی روایت پر قناعت اور اعتبار کیا جاسکتا ہے اس میں طرح طرح کی بدعات تھیں امام  
 نسائی نے فرمایا کہ وہ متروک الحدیث ہے، ثقہ نہیں ہے اور اس کی حدیث نہیں لکھی جاسکتی اور امام علی  
 بن المدینی نے فرمایا کہ وہ کذاب تھا امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ وہ متروک ہے اور حدیث میں مھوٹ  
 بولتا تھا، امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ وہ کثیر الحدیث تھا لیکن لوگوں نے اس کی حدیث ترک کر دی ہے  
 اور اس سے حدیث نہیں لکھی جاسکتی امام ابو احمد الحاکم فرماتے ہیں کہ وہ ساقط الحدیث تھا امام  
 ابو زرہ فرماتے ہیں کہ وہ محض مہج ہے امام عجل فرماتے ہیں کہ وہ قدری، معتزلی اور رافضی تھا  
 اور ثقہ نہیں تھا! اسمعیل بن موسیٰ العباسی فرماتے ہیں کہ اس نے مجھ سے ایک مرتبہ کہا کہ تیرا غلام  
 (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بہتر ہے معاذ اللہ تعالیٰ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ وہ  
 رافضی گالیال دینے والا اور جالبون متاع عربی میں جالبون کے معنی گاندو کے بھی آتے ہیں اور جو  
 شخص برائی میں منہمک اور منہم ہو اس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے) امام بزار فرماتے ہیں کہ وہ  
 جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا اس کے سامنے جعلی مسائل پیش کئے جاتے تو وہ فوراً ان کی اسانید  
 وضع کر لیتا تھا اور وہ قدری تھا اور وہ حضرت امام شافعیؒ کا استاد تھا مگر ان کا استاد بنو نہیں  
 سخت ناگوار ہے (تہذیب التہذیب ج ۱۵ ص ۱۶۱ ملخصاً) یہ ہے بصوتہ الاعلیٰ کی روایت  
 کا راوی لاجول ولاقوة الابائد و ثالثاً اگر بالفرض اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے  
 تو اس کا وہی جواب کافی ہے جو حضرت امام شافعیؒ نے دیا ہے کہ برائے تعلیم حضور اعرصہؑ حضرت  
 صل اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے یہ چڑھانہ یہ کہ اس پر مداومت فرمائی اور حضرت امام شافعیؒ  
 کے حوالہ سے یہی جواب تشریح حدیث اور حضرت فقہاء اسلامؒ نے نقل کیا ہے جیسا کہ آپ پہلے  
 باحوالہ تفصیل کے ساتھ ملاحظہ کر چکے ہیں اور حضرت علامہ القاریؒ بصوتہ الاعلیٰ کی شرح میں  
 لکھتے ہیں کہ تعلیم من حضر مدہ من الملائمات ج ۲ ص ۳۵۰ آپ نے یہ جہر حاضرین  
 کی جماعت کی تعلیم کے لئے کیا تھا اور پہلے باحوالہ عرض ہو چکا ہے کہ تعلیم کے لئے جہر تقدیر ضرورت  
 جائز ہے، اس سے زائد نہیں۔ و رابعاً مؤلف مذکور نے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ  
 کی پوری عبارت نقل نہیں کی ورنہ کافی حد تک مغالطہ خود بخود رفع ہو جاتا پوری عبارت یہ ہے۔

و ایں حدیث صریح است در جہر مذکور۔  
 کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باواز بلند بخواند  
 اما بعض علماء گفته اند کہ بلند خواندن آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم برائے تعلیم اصحاب بود و نووی  
 در مہذب گفتہ کہ افضل اخفاء است دریں  
 دعا و جزاں خواہ امام بود یا منفرد الا کہ حاجت  
 تعلیم بود و ہم بریں حمل کردہ شدہ است جہر  
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بآل و بعد از آنکہ محفوظ  
 گشت افضل اخفاء است و حق آنست کہ  
 اوقات مختلف است گاہے ذوق حضور  
 و اخفاء است و گاہے در جہر شوق و  
 گرمی مے افزاید و جہر مذکور شرع است  
 بلاشبہ انتہی راسعۃ اللغات ج ۱ ص ۲۱۷  
 طبع مصطفائی و طبع لاہور ج ۱ ص ۱۷۱

و در یہ حدیث ذکر بالجہر کے متعلق صریح ہے کہ  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے پڑھا کرتے  
 تھے مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم کا بلند آواز سے پڑھنا حضرت صحابہ کرام  
 کی تعلیم کی خاطر تھا اور امام نووی نے مہذب میں  
 کہا ہے کہ اس دعائیں بھی اور دوسری دعاؤں  
 میں بھی افضل یہی ہے کہ امام ہو یا منفرد آہستہ  
 پڑھے مگر یہ کہ تعلیم کی ضرورت پڑے اور آنحضرت  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس جہر کو اسی پر حمل  
 کیا گیا ہے۔ اور جب دعائیں یاد ہو جائیں تو  
 اس وقت آہستہ پڑھنا ہی افضل ہے اور حق یہ  
 ہے کہ اوقات مختلف ہیں کبھی ذوق حضور اخفاء  
 میں مہجوتا ہے اور کبھی جہر میں شوق اور گرمی  
 بڑھتی ہے اور ذکر بالجہر بلاشبہ شروع ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ صاحب کے نزدیک حالات مختلف ہیں کسی مقام پر جہر وہی  
 مقام جہاں شرعاً جہر ثلث و ثور منقول ہے جیسا کہ لغات کے حوالہ سے یہ بات پہلے گذر چکی ہے، اور کسی  
 مقام پر اخفاء زیادہ افضل اور بہتر ہے ہاں تعلیم کا مسئلہ الگ ہے اور ایک مقام میں نمازوں  
 کے بعد اذکار کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

مسلم کی روایت میں جس کی مفصل بحث پہلے  
 گذر چکی ہے، صغیر آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ  
 تعالیٰ علیہ وسلم نے بلند آواز سے یہ دعا پڑھی اور  
 بعض علماء فرماتے ہیں کہ افضل تمام انواع میں

و در حدیث مسلم آمدہ کہ ایں دعا را باعلی صوت  
 می گفت و بعضی علماء گفته اند کہ افضل در  
 جمیع انواع اخفایست و ذکر و در دعا  
 ہم امام را وہم منفرد را و جہر آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم برائے تعلیم بود و اگر در جائے دیگر امام را مصلحت در جہر و اعلان بود و بقصد تعلیم و اعلام کند درست است بلکہ ستحسن باشد اصرار مدارج النبوة ج ۲ ص ۴۲۸ طبع نوکلشور

اختار ہے عام اس سے کہ ذکر ہو یاد عام ہو یا منفرد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جہر فرمانا تعلیم کی خاطر تھا اور کسی ایسی ہی جگہ میں اگر امام کو جہر اور اعلان کی مصلحت در پیش ہو اور تعلیم اور اظہار کا مقصد ہو تو اس موقع پر بلند آواز سے پڑھنا درست ہی نہیں بلکہ ستحسن بھی ہے۔

یہ عبارت بھی تعلیم کے موقع کو واضح کر رہی ہے، مؤلف ذکر بالجہر نے حضرت شیخ صاحب کی ایک اور عبارت اذ بعوا علی انفسکم الحدیث کی شرح میں نقل کی ہے ہم ان کے ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں اس مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ حضور کا منع فرمانا شفقت کی وجہ سے تھا نہ اس وجہ سے کہ جہر جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر مقامات پر اذکار اور دعاؤں میں جہر کیا ہے جیسا کہ خندق کھودنے کے موقع پر مسجد کے لئے اینٹ اور پتھر اٹھاتے وقت اور اسلاف صحابہ و تابعین سے بھی جہر منقول ہے اور یہ تمام امور جہر کے جواز اور ذکر کے لئے اجتماع کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں (اشعة اللمعات ج ۱ ص ۱۱۱ ذکر بالجہر ص ۵۵)

اللباب ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ ایسے مقامات میں جہاں اجتماعی کاموں میں دلولا، گرمی اور جذبہ پیدا کرنے کی خاطر ذکر کے لئے آواز بلند کی جائے تو جہر درست ہے جیسے خندق کھودتے وقت یا مسجد تعمیر کرتے وقت حضرات صحابہ کرام نے کیا اور آج تک مسلمان ایسا کرتے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن ہر مقام میں ایسا نہیں ہوا اور نہ یہ درست ہے۔

تیسری حدیث۔ مؤلف مذکور نے ص ۲۸ و ۲۹ میں بخاری ج ۲ ص ۱۱۱ و مسلم ج ۲ ص ۱۲۲ اور مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۱ کی اس حدیث قدسی سے بھی ذکر بالجہر پر استدلال کیا ہے جس میں وَ اِنْ ذَكَرْتُمْ فِيْ مَلَاكٍ الْحَدِيْثِ كَالْفَاظِ آتِيْهِمْ اور پھر اس حدیث کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں ذکر بالجہر کے جواز پر دلیل ہے۔ جیسا کہ گذر چکا ہے (اشعة اللمعات ج ۲ ص ۱۸ محصلہ)

الجواب :- اس حدیث کی بقدر ضرورت بحث پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ اس میں صراحتاً جہر کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے اور اصل جھگڑا ہی اسی میں ہے اور اس کے مفہوم اور اقتضاء سے جو جہر ثابت ہو رہا ہے وہ مضر نہیں کیونکہ اس سے ایسے مقامات میں جہر ادا ہے جہاں شرعاً جہر ثابت ہے جیسا کہ خود حضرت شیخ صاحبؒ سے اس کی تشریح گزر چکی ہے اس سے ہر ہر جگہ اور ہر موقع پر جہر ثابت کرنا علمی اور تحقیقی طور پر درست نہیں ہے اور پھر قرآن کریم معتبر کتب تفسیر حدیث شریف اور حضرات فقہاء کرامؒ کی سابق تصریحات کے مقابلہ میں اس ضمنی اور بالتبع عمومی ثبوت کو کون سنتا اور مانتا ہے ؟ علاوہ ازیں مسلم ج ۲ ص ۲۷۵ کی ایک روایت میں ہے و ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ و یتدارسون بینہم الحدیث جس سے پڑھنے پڑھانے اور تعلیم کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ صرف اجتماع کی ذکر

## چوتھی حدیث

مؤلف مذکور نے ص ۲۶۹ میں بحوالہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۱ نسائی شریف کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز سے سلام پھیرنے کے بعد تین بار سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ کا ورد کرتے اور تیسری مرتبہ آواز سے اصل کو پڑھتے تھے اور اس کے بعد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا حوالہ دیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ذکر بالجہر کے جواز پر دلیل ہے اور وہ بلاشبہ ثابت ہے (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۳) اور اس کے بعد حضرت ملا علی القاری کی مرقات سے علامہ مظہر کا حوالہ دیا ہے کہ یہ حدیث بلند آواز سے ذکر کرنے کے جواز بلکہ استحباب پر دلالت کرتی ہے۔ (مرقات ج ۱ ص ۱۱۱) محصلہ

الجواب :- یہ روایت نسائی ج ۱ ص ۱۹ میں متعدد اسانید کے ساتھ سعید بن عبد الرحمن بن ابیہ عن ابیہ الخمری ہے اس روایت کے حوالہ میں بھی صاحب مشکوٰۃ کافی طور پر ایک وہم ہے وہ لکھتے ہیں وفي رواية للنسائي عن عبد الرحمن بن ابیہ عن ابیہ الخمری عن صاحب مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۱ حالانکہ نسائی میں یہ روایت عن سعید بن عبد الرحمن بن ابیہ عن ابیہ الخمری ملاحظہ ہو ص ۱۹ لکن البتہ هشام نے اس کو یوں سلا نقل کیا ہے

عن سعید بن عبد الرحمن بن ابی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث الغرض  
یہ روایت عبدالرحمن بن ابی ان کا مسند ہے جو صحابی تھے (تہذیب ۱۳۳) ذکر ابی ان کی کا کیونکہ  
اس کا اسلام ہی ثابت نہیں ہے تو یہ اس کا مسند کیونکہ ہو سکتا ہے؟ ایک روایت میں آتا ہے  
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ بلند آواز سے یہ کلمات پڑھے اور ایک روایت میں آتا  
ہے کہ تیسری مرتبہ آپ نے آواز مبارک بلند کی شبہ آپ نے بلند آواز کے ساتھ یہ کلمات پڑھے  
لیکن تعلیم کی خاطر اور پہلے یہ بات عرض ہو چکی ہے کہ تعلیم کی خاطر آواز بلند کرنا جائز ہے نہایت  
افسوس ہے کہ مولف مذکور نے علامہ مظہر کی عبارت اس مقام پر لفظ الاستحباب تک نقل  
کی ہے اور آگے ضروری قید اور شرط ترک کر دی ہے ہم پوری عبارت مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ  
سے نقل کرتے ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں :-

قال المظہر ہذا یدل علی جواز الذکر  
برفع الصوت بل علی الاستحباب  
إذا اجتنب الریاء اظہاراً للدين  
وتعلیماً للسامعین وایقظاً لہم  
من رقدۃ الغفلۃ وایصالاً لبرکۃ  
الذکر الی مقدار ما یبلغ الصوت  
الیہ من الحيوان والشجر والحجر والدار  
وطلباً لاقتداء الغیر بالخیر ولیشہد  
لہ کل رطب ویابس سمع صوتہ وبعض  
المشائخ یختار اخفاد الذکر لانه بعد  
من الریاء وهذا متعلق بالنیۃ  
ذکرہ مولانا علی القاری وقال  
الشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی  
فی الحدیث دلیل علی شرعینہ المظہر

مظہر نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث بلند آواز سے  
ذکر کرنے کے جواز بلکہ استحباب پر دلالت کرتی  
ہے بشرطیکہ ریاء سے اجتناب کیا جائے  
کیونکہ اس طرح دین کے اظہار اور سامعین  
کی تعلیم اور ان کو غفلت کی میند سے بیدار  
کرنے اور جہان تک ذکر کی آواز پہنچتی ہے  
عام اس سے حیوان اور درخت تک پہنچے  
یا پتھر اور ڈھیلے تک برکت پہنچانے کا موقع  
فراہم ہوتا ہے اور اس طرح بھلائی میں دوسروں  
کی اقتداء کی خواہش بھی ہے اور تاکہ ہرگز اور  
خشک چیز جس نے اس کی آواز سنی ہے اسکے  
لئے گواہی دے اور بعض مشائخ نے اس کو  
پسند کیا ہے کہ ذکر آہستہ کرنا چاہیے کیونکہ  
یہ ریاء سے دور تر ہے اور یہ نیت سے

بالذکر وہ ثابت فی الشرع بلا  
شبهة لکن الحقیقۃ افضل فی غیر  
ما ثبت فی المأثور انتہی ۔  
رامش مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۳

متعلق ہے اس کا ذکر مولانا علی نقاری نے  
کیا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے  
ہیں کہ اس حدیث میں ذکر بالجہر کے مشروع  
ہونے کی دلیل ہے اور بلاشبہ شریعت میں  
وہ ثابت ہے لیکن جہاں شرعاً جہر مقول نہیں  
وہاں افضل آہستہ ذکر ہی ہے ۔

اس عبارت میں دیگر ضروری باتوں کے علاوہ تعلیم السامعین کا جملہ بھی نہایت ضروری تھا  
جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہر بالذکر کی یہ کاروائی تعلیم سامعین کی خاطر تھی لیکن مؤلف نے  
نے اس کا یہاں سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا اور پھر اس میں بعض مشائخ کے حوالہ سے آہستہ ذکر  
کے افضل ہونے کی تصریح بھی ہے اور آخر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالہ سے  
اس کی بھی تصریح کر دی گئی ہے کہ جن جن مقامات میں ذکر بالجہر ضروری ہے ان کے علاوہ ذکر  
آہستہ ہی افضل و بہتر ہے۔ غرضیکہ اس روایت سے بھی مطلقاً ذکر بالجہر پر استدلال صحیح نہیں  
ہے بلکہ ان مقامات میں ذکر بالجہر درست ہے جہاں شریعت سے ثابت ہے اور جہاں جہر  
ثابت نہیں وہاں آہستہ ہی افضل ہے۔

### پانچویں حدیث

مؤلف مذکور نے اس طویل حدیث سے بھی جہر استدلال کیا ہے جس میں آتا ہے کہ اللہ  
تعالیٰ کے برگزیدہ فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو ذکر کی مجلسوں کو ڈھونڈتی پھرتی ہے پس  
انہیں جہاں مجلس ذکر ملتی ہے وہ اس مجلس کو گھیر کر بیٹھ جاتے ہیں یہاں تک کہ مجلس ذکر سے لیکر  
آسمان دنیا تک تمام فرشتوں سے بھر جاتی ہے الحدیث مسلم ج ۲ ص ۳۵۲ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۶  
علامہ خیر الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جماعت سے جو ذکر ہو وہ جہراً ہی ہوتا ہے (فتاویٰ خیریہ  
ص ۱۹۱) نیز فرشتوں کا سننا جہر پر قرینہ ہے علاوہ بریں اس میں یُسَبِّحُکَ یُکَبِّرُکَ  
جمع کے صیغے ہیں اور جب تک جہر کے ساتھ یہ کلمات ادا نہ کئے جائیں ان میں جماعتی رنگ  
پیدا نہیں ہوتا اور امام نوویؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یعنی بعض فرشتے دوسرے فرشتوں



کو مجلس میں حاضر ہونے اور ذکر سنانے پر براہِ گنجہ کرتے ہیں شرح مسلم ج ۲ ص ۳۵۲، اور علامہ الغزالی لکھتے ہیں کہ بعض فرشتے دوسرے فرشتوں کو بلاتے ہیں کہ وہ ذکرین کی زیارت کریں اور ان کا ذکر سنیں (مرقات ج ۵ ص ۵۶) (محصلاً ذکر بالجہر من کتابہ ص ۳۲)

الجواب :- اس ساری روایت میں کہیں بھی جہر کا ذکر نہیں ہے مؤلف مذکور نے متعدد حوالے دے کر جہر کے اثبات کے لئے جو بیڑھیاں تیار کی ہیں وہ ان کو سود مند نہیں ہیں اولاً تو اس لئے کہ اس حدیث میں ذکر سے علی التعمین معہود ذکر مراد لینا ہی قطعی نہیں ہے اس میں وعظ و نصیحت اور قرآن و حدیث کے درس کا ذکر بھی مراد ہو سکتی ہے اور وعظ و مقرر سے کوئی اچھا جملہ شکر بعض اوقات پورا مجمع سبحان اللہ یا اللہ اکبر وغیرہ کے الفاظ کہہ کر داد تحسین بھی دے سکتا ہے اور دیا کرتا ہے۔ وثانیاً کیا ضروری ہے کہ ذکر بالجہر ہو تب ہی فرشتے نہیں یا ایک دوسرے کو سننے پر آمادہ اور براہِ گنجہ کریں کیا آہستہ ذکر فرشتے نہیں سنتے؟ اور کیا آہستہ ذکر کو کراہا کاتبین نہیں لکھتے؟ مؤلف مذکور نے یہ کیسے اور کیوں نہ سمجھ لیا ہے کہ جہر تب ہی فرشتے سنتے ہیں؟ امام محمد بن الغزالی الشافعی فرماتے ہیں کہ

کل ذکر يشعر به قلبك تسمعها  
السلامة الحفظة (المشجولین ص ۴۹) کرنے والے فرشتے سنتے ہیں۔

اور مولانا مفتاح نووی لکھتے ہیں کہ۔ اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کے ارادہ کو بھی لکھتے ہیں (بیان القرآن ج ۱۱ ص ۱۱۷) اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی عین الیمین دَعْنِ الشَّيْءَ لِيَقْبِضَهُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ فرشتے اور وہ انسان کا ہر عمل اور اس کی ہر بات لکھنے پر مامور ہیں (حاشیہ ص ۱۵۷)، وثالثاً یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ مجلس ذکر وہ ہو جس میں تعلیم ذکر مقصود ہو (جب کہ جہر مفرط نہ ہو اور نمازیوں کو سونے والوں اور عام لوگوں کو تکلیف و تشویش نہ ہوتی ہو جیسا کہ پہلے باحوالہ یہ بحث گذر چکی ہے) اور ایسی مجلس محل نزاع سے خارج ہے اور آج بھی بعض بزرگانِ دین کا اس پر عمل ہے لیکن نہ تو ان کا جہر مفرط ہوتا ہے اور نہ لاؤڈ سپیکر پر ہوتا ہے اور نہ نمازیوں اور سونے والوں کو تکلیف ہوتی ہے ورابعاً جو شخص قصد اور ارادہ کے ساتھ مجلس ذکر میں بیٹھ کر ذکر سنتا ہو وہ ایک شخص ہو یا کئی اشخاص

ہوں شرعاً سب ذکر تصور ہوتے اور سب ثواب کے مستحق ہیں حالانکہ ایک جملہ بھی وہ زبان سے نہیں بولتے کیا ضروری ہے کہ سب بولیں تب ہی وہ ذکر ہوں چنانچہ خود مؤلف مذکور نے اسی حدیث کی شرح میں بھی نقل کیا ہے۔

اور فیہم فلان عبد خطاء انما ترجلس معہم کے تحت حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں :-

ای ما ذکر اللہ قصداً او اخلاصاً یعنی اس شخص نے اللہ کا ذکر قصداً یا  
والاستماع الذکر ذکر درقات جہ ۵ اخلاصاً نہیں کیا ورنہ ذکر کو سننا بھی ذکر  
مستأنف ۵۱ ذکر بالجہر ص ۳۲ ہوتا ہے۔

یہ ترجمہ مؤلف مذکور کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کا سننا بھی ذکر کے حکم میں ہے ایسے صاف اور صریح قرینہ کے ہوتے ہوئے کیا ضروری ہے کہ اس مجلس کا ہر آدمی ہی ذکر کرے تاکہ اس میں جماعتی رنگ اور جماعتی انداز پیدا ہو جو مؤلف مذکور کا مدعی ہے اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ذکر کرے یعنی وعظ و نصیحت کرے اور باقی مجلس طبعی اور خاموشی کے ساتھ اس کا ذکر سننے ثواب میں سب شریک ہیں۔  
چھٹی حدیث۔

اس کے بعد مؤلف مذکور نے مسلم ج ۲ ص ۲۵۵ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۸ کی اس روایت سے بھی استدلال کرنے کی نامام معنی کی ہے جس میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت پر تشریف لائے اور فرمایا تم یہاں کیوں بیٹھے ہو عرض کیا ہم اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ اس نے ہم کو اسلام کی ہدایت دی الحدیث (محصلہ) اس کے بعد مؤلف مذکور مروج میں آکر لکھتا ہے یہ الفاظ مسلم شریف کی روایت میں ہیں حدیث سابق کی طرح اس حدیث میں بھی جماعت اور حلقہ کے ساتھ ذکر کا بیان ہے اس سے پہلے واضح ہو چکا ہے کہ جماعت کے ساتھ ذکر سے ذکر بالجہر مراد ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ ذکر بالجہر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ ہے (ص ۳۳۳ و ۳۳۴)

الجواب :- یہ حدیث بھی ذکر بالجہر کے مسئلہ سے غیر متعلق ہے اس سے تو صرف یہ

ثابت ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے آپس میں میٹھ کر اس بات کا تذکرہ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ان کو اسلام جیسی نعمت عظمیٰ اور دولت بے پایاں نصیب فرمائی اس میں اس ذکر کا کس طرح اور کس جملہ سے ثبوت ملتا ہے جس کے اثبات پر مؤلف مذکور خواہ مخواہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا ہے پہلے باحوالہ یہ بات گذر چکی ہے کہ تعلیم کے علاوہ حضرات صحابہ کرامؓ نہ تو دعا بلند آواز سے کرتے تھے اور نہ ذکر اور اس پر حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب المنقحیؒ کے یہ الفاظ مجعلاً من الصحابةؓ میں گند چکے ہیں حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ حضرات صحابہ کرامؓ کی سادہ اور سنت کے مطابق زندگی کا نقشہ بتائے ہوئے اَقْلَهَا تَكْفُلًا یہ حدیث مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۲ میں موجود ہے کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

ولا يتخلقون للاذکار والصلوات  
برفع الصوت فی المساجد ولا  
فی بیوتهم (مرقات ج ۱ ص ۲۱۳)

وہ مسجدوں اور گھروں میں بلند آواز کے  
ساتھ ذکر اور درود شریف پڑھنے کے لئے  
کوئی حلقہ نہ قائم کرتے تھے۔

اس عبارت میں لا اذکار کا لفظ خاص طور پر قابل توجہ ہے یعنی اذکار کی خاطر وہ حلقہ نہ باندھتے تھے ان کے حلقے تعلیم دین اور تعلیم ذکر کے لئے تو ہوتے تھے لیکن محض ذکر کی خاطر نہ تو گھروں میں وہ حلقہ باندھتے تھے اور نہ مسجدوں میں اب غور کرنا مؤلف مذکور کا کام ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ ذکر بالجہر کے لئے حلقہ باندھتے تھے؟ یا وہ اس کاروائی کے خلاف تھے؟ حضرات صحابہ کرامؓ کا یہ طریقہ تو ہرگز نہ تھا۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

یکون فی آخر الزمان عباءٌ جهالٌ  
وقراءٌ فسقہ دحلک صیحح الجامع الصغیر

آخر زمانہ میں ایسے عابد ہوں گے جو دین سے  
بالکل جاہل ہوں گے اور ایسے قاری ہوں گے  
جو فاسق ہوں گے۔

ج ۲ ص ۲۷

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ہم سب فدا اور قربان ہوں آپ نے جو کچھ فرمایا ہم نے مشاہدہ دیکھ لیا عبادت اور ثواب کے شوق میں میلاد گیارہویں بلند

آواز سے ذکر درود وغیرہ کئی بدعات سامنے آچکی ہیں اور ڈاڑھی منڈھے اور قبضہ سے کم  
 ڈاڑھی کٹوانے والے اور سر پر انگریزی وضع کے بال رکھنے والے نمازوں میں مست اور  
 طلبِ زیریں حیثیت قاری بھی ہم نے دیکھ لئے ہیں اور معلوم نہیں آگے کیا کچھ ہوگا؟  
 سَبِّدْنِي لَكَ الْاَيَّامَ مَا كُنْتُ جَاهِلًا وَيَا تَبَّكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَمْ تَزِدْهَا  
 ساتویں حدیث

مؤلف مذکور نے ذکر بالجہر منہ ۲۲۱۹۲۱۹۲ میں اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے  
 جو مشکوٰۃ ج ۸ میں ابو داؤد ج ۱ ص ۱۸۸ اور ترمذی ج ۱ ص ۵۹ سے نقل کی گئی ہے جس کا خلاصہ  
 یہ ہے ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ کے پاس سے گزرے وہ نماز  
 (تہجد) میں قرأت اہستہ کر رہے تھے اور حضرت عمرؓ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ بلند  
 آواز سے قرأت کرتے ہیں جب دونوں اکٹھے ہوئے تو آپ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا کہ تم  
 اپنی آواز کو قد سے بلند کرو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا تم اپنی آواز کو قد سے پست کرو (محصلاً)  
 مؤلف مذکور نے اس روایت سے مطلق ذکر کے جہر پر استدلال کیا ہے جب اس پر اشکال  
 پیش آیا کہ یہ تو نماز کے بارے میں ہے تو بزعم غلیظ اس کے چار جواب دیئے یہ کہ جب  
 حکم کا منشاء خاص کی خصوصیت نہ ہو تو حکم عام کی طرف راجع ہوتا ہے یہاں بھی ایسا  
 ہی ہے ہمارا استدلال اذفع من صوتک کے عموم الفاظ سے ہے اور یہاں وہ نماز کے  
 ساتھ مخصوص نہیں اور وہ اپنے عموم و اطلاق پر ہے اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوص  
 مورد کا نہیں ہوتا، علامہ ابن حجر مکیؒ نے فتاویٰ حدیثیہ ص ۶۵ میں اس حدیث سے ذکر بالجہر  
 استدلال کیا ہے (محصلاً)

الجواب: بلفظوں کے کتب اور عبارت کی شعبہ بازی سے کچھ نہیں بنتا یہاں ذکر  
 بالجہر پر صریح دلیل درکار ہے، یہ حدیث صرف نماز سے متعلق ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے بھی حضرات شیخینؓ کو نماز میں متوسط اور معتدل جہر کی تلقین فرمائی ہے مطلق اور  
 عمومی ذکر سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نماز میں جہر اور سر کا مسئلہ ہی الگ ہے مؤلف  
 مذکور کے دوسرے اور تیسرے جواب کا حاصل ایک ہی ہے نفی جوابات کی گنتی بڑھانے

کے لئے لفظوں کے ہیر پھیر سے کچھ نہیں بنتا اس سلسلہ میں جب قرآن و حدیث میں اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً الْآیۃ اور اُدْعُوا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ الْحَدِیث اور خیر الذکر الخفی وغیرہ سے الگ ضابطہ اور حکم موجود اور منطوق ہے تو اس کے ہوتے ہوئے یہاں عموم الفاظ اور خصوص مورد کے غیر متعلق مضمون کو چھیڑنا بالکل لا حاصل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ روز عاشورہ شب برات سائیسویں رجب اور ماہ رجب کی پہلے جمعہ کی رات جس کو بسبب الرغائب بھی کہتے ہیں کو اہتمام اور تداعی کے ساتھ نماز باجماعت کے مکروہ ہونے پر نقیب رنگ میں، خاصی بحث کرتے ہیں کہ امام کے علاوہ مین آدمی اگر نقلی نماز میں بدول تداعی و اہتمام کے مل جائیں تو صحیح ہے چار میں اختلاف ہے صحیح قول یہ ہے کہ مکروہ ہے (بحوالہ شمس الاثر المجلد ۱) مکتوبات مکتوب نمبر ۲۸۹ دفتر اول حصہ پنجم (۱۷) اور مطلق روایات کو مقید پر حمل کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :-

و اگر روایت پیدا شود کہ از ذکر عدد سکت باشد و مطلقاً مجبور باشد ادا نفل یہ جماعت آنرا حمل باید کرد بر مقید کہ در روایات دیگر واقع شدہ است و از مطلق مقید مراد باید داشت و جواز مقصور بر اغنیین یا ثلث باید نمود چہ علماء حنفیہ اگر چہ در اصول مطلق را برابر اطلاق می گذارند و بر مقید حمل نمی کنند اما در روایات حمل مطلق بر مقید جائز داشتند بلکہ لازم دانستہ و اگر بر طریق فرض محال حمل نہ کنیم بر اطلاق بگذاریم ہر آئینہ ایں مطلق معارض خواہد بود مراں مقید را اگر در قوت برابر باشد و مساوات در قوت ممنوع است

اگر کوئی روایت ایسی ظاہر ہو کہ عدد کے ذکر سے سکت ہو اور مطلق طور پر وہ نقلی نماز کو باجماعت ادا کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہو تو اس کو مقید پر حمل کیا جائے گا اور اس قید کو ملحوظ رکھا جائے گا جو دوسری روایات میں واقع ہے اور مطلق سے مقید مراد لینی چاہیے اور جواز کو دو باتیں پر بند سمجھنا چاہیے کیونکہ علماء احناف اگر چہ اصول میں مطلق کو اپنے اطلاق پر چھوڑتے ہیں اور مقید پر حمل نہیں کرتے مگر روایات میں مطلق سے مقید پر حمل کرنے کو وہ جائز قرار دیتے بلکہ لازم سمجھتے ہیں اور اگر فرض محال کے طور پر ہم مطلق کو مقید پر حمل کریں اور اطلاق پر چھوڑ دیں پھر تو بہر کیف

چہ روایات کراہت باوجود کثرت مختار  
 و مفتی بہا اند بخلاف روایت اباحت  
 وَلَوْ سَلِحَتْ مَسَاوَاتُهُمْ لَکُلِّمْ بِرِ تَقْدِيرِ  
 تعارض اولہ کراہت و اولہ اباحت ترجیح  
 جانب کراہت راہست کہ رعایت احتیاط  
 در آن است چنانچہ مقرر اہل اصول فقہ  
 است پس جماعت کہ روز عاشورا و شب  
 برأت و لیلة الرغائب نماز پر جماعت سے  
 گذارند و لیست و ولست و سی ضد  
 سی صد کس کم و بیش کہ در مسجد جامع میشوند  
 و آن نماز را و اجتماع و جماعت را مستحسن  
 می پندارند مگر کبان امر مکروہ اند باتفاق  
 فقہاء و مکروہ را مستحسن دانستن از اعظم  
 جنایات است چہ حرام را مباح دانستن  
 منجر بہ کفر است و مکروہ حسن پنداشتن  
 یک مرتبہ ازاں پایاں است شناعیت  
 ایں فعل را نیک ملاحظہ باید نمود احد  
 رکع مکتوبات دفتر اول حصہ پنجم مکتوب ۲۸۸ (منہ)

مطلق اس مقید کا معارض ہوگا اگر دونوں ایک  
 درجہ کے قوی ہوں لیکن قوت میں مساوات  
 ممنوع ہے کیونکہ کراہت کی روایات باوجود کثرت  
 کے مختار اور مفتی بہا ہیں بخلاف اباحت کی  
 روایات کے (مکروہ ایسی نہیں ہیں) اور اگر  
 ان کی آپس میں مساوات بھی تسلیم کرنی جائے  
 تو ہم کہتے ہیں کہ جب کراہت اور اباحت  
 کی دلیل آپس میں متعارض ہوں تو ترجیح کراہت  
 کو ہوگی کیونکہ احتیاط کا پہلو اسی میں ملحوظ رہ  
 سکتا ہے چنانچہ اصول فقہ والوں کے ہاں مقرر  
 ہے پس لوگوں کی وہ جماعت جو عاشورا کے  
 دن اور شب برأت اور لیلة الرغائب درجہ کے  
 پہلے جمعہ کی رات میں کم و بیش دو دو سو اور  
 تین سو آدمی جماعتی شکل میں مسجدوں میں جمع  
 ہو کر باجماعت نماز ادا کرتے ہیں اور ایں اجتماع  
 اور جماعت کو مستحسن سمجھتے ہیں وہ حضرات فقہاء  
 کرام کے اتفاق سے مکروہ امر کے ترکب میں اور  
 مکروہ کو اچھا سمجھنا بڑے گناہوں میں سے ہے  
 کیونکہ حرام کو مباح سمجھنا کفر تک پہنچانے والا  
 ہے اور مکروہ کو اچھا سمجھنا اس سے ایک درجہ  
 نیچے ہے اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ملحوظ رکھنا چاہیے  
 حضرت مجدد صاحب کی اس عبارت سے مؤلف مذکور کا یہ مغالطہ بھی رفع ہو جاتا ہے کہ وہ  
 مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھ کر اپنی گاڑی چلانے پر مصر ہے۔

اعتراض ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب یہ کہہ دیں کہ ذکر بالجہر کے بارے میں فقہاء کرام کے اقوال بظاہر متضاد معلوم ہوتے ہیں کیونکہ کوئی اس کو بدعت کہتے ہیں اور اور کوئی اس کو مکروہ کہتے ہیں لہذا وہ ایک حکم پر متفق نہیں ہیں۔

الجواب :- اس اعتراض میں کوئی وزن نہیں دونوں تعبیروں کا مفاد ایک ہی ہے چنانچہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) تحریر فرماتے ہیں سوال پنجابہ و پنجم ادنیٰ بدعت سنیہ چہ است و اعلیٰ چہ جواب ادنیٰ بدعت مکروہ است و اعلیٰ بدعت کفر است دلائل مسائل ۸۶ طبع مصطفائی دہلی اس سے معلوم ہوا کہ بدعت کا ادنیٰ درجہ اور مکروہ ایک شے ہے اور اعمال احکام کے درجہ میں بدعت سے مراد عموماً مکروہ ہوتی ہے عام اس سے کہ است تنزیہ ہو یا تحریم یہاں عقائد کے مدکی بدعت بالعموم کفر ہوتی ہے۔ رکن امام ابن حجر مکی الشافعیؒ (المتوفی ۸۵۰ھ) کا ارشاد کہ یہ حدیث ذکر بالجہر پر دلالت کرتی ہے سو دمنہ نہیں کیونکہ اگر قرآن کریم اور صحیح حدیث میں آیت نہ ذکر کا حکم نہ بھی ہوتا صرف اجتہاد ہی سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی تب بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ آؤ ان کے پیروکار فقہاء احناف کے مقابلہ میں امام ابن حجر مکی الشافعیؒ (المتوفی ۸۵۰ھ) کے اجتہاد اور استدلال کا کوئی مقام نہ تھا حالانکہ یہاں ذہنی اور ٹھوس دلائل موجود ہیں جیسا کہ پہلے عرض ہو چکا ہے لہذا حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حکم اور ارشاد کے مقابلہ میں جس کی بنیاد نص قطعی پر ہے۔ امام ابن حجر مکیؒ کے استدلال کو کون سنتا اور مانتا ہے؟ قارئین کرام غور فرمائیں کہ دوسروں کو وہابیت کا طعنہ دینے والے اور خود کو حنفی اور اہل سنت کہلانے والے ہی نہیں بلکہ حنفیت کے بلا شرکت غیرے واحد ٹھیکیدار کس طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ کے صریح فتویٰ کو جو قرآن و حدیث پر مبنی ہے اور حضرت فقہاء احناف میں ارباب فتاویٰ کے واضح فتوؤں کو چھوڑ کر کس طرح اپنی خواہش کی خاطر ایک شافعی مسلک اور صوفی الشرب بزرگ کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہیں اور غضب ہے کہ بایں ہمہ اہل حنفیت میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا اور نہ حنفی اور سنی کہلانے میں وہ شرم ہی محسوس کرتے ہیں اور طعنہ دوسروں کو وہابیت کا دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کرے کہ ہماری یہ سونکی آوازاں کے دل کے کانوں تک پہنچ جائے جتنی کانوں کے ساتھ سننے کا چنداں فائدہ نہیں ہے

وہ اپنے کان سے سنتے ہیں میرے نالوں کو وہ طرز نالہ ہو جو اس کو بے قرار کرے

# باب دوم

## آخری حربہ

مؤلف مذکور نے قرآن کریم، احادیث اور تشریح حدیث وغیرہم حضرات سے ذکر بالجہر کے اثبات پر جو استدلال کیا ہے وہ آپ نے ملاحظہ کر ہی لیا ہے، اب ان کے ترکش کا آخری تیر بھی ملاحظہ کریں، مؤلف مذکور نے ص ۳۸ و ص ۳۹ میں حضرت شاہ عبدالغفر صاحب محدث دہلوی الحنفیؒ کی ادھوری عبارت نقل کی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کی پوری عبارت نقل کر دیں۔

(مطلب سوم)

(تیسرا مطلب)

اور وہ ذکر بالجہر کی حقیقت ہے اور اس میں حق یہ ہے کہ اس کا (کلید) الکار کھلے ہو قونی ہے قرآن کریم کی تلاوت کے جہر کے بارے (حدیث میں) صراحت آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور کسی چیز کی ایسی اجازت نہیں دی جیسی جہر سے قرآن پڑھنے کی دی ہے۔ اور حج کے تبلیہ کے بارے میں آبا ہے کہ بہترین حج وہ ہے جن میں آواز بلند کی جائے اور قربانی کی جائے اور قرآن کی فضیلت معروف ہے اور یہ حدیث کہ ہم آنحضرت صلی اللہ

و دیگر حقیقت ذکر جہر و حق آنست کہ الکار آن سفاہت واضح است و تلاوت قرآن جہر صریح است ما اذن اللہ لشیء ما اذن یعنی تغنی بالقرآن یجہر بہ و تبلیہ حج آمدہ افضل الحج العجم والیہ ای رفع الصوت بالتبلیۃ و اراقة الدم و قرآن رافضیلت معروف است و کذا نعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالذکر و فضل الذکر الذی یسمعه



الحفظة على الذی لا یسمعه الحفظة  
 بسبعین ضعفاً و بناءً طریقاً چشتیہ  
 و اولیسیہ و قادریہ کہ ہمہ پیران مابند بر ذکر  
 جہر است حکم بآنکہ فعل حرام موجب قرب الہی  
 نمی شود باطل است بلکہ ذکر جہر موجب  
 جمیعۃ است کہ بالاتر از ان جمیعۃ نیست  
 چون خواجہ علاؤ الدین غجدانی بعد رفتن  
 حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ برج ذکر جہر  
 استماع کردند و بعد مراجعت غداً آوردند  
 بآنکہ شمارا بسبب قوت باطن حاجت این  
 بود ما ازین نفع بسیار شد حضرت خواجہ  
 نقشبند انکار آل نکرد و چون خود از روح  
 حضرت خواجہ عبدالباقی غجدانی ذکر خفیہ و  
 عمل بر عزیمت گرفتہ بودند خود نمی کردند  
 و مثل شمارا کہ در فقیہات تفہیم شد با جہاں  
 میکنند درین معنی تردید و بیجا است اگرچہ  
 مذہب حنفیاں باشد در ال روایت اگرچہ  
 مشہور است لیکن فقیر البینہ آن کتاب  
 یاد کردن محتاج تفحص است یک دفعہ خواجہ  
 سران عالم بفقہیات از طرف بادشاہ روم  
 امیر جہ شدہ آمد در مدینہ بایشخ ابراہیم کردی  
 ملاقات نمود و گفت کہ درین سفر بدعت عظیم  
 ازین مردم دور کردم فرمودند کلام بدعت

علیہ وسلم کی نماز کا ختم ہونا ذکر کے ساتھ جانتے  
 تھے اور یہ حدیث کہ اس ذکر کی جس کو نگران  
 فرشتے سنتے ہیں اس ذکر پر جس کو نہیں سنتے  
 ستر گنا زیادہ فضیلت ہے اور حضرات  
 چشتیہ، اولیسیہ اور قادریہ کے طریقہ کی  
 بنیاد ہی ذکر بالجہر پر ہے اور یہ سب ہمارے  
 پیر ہیں یہ فیصلہ کہ فعل حرام اللہ تعالیٰ کے  
 تقرب کا سبب نہیں ہوتا باطل ہے بلکہ ذکر  
 بالجہر طبعی کا ذریعہ ہے کہ اس سے بڑھ کر طبعی  
 نہیں ہو سکتی جب خواجہ علاؤ الدین غجدانی  
 نے حضرت خواجہ نقشبند کے حج پر جانے  
 کے بعد ذکر بالجہر سنا تو ان کی مراجعت کے بعد  
 یہ عذر کیا کہ آپ کو باطنی قوت کی وجہ سے اس کی  
 حاجت نہیں تھی تو اس سے بہت فائدہ ہوا  
 حضرت خواجہ نقشبند نے اس کا انکار نہ فرمایا اور  
 جب خود انہوں نے حضرت خواجہ عبدالباقی  
 غجدانی کی روح اور فیض سے اسبستہ ذکر  
 اور عزیمت پر عمل حاصل کیا تھا تو خود حضرت  
 خواجہ نقشبند ذکر بالجہر نہیں کیا کرتے تھے  
 اور آپ جیسے لوگوں کا جو مسائل فقہیہ میں حدیث  
 کو اجتہادی مسائل پر مقدم کرتے ہیں اگرچہ وہ  
 حنفیوں کا مذہب ہی کیوں نہ ہو اس معنی  
 میں تردید و بیجا ہے اس بارے میں اگرچہ روایت

گفت ذکر جہرا از مسجد و شہر بیت المقدس  
موقوف کنانیدم ایشال ایس آیت خوانند  
وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ  
يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسُغِيَ فِي خُصَائِهَا  
چند روایت کہ از فتاویٰ نوشتہ بود پیش نمود  
فرمودند اگر کار بتقلید است شما مقلد دیگر  
ومن مقلد دیگر و روایات شما بر من حجت  
نیست و اگر کار بتحقیق است اینک  
گوئے و میدان بعد ازین چند رسالہ در اثبات  
ذکر جہر نوشتہ اند بعض ازین رسائل پیش  
فقیر ہم موجود است بالجملہ الحق الحق  
بالاتباع والسلام۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۸ طبع مجتہبائی دہلی)

مشہور ہے لیکن فقیر کو بعینہ کتاب یاد کرنے  
اور تفتیش کی ضرورت ہے ایک دفعہ خواجہ بر عالم  
فقیہیات یاد شاہ روم کی طرف سے امیر حجین  
کر دینہ طیبہ پہنچے اور شیخ ابراہیم کردی سے ملاقات  
کی اور فرمایا کہ اس سفر میں لوگوں کی ایک بہت  
بڑی بدعت میں نے دور کی ہے فرمایا کنوسی  
بدعت؟ انہوں نے فرمایا کہ ذکر بالجہر مسجد اور  
بیت المقدس سے میں نے موقوف کر دیا ہے  
انہوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی اور اس شخص  
سے کون زیادہ ظالم ہے جس نے اللہ تعالیٰ  
کی مسجدوں میں اس کے ذکر سے روکا اور  
ان کے خراب کرنے کی کوشش کی انہوں نے  
چند فتاویٰ کی روایات جو لکھی ہوئی تھیں  
پیش کیں شیخ ابراہیم کردی نے فرمایا کہ اگر بات  
تقلید کی ہو رہی ہے تو آپ دوسرے کے  
مقلد ہیں اور میں دوسرے کا مقلد ہوں تمہاری  
روایات مجھ پر حجت نہیں ہیں اور اگر معاملہ تحقیق  
کا ہے تو یہ گیند اور میدان موجود ہے اس کے  
بعد انہوں نے کئی رسائل ذکر بالجہر پر لکھے ہیں  
ان میں سے بعض رسائل اس فقیر کے سامنے بھی  
ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ حق کی اتباع زیادہ مناسب  
ہے فقط والسلام۔

اس عبارت میں چند امور نہایت ہی قابل غور ہیں پوری توجہ کے ساتھ ان پر نگاہ ڈالیں۔

۱۔ قرآن کریم کی قرأت کے جہر کے ساتھ پڑھنے پر حوالہ دیا گیا ہے وہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷  
 ۲۔ مسلم ج ۲ ص ۲۶۸ میں یوں ہے :- واللفظ للبخاری

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لم  
 ياؤن الله لنبى ما اذن لنبى صلى الله عليه  
 وسلم يتغنّى بالقرآن وقال صاحب له  
 يرید یجهر به۔  
 یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ  
 اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو اجازت دی اپنے  
 نبی کو جیسے اُس نے جہر کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے  
 کی اجازت دی ہے ویسا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 نے نبیوں کو اجازت دی کہ کسی اور بات کو جیسا کہ اُس  
 نے قرآن سنا یعنی آپ کی طرف توجہ کی اور درجہ دیا

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ  
 عن النبى صلى الله عليه وسلم ما اذن  
 الله لشئ ما اذن للنبى ان يتغنّى بالقرآن  
 قال سفيان تفسيره يستغنى به۔  
 آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ  
 تعالیٰ نے توجہ نہیں فرمائی دیا اجازت نہیں دی  
 اپنے نبی کے لئے جیسی قرآن کے بارے میں توجہ  
 فرمائی۔ امام سفيان نے فرمایا یعنی آپ اس کی  
 بدولت مستغنی ہوئے۔

پہلی روایت میں تغنی کا معنی جہر کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے کے کیا ہے اور دوسری میں یہ  
 معنی بیان ہوا ہے کہ آپ کو قرآن کریم جیسی انمول دولت حاصل ہوئی تھی اس لئے آپ اپنے  
 آپ کو اس کی وجہ سے غنی اور مستغنی سمجھتے تھے، اور اس کے حاشیہ میں اور بھی کئی معانی بیان  
 کئے گئے ہیں۔

قوله يرید ان یجهر به ای یحسن به  
 صوته وهو احد الاقوال فی تفسیر  
 يتغنّى وقيل المراد به التحنون و  
 قيل التشاغل من تغنى بالمسكان  
 اقام به وقيل التلذذ والاستحلال  
 ان کا یہ قول کہ وہ یہ مراد لے رہے ہیں کہ بلند آواز  
 سے وہ اس کو پڑھیں یعنی اچھی آواز سے پڑھیں  
 اور تغنی کی تفسیر میں کئی اقوال میں سے ایک  
 یہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد غم  
 کا اظہار کرنا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا

مطلب مشغول رہنا ہے تغنی بالمکان کا مطلب  
یہ ہے کہ وہاں مصروف اور مقیم ہو اور یہ بھی  
کہا گیا ہے کہ لذت حاصل کرنا اور حلال سمجھنا  
ہے جیسے سُروائے گانے سے لذت حاصل  
کرتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دل لگی کی  
عادت بنا لینا جیسا کہ مسافر اور فارغ آدمی  
گانے کو دل لگی کا ذریعہ بنا لیتا ہے سو اس حدیث  
کا معنی یہ ہے کہ قرآن کریم کے پڑھنے پر اومت  
پر آمادہ کرنا ہے۔

كما يستلذ اهل الطرب بالغناء وقيل  
هجيرة كما يجعل المسافر والفارغ  
هجيرة الغناء فيكون معنى الحديث  
الحث على ملازمة القرآن  
توشیح ہمش بخاری ج ۶ ص ۱۷

حضرت امام نوویؒ نے بھی اُس حدیث کے متعدد معانی نقل کئے ہیں اور امام ابو جعفر  
طبریؒ کے حوالہ سے امام سفیانؒ کی تفسیر کو لذت اور معنی کے لحاظ سے خطا قرار دیا ہے اور  
آخر میں لکھتے ہیں کہ

والصحيح انه من تحسين الصوت  
ويؤيد كرواية الاخرى يتغنى  
بالقرآن يحمر به انتهى .  
اور صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد اچھی آواز  
سے قرآن کریم پڑھنا ہے اور اس کی دوسری  
روایت بھی تائید کرتی ہے جس میں تغنی بالقرآن  
کے معنی بچہ دہنی یعنی بلند آواز کے ساتھ پڑھنے آئے ہیں۔  
(شرح مسلم ج ۱ ص ۲۶۸)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک عظیم مقصد لوگوں کو  
قرآن کریم پڑھ کر سنانا اور اس کی تعلیم دینا بھی تھا يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهِ اور يُعَلِّمُهُمُ  
الْكِتَابَ الْاَيَةُ اس کی واضح دلیل ہے اور ظاہر بات ہے کہ تعلیم قرآن بغیر جبر کے کیسے ہو سکتی  
ہے؟ قرآن کریم کی تعلیم اور تدیس اور اس کے ذریعہ سے تبلیغ دین محل نزاع سے بالکل خاسج  
ہے اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں اور پہلے یہ بات باحوالہ گذر چکی ہے کہ جب جبر کے ساتھ قرآن  
کریم کی تلاوت سے نمازیوں وغیرہم کو تکلیف ہوتی ہو تو پھر جبر درست نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے تلمیذ میں رفع الصوت سے ذکر بالجہر پر استدلال کیا ہے اور

حدیث سے اس پر دلیل بھی انہوں نے پیش کی ہے اور یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں شرعاً جہر مطلوب و مقصود ہے اس حوالہ سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب بھی ان مقامات میں ذکر بالجہر کے قائل ہیں جہاں شریعت میں جہر مطلوب ہے جیسا کہ اس حوالہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

۳۔ حضرت شاہ صاحب نے جو یہ حدیث نقل کی ہے وکنا نعرف انقضاء صلوة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالذکر کسی صحیح روایت میں بالذکر کے الفاظ نہیں مل سکے بخاری ج ۱ ص ۱۱۶ و مسلم ج ۱ ص ۲۱۰ و ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۳ وغیرہ میں بالتکبیر کے الفاظ ہیں ہاں البتہ حضرت ابن عباسؓ کی ایک دوسری روایت یوں ہے ان رفع الصوت بالذکر حين ينصرف الناس من المكتوبة كان على عهد النبي صلی اللہ علیہ وسلم الخ جلد ۱ بخاری ص ۱۱۶ و مسلم ج ۱ ص ۲۱۰ و ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۳ وغیرہ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے یہ روایت بالغنی کے قاعدہ کے مطابق دونوں روایتوں کی ملاک دونوں کا خلاصہ بیان فرمادیا ہے اور اس حدیث کی مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے کہ پہلے ایسا ہوتا تھا پھر ترک ہو گیا بلکہ یہ مسوخ ہو گیا اور اس پر اجماع بھی نقل کیا گیا ہے۔

۴۔ حضرت شاہ صاحب نے ان الفاظ سے جو یہ حدیث نقل فرمائی ہے وفضل الذکر الذی یسمعه الحفظة علی الذی لا یسمعه الحفظة بسبعین ضعفاً یہ ان کا وہم یا کتابت کی غلطی ہے اصل روایت اس طرح ہے وفضل الذکر الذی لا یسمعه الحفظة علی الذی یسمعه الحفظة بسبعین ضعفاً پہلے تفسیر مظہری کے حوالہ سے بتخریج ابوعلیؑ حضرت عائشہ سے مرفوعاً یہ روایت یوں گذر چکی ہے تفضل الذکر الخفی الذی لا یسمعه الحفظة الحدیث اور حضرت ثمالویؑ لکھتے ہیں حواشی حصین حصین میں بحوالہ کمرقات بتخریج ابویسٰیؑ بروایت حضرت عائشہؓ بدور سافره سیوطیؒ سے حدیث مرفوعہ نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ذکر خفی جس کو حفظ بھی نہیں سنتے شتر درجے فضیلت میں زیادہ ہے اے آخر الحدیث در بیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۲۸ اور یہ روایت مرقاۃ ج ۶ ص ۶۵ میں اسی طرح ہے اور پہلے متعدد تفسیروں کے حوالہ سے یہ روایت گذر چکی ہے دعوة السرة تعدل سبعین الخ یعنی آہستہ دعا شتر گنا کے برابر ہے۔ آگے حضرت شاہ صاحب نے صوفیائے حقیقیہ اور اویسیہ

اور قادریہ کی جو عبارتیں نقل فرمائی ہیں اور خصوصیت سے آخر میں حضرت شیخ ابراہیم کریمی کی ان کے بارے میں ہم میں باتیں عرض کرتے ہیں جو غور سے دیکھنے کے قابل ہیں۔

پہلی بات: حضرت امام مالک حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ سینکڑوں مسائل میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں حتیٰ کہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے احکام میں اختلاف ہے ایک امام ایک چیز کو جائز اور حلال کہتے ہیں اور دوسرے اس کو ناجائز و حرام قرار دیتے ہیں علماء کرام کا تو کہنا ہی کیا ہے کتب فقہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے کسی بھی طالب علم سے یہ بات مخفی نہیں ہمارے دلوں میں تمام ائمہ کرام کی قدر و عظمت ہے اور ہمارے قلوب ان کی تعظیم و تکریم سے بھر اٹھتے ہیں لیکن جب دلائل اور براہین کی قوت اور فقہانیت کی گہرائیوں کا سوال اور تقابل سامنے آتا ہے تو ہم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے دلائل کی قوت اور ان کی حلاوت و فقہانیت کا ساتھ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں اسی طرح ہمارے دلوں میں تمام سلاسل کے اکابر کی بے پناہ محبت و عقیدت ہے وہ نقشبندی ہوں یا چشتی قاضی ہوں یا سہروردی یا کسی اور سلسلہ سے وابستہ ہوں تمام ہمارے لئے قابل ہزار احترام ہیں اور ہمارا بچتہ یقین ہے کہ ان حضرات کی محبت نجات کا بہترین ذریعہ ہے اور ان میں سے اہل اجتہاد حضرات نے اپنے اجتہاد سے جو کارنامے سر انجام دیئے ہیں گو وہ فی نفسہ غلط بھی ہوں مگر ان میں نہ صرف یہ کہ وہ مغذور ہوں گے بلکہ بفضلہ تعالیٰ ماجور بھی ہوں گے لیکن جب کسی بزرگ کا کوئی فتویٰ یا عمل حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ اور عمل سے متصادم ہوگا تو اس میں ہم حضرت ابو حنیفہؒ کے فتویٰ اور عمل ہی کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان کا نرا اجتہاد بھی بڑی ذہنی ذیل ہے اور پھر ان کا استدلال نص قطعی سے ہے کما حقہ اور حضرات صوفیاء و کرام کی ایسی باتیں خود قابل تاویل ہوں گی مثلاً اس جہر سے ادنیٰ جہر اولیٰ جائز یا تعلیم کی خاطر ہو اور اگر تاویل نہ ہو سکی تو ان کو مغذور سمجھتے ہوئے ان کا قول ترک کر دیا جائے گا نہ کہ ان پر مذہب کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے مذہب کی بنیاد تو قرآن کریم و حدیث شریف اور حضرات ائمہ قضاہ و خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہؒ کی بات اور فقہ حنفی کی

سہ حُجَّت درویشانِ کلیدِ حُب است دشمنِ ایشان سزائے لعنت است

مسند تہرین کتابوں پر ہی رکھی جاسکتی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ذکر بالجہر کے بارے میں شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی الحنفی (المتوفی ۹۷۴ھ) کی چند عبارتیں بھی نقل کر دیں تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے اور ذکر بالجہر کرنے والے حضرات صوفیائے کرام کے استدلال کا معیار بھی معلوم ہو جائے۔

۱) درمیان طرق صوفیہ اختیار کردن  
طریقہ علیہ نقشبندیہ اولیٰ و انسب است  
چہ ایں بزرگواراں التزام متابعت سنت  
نمودہ اند و اجتناب از بدعت فرمودہ ہند  
اگر دولت متابعت دارند و احوال ہیج  
ندارند خرسند و اگر باوجود احوال متابعت  
فتور دانند آں احوال را نہ پسندند ازین جا  
است کہ سماع و قص را تجویز نہ کردہ اند و  
احوالے کہ بر آں مترتب شود اعتبار نمودہ بلکہ  
ذکر جہر را بدعت دانستہ منع آں فرمودہ اند  
و ثمراتیکہ بر آں مترتب شود اتفقات بآں  
نمودہ روزے بہ مجلس طعام در ملازمت  
حضرت ایشاں حاضر بودیم شیخ کمال کہیکے  
از مخلصان حضرت خواجہ نابود در وقت افتتاح  
طعام در حضور ایشاں اسم اللہ را بلند گفت  
ایشاں را ناخوش آمد بعدے کہ زجر بلیغ فرمودند  
و فرمودند کہ اورا منع کنند کہ در مجلس طعام حاضر  
نہ شود و از حضرت ایشاں شنیدہ ام کہ حضرت  
خواجہ نقشبند علمایار بخارا را جمع کردہ بخانقاہ  
حضرت میر کمال بردہ بودند تا ایشاں را از

حضرات صوفیاء کرام کے طریقوں میں سے اونچے  
طریقہ نقشبندیہ کو اختیار کرنا زیادہ بہتر اور  
مناسب تر ہے کیونکہ ان بزرگوں نے سنت  
کی متابعت کا التزام کیا ہے اور بدعت اجتناب  
کیا ہے اسی لئے اگر اتباع سنت کی دولت  
رکھتے ہوں اور احوال حضرات صوفیہ سے کچھ  
بھی نہ رکھتے ہوں تو وہ خوش ہیں اور اگر  
احوال کے باوجود اتباع سنت میں فتور دیکھتے  
ہیں تو ان احوال کو وہ پسند نہیں کرتے یہی وجہ  
ہے کہ انہوں نے سماع اور قص کو تجویز نہیں  
کیا اور جو احوال سماع و قص پر مرتب ہوتے  
ہیں ان کو وہ معتبر نہیں سمجھتے بلکہ ذکر بالجہر کو  
بدعت سمجھتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں اور  
ان ثمرات کی طرف وہ توجہ ہی نہیں کرتے جو اس  
پر مرتب ہوتے ہیں ایک دن ہم حضرت خواجہ  
باقی باللہ صاحب کے دولت کدہ میں دعوت  
طعام پر حاضر تھے آپ کے مخلص مریدوں  
میں سے ایک شخص شیخ کمال نے کھانا شروع  
ہونے کے وقت آپ کے سامنے بسم اللہ بلند  
آواز سے کہہ دی۔ آپ کو نہ ناگوار گزرا حتیٰ کہ اس

ذکر جہر منع فرمایند علماء بحضرت امیر گفتند کہ ذکر جہر بدعت است نہ کنند ایشان در جواب فرمود کہ نہ کنفیم اکابر اس طریق ہر گاہ منع ذکر جہر اس بہہ مبالغہ نمایند از سماع و رقص و وجد تو واجد چہ گوید احوال و مواجید کہ ہر اسباب نامشروعہ مترتب شوند نزد اس فقیر از قبیل استدراجات است الخ (مکتوب ۲۶۶ حصہ چہارم و فراق اول ص ۱۶۷ و ۱۶۸ طبع نو کینی انارکلی لاہور)

کو سخت جھڑکا اور فرمایا کہ اسے منع کر دیں کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں حاضر نہ ہوا اور آپ سے میں نے سنا کہ حضرت خواجہ نقشبند بخارا کے علماء کو جمع کر کے حضرت امیر کلاں کے دربار میں لے گئے تاکہ ان کو ذکر بالجہر سے روکیں علماء نے حضرت امیر کلاں سے کہا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے نہ کریں انہوں نے جواب میں فرمایا بدعت اچھا، ہم نہیں کریں گے جب اس طریقہ کے اکابر ذکر بالجہر سے منع کرنے میں اتنا سبالتہ کرتے ہیں تو سماع اور رقص و وجد تو واجد کا کیا ذکر؟ حال و وجد جو ناجائز اسباب پر مرتب ہوں وہ اس فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہے۔

ملاحظہ کریں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ جب کی شخصیت علم و عمل اور تقویٰ و وسع میں کسی اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ زور و الفاظ میں ذکر بالجہر کو بدعت قرار دیتے ہیں اور کس پیائے انداز سے عمل بالسنّت کی تلقین و ترغیب فرماتے ہیں۔

(۲) اکابر اس طریقہ علیہ احوال و مواجید را تابع احکام شرعیہ ساختہ اند و اذواق و معارف را خادم علوم دینیہ داشتہ جو اہر نفیس شرعیہ را در رنگ طفلان بجز و مویز و وجد و حال عوض نہ میکنند و بہ تشرکات صوفیہ مغرور و مفتون نہ میگردد و احوال کہ باز نکاب محظورات شرعیہ و خلاف سنت سنیتہ حاصل شود قبول نہ دارند و نخواہند از میں حاسست کہ سماع و رقص را تجویز نہ نمایند و بذکر جہر

اس طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں نے حال و وجد کے طریقوں کو احکام شرعیہ کے تابع بنایا ہے اور ذوق و معرفت کو علوم دینیہ کا خادم سمجھ کر علوم شرعیہ کے تابع بنایا ہے اور ذوق و معرفت کو علوم دینیہ کا خادم سمجھ کر علوم شرعیہ کے جو اہرات تفسیہ کو بچوں کی طرح حال و وجد کے اغروٹ اور منقش کے عوض ضائع نہیں کرتے اور حضرت صوفیاء کے سکریہ کلمات کے گرویدہ نہیں تھے اور احوال کو شرعی مننعات عمل کرنے سے حاصل میں اہم



اقبال نہ میفرماید حال ایشاں بردوام است  
دکمتوب ۲۲۱، فخر اول حصہ چہارم ص ۱

تہ سنت کے خلاف ہوتے ہیں ان کو قبول نہیں  
کرتے اور نہ ان کو چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ  
سماع اور رقص کو جائز نہیں سمجھتے اور ذکر بالجہر  
کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے ان کا حال ہمیشہ ایک  
طرز پر رہتا ہے۔

اس عبارت میں بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اُن حضرات صوفیاء کرام کی بے حد تعریف  
کی ہے جو سنت اور علوم شرعیہ کو اپنی وجدانی کیفیات اور اذواق پر مقدم سمجھتے ہیں اور سنت  
کے خلاف کسی بات کو قبول نہیں کرتے اور رقص و سماع کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے اور ذکر بالجہر  
کی طرف سرے سے توجہ اور التفات ہی نہیں کرتے۔

(۳) وپرسیدہ بود کہ منع از ذکر چہ میکنند  
کہ بدعت است و حال آنکہ ذوق و شوق  
میں بخشید چرا از چیز مانے دیگر کہ در زمان آل  
سرور نمودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام منع نہ می  
نماید شل لباس فرجی و مثال و سراویل۔  
اور نیز آپ نے پوچھا ہے کہ یہ حضرات ذکر بالجہر  
سے کیوں منع کرتے ہیں جو بدعت ہے حالانکہ ذکر  
بالجہر ذوق و شوق بخشتا ہے اور یہ حضرات دوسری  
چیزوں سے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وسلم کے زمانہ میں نہ تھیں کیوں منع نہیں کرتے  
جیسے کوٹ، مثال اور شلوار وغیرہ۔

اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:-  
والضابطہ پر سیدہ بودند کہ منع از ذکر چہ میکنند  
کہ بدعت است با آنکہ ذوق و شوق می بخشید  
چرا از چیز مانے دیگر کہ در زمان آل سرور  
نمودہ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ و التسلیمات منع  
نہ میکنند شل لباس فرجی و مثال و سراویل  
مخدوم با عمل آل سرور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ و  
التسلیمات بردو نوع است بر سبیل عبادت

اور نیز آپ نے پوچھا ہے کہ یہ حضرات ذکر بالجہر  
سے کیوں منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے باوجودیکہ  
یہ ذوق و شوق بخشتا ہے اور کیوں دوسری چیزوں  
سے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ  
میں نہ تھیں ان سے منع نہیں کرتے مثلاً کوٹ،  
مثال اور شلوار وغیرہ اے میرے محترم! آنحضرت  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل دو طرح پر ہے

است یا بر طریق عرف و عادت عملے کر بسبیل  
عبادت بودہ خلاف آنرا از بدعتہائے منکر  
میدانیم و در منع آن مبالغہ مینمایم کہ احداث  
و ردین است و آن مرد و و است و عملے کہ بنا بر  
عرف و عادت است خلاف آن را بدعت و  
منکر میدانیم و در منع آن مبالغہ نمی نمایم کہ بہ  
دین تعلق ندارد و وجود و عدم آن مبنی بر عرف  
و عادت است نہ بر دین چہ عرف بعضی بلاد  
خلاف عرف بعضی از بلاد دیگر است و همچنین  
در یک بلدہ باعتبار تفاوت از متہ تفاوت  
عرف واقع است مع ذلک رعایت سنت  
عادی نیز مشرتماج است و نتیجہ سعادات  
احمد و مکتوب ۲۳ و دفتر اول حصہ چہارم  
(۲۵ و ۲۶)

ایک عبادت کے طور پر اور دوسرا عرف و  
عادت کے طور پر آپ کا وہ کام جو عبادت  
کے طور پر ہے اس کے خلاف کام کو ہم بدعت  
بدعات میں سے شمار کرتے ہیں اور ہم اس  
کے روکنے میں مبالغہ کرتے ہیں کیونکہ یہ دین  
میں بدعت پیدا کرنا ہے اور ایسا کام مردود  
ہے اور آپ کا وہ عمل جو عرف و عادت کے  
طور پر تھا اس کی مخالفت کو ہم بدعت نہیں  
سمجھتے اور اس کے روکنے میں مبالغہ نہیں کرتے  
کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں اور اس کا ہونا  
یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین پر  
اور ظاہر ہے کہ بعض شہروں کا عرف و رسم  
بعض دوسرے شہروں کے عرف کے خلاف  
ہے اور اسی طرح ایک ہی شہر میں زمانوں  
کے بدلنے سے عرف بھی متفاوت ہو جاتا ہے  
اس بات کے باوجود بھی اگر اس سنت عادی کی  
پابندی کی جائے تو یہ بھی سعادتوں اور عمدہ  
نتیجوں کا پھل لانے والی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس عبارت میں سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کا اصولی فرق بھی  
آشکارا کیا ہے اور احداث فی الدین اور بدعت کی قباحت بھی خوب نمایاں کی ہے اور ذکر بالجبر  
سے منع کرنے کی شرعی وجہ بھی ظاہر فرمادی ہے۔

(۴) پس در ہر طریقے کہ مخالفت نفس  
نہذاں بیشتر است اقرب طرق است و شک  
پس ہر وہ طریقہ کہ نفس کی مخالفت اس میں  
زیادہ ہو اور اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں وہ سب

نیست کہ رعایت مخالفت نفس از سائر طرق در طریق علیہ نقشبندیہ بیشتر چہ این بزرگواران عمل بہ عزیمت اختیار کرده اند و از رخصت اجتناب نموده معلوم است کہ در عزیمت ہر دو جزو اجتناب محرم و مفول مرعی است بخلاف در رخصت کہ اجتناب از محرم است و بس اگر گفته شود کہ تواند بود کہ سائر طرق نیز عزیمت اختیار کرده باشند گوئیم کہ در اکثر طرق سماع و رقص است کہ بعد از تحمل بسیار کار بر رخصت میرسد عزیمت را در آن چہ مجال یمنین ذکر جہر کہ بیش از رخصت در آن متصور نیست و ایضاً مشائخ سلاسل دیگر در طرق خود بواسطہ بعضی نیات حقانہ امور محدثہ پیدا کرده اند کہ نہایت تصحیح در آن حکم بر رخصت است بخلاف اکابر این سلسلہ علیہ کو سر موئے مخالفت سنت تجویز نہ کردہ اند و ابداع و احداث و انداختہ پس مخالفت نفس دریں طریق اتم باشد پس اقرب طرق باشد پس طالب را اختیار این طرق اولیٰ و انسب باشد چہ راہ بغایت اقرب است و مطلب در کمال رفعت و جماع از متاخرین خلفائے ایشاں ترک اوضاع این بزرگواران گرفتہ بعضی امور دینی

راستوں سے قریب تر ہے اور تک نہیں کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں باقی سب طریقوں سے نفس کی مخالفت زیادہ ہے کیونکہ ملکن بزرگوار نے عزیمت پر عمل کرنا اپنا شیوہ بنالیا ہے اور رخصت سے اجتناب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ عزیمت میں حرام اور فالتو کاموں سے پرہیز کے دونوں اجزاء کی رعایت رکھی گئی ہے بخلاف رخصت کے کہ اس میں صرف حرام ہی سے پرہیز کا لحاظ ہے اگر کہا جائے کہ ممکن ہے کہ باقی سب طریقوں میں بھی عزیمت ہی اختیار کی گئی ہو تو میں کہوں گا کہ باقی اکثر طریقوں میں سماع اور رقص بے شمار جیلوں سے رخصت تک پہنچتا ہے عزیمت کا وہاں کیا ٹھکانہ اور اسی طرح ذکر یا الجہر کا حال ہے کہ رخصت سے زیادہ اس میں کسی چیز کا خیال نہیں کیا جاسکتا اور نیز دوسرے سلسلوں کے مشائخ نے اپنے طریقوں میں اپنی کچھ نیک نیتی کے باعث نئے کام پیدا کر لئے ہیں نہایت تصحیح کے ساتھ ان میں حکم صرف رخصت تک ہی لگایا جاسکتا ہے بخلاف اس سلسلہ عالیہ کے بزرگوں کے کہ انہوں نے ایک بال برابر بھی سنت کی مخالفت کو تجویز نہیں کیا اور بدعات کے گھرنے اور ان پر عمل کرنے کو روا نہیں رکھا تو اسی سلسلہ

طریق احداث نمودہ اند سماع و رقص و جہر  
اختیار کردہ فشاہاں عدم وصول است  
بحقیقت نیات اکابر این خانوادہ بزرگ  
خیال کردہ اند کہ بایں محدثات و بدعات  
تکمیل و تسمیم اس طریقہ سے نمایندہ نسبتہ  
اند کہ در تخریب و افشاعت آل می کوشند  
واللہ یقول الحق وھو یمد السبیل  
(مکتوب ۲۸۲ دفتر اول حصہ چہارم ص ۵۹ و ۵۸)

میں نفس کی مخالفت پورے طریقہ برہانی جاتی  
ہے پس یہ طریقہ باقی سب طریقوں سے قریب تر  
ہے موطاب کے لئے اس طریقہ کا اختیار کرنا زیادہ  
اوپلے اور مناسب کیونکہ یہ راستہ نہایت قریب  
ہے اور مقصد نہایت بلند ہے ان بزرگوں کے  
طور و طریقہ کو چھوڑ کر بعض کام اس طریقہ میں  
گھر گئے ہیں اور سماع و رقص اور ذکر بالجہر اختیار  
کر دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس بزرگ  
خاندان کی نیتوں کی حقیقت کو ہی نہیں پہنچے  
اور اس گھرنے کے ان خلفائے یہ خیال کر لیا  
ہے کہ وہ ان بدعات اور محدثات کے ذریعہ  
اس طریقہ کی تکمیل و تسمیم کر رہے ہیں اور وہ یہ  
نہیں جانتے کہ وہ اس طریقہ کے بگاڑنے  
اور ضائع کرنے میں پوری کوشش کر رہے ہیں  
اور اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے اور وہی صحیح راستہ  
کی ہدایت کرتا ہے۔

ان تمام صریح عبارات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے زور دار الفاظ میں ذکر جہر سے منع  
کیا بلکہ اس کو بدعت کہا ہے اور کہیں بدعت نہ فرماتے جب کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس کو  
بدعت فرمایا ہے اور ان کا فتویٰ قرآن و حدیث اور سنت کے عین موافق ہے چنانچہ حضرت مجدد  
صاحبؒ ہی ایک مقام میں تحریر فرماتے ہیں کہ

ونیز معلوم شد کمالات ولایت را موافقت  
بنفقہ شافعی است و کمالات نبوت را مناسبت  
بنفقہ حنفی اگر فرض ادیں امت پیغمبر سے  
اور نیز معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات کو فقہ  
شافعی سے موافقت ہے اور نبوت کے کمالات  
کو فقہ حنفی سے مطابقت ہے اگر بالفرض اس

امت میں کوئی نئی مبعوث ہو تو وہ فقہ حنفی کے  
موافق عمل کرے گا اور اس موقع پر حضرت خواجہ  
محمد پارسا قدس سرہ کی اس بات کی حقیقت  
معلوم ہوئی جو انہوں نے اپنی کتاب فصول ستہ  
میں نقل کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام  
نازل ہونے کے بعد حضرت امام ابو حنیفہ کے  
مذہب پر عمل کریں گے۔

مبعوث می شد موافق فقہ حنفی عمل می کرد  
و دریں وقت حقیقت سخن حضرت خواجہ  
محمد پارسا قدس سرہ معلوم شد کہ در فصول ستہ  
نقل کرده اند کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ  
الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول بہ مذہب امام  
ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمل خواہد کرد الخ  
(مکتوب ۲۸۲ دفتر اول حصہ پنجم ص ۵)

یعنی چونکہ حضرت امام ابو حنیفہ کی فقہ کمالات نبوت میں سے ہے اور عین سنت کے مطابق  
ہے اس لئے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو فقہ حنفی کے مطابق عمل کریں گے  
یعنی غیر منصوص احکام میں حضرت امام ابو حنیفہ نے اپنے اجتہاد کے مطابق حکم دیا ہے اس میں حضرت عیسیٰ  
براہ راست سنت سے استنباط کریں گے۔ گویا دونوں بزرگوں کے اجتہاد میں تو اوردو کا فرق یہ ہوگا کہ ایک اجتہاد  
معصوم کا ہوگا اور ایک غیر معصوم کا مگر دونوں کی کڑی سنت سے جائے گی۔ بقول شخصے ع  
آخر کو ہم دونوں درجہ جاناں پہنچا لے

حضرت مجدد صاحب نے بدعت کی نہایت سختی سے تردید فرمائی ہے چنانچہ ایک  
مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک حسنہ  
دوسری سیئہ بدعت حسنہ اس نیک عمل  
کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وسلم اور حضرات خلفاء راشدین کے زمانہ کے  
بعد پیدا ہوا ہو اور سنت کو ضائع نہ کرے اور  
بدعت سیئہ وہ ہے کہ جو سنت کو ضائع کر دے  
مگر یہ فقیران بدعات میں سے کسی بدعت میں  
حسن اور نورانیت کا مشاہدہ نہیں کر رہا اور

گفتہ اند کہ بدعت بر دو نوع است  
حسنہ و سیئہ حسنہ آن عمل نیک را گویند  
کہ بعد از زمان آل سرور و خلفاء راشدین علیہ  
وعلیہم من الصلوٰۃ اتہا و من التحیات اکلہا  
پیدا شدہ باشد و رفع سنت ننماید و سیئہ  
آنکہ رافع سنت باشد یا فقیر و یا ہیج بدعت  
ازیں بدعتہا حسن و نورانیت مشاہدہ نمی  
کنند و جز بظلمت و کدورت احساس نمی

ان میں بغیر تاریکی اور کدورت کے کچھ بھی محسوس  
نہیں کرتا اگر بالفرض کوئی بدعتی اپنے ضعف  
بصارت کی وجہ سے اپنے عمل میں گونہ و تکی دیکھتا  
ہے تو کل قیامت کو جب آنکھیں کھلیں گی تو معلوم  
ہوگا کہ بغیر نقصان اور شرمندگی کے اس کوئی نتیجہ  
برآمد نہیں ہوا۔ شعر  
صبح کے وقت تجھے روز روشن کی طرح معلوم  
ہو جائے گا کہ شب تاریک میں تو نے عشق کس  
سے جوڑا ہے۔

نماید اگر فرضاً عمل مبتدع را امروز بواسطہ  
ضعف بصارت بطراوت و فضا ربیند  
فردا کہ حدید البصر گردند دانند کہ جز خسارت  
و ذممت تمیج نہ داشت۔ بیت  
بلوقت صبح شود ہجور و ز معلومت  
کہ باکہ باختہ عشق و رشب و یجور  
رکتوب ۱۲۷ و فتراول حصہ سوم ۸۳ و ۸۴

تقابل فقہاء کرام و صوفیاء عظام رحمہ  
حضرت مجدد الف ثانیؑ ان دونوں طبقوں کے بارے میں واشگاف الفاظ میں اپنا نقطہ  
نظر پیش کرتے ہیں چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ۔

حضرات صوفیاء کا عمل حلال و حرام ہونی نہیں سند  
نہیں ہے کیا یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو مغذور  
سمجھیں اور طاعت نہ کریں اور ان کو حق سبحانہ  
و تعالیٰ کے سپرد کر دیں اس جگہ حضرت امام ابو حنیفہؒ  
اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر  
ہے نہ کہ حضرت ابو بکر شبلیؒ اور حضرت ابو الحسن  
نوریؒ کا عمل اس وقت کے کچے صوفی اپنے پیروں  
کے عمل کو بہانہ بنا کر قص و سرود کو اپنا دین ملت  
بنائے بیٹھے ہیں اور اس طریقہ کو انہوں نے  
اطاعت و عبادت بنا رکھا ہے یہی وہ لوگ  
ہیں جنہوں نے اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنالیا

و عمل صوفیہ در محل و حرمت سند نیست  
ہمیں بس نیست کہ مایشان را معذور داریم  
و طاعت نہ کنیم و مایشان را بحق سبحانہ و  
تعالیٰ مغفوض داریم ایں جا قول امام ابی حنیفہؒ  
و امام ابی یوسفؒ و امام محمدؒ معتبر است نہ  
عمل ابی بکر شبلیؒ و ابی حسن نوریؒ صوفیان  
خام ایں وقت عمل پیراں خود را بہانہ ساختہ  
سرود و رقص را دین و ملت خود گرفتہ اند و  
طاعت و عبادت ساختہ اولئک الذین  
اتخذوا دینہم لہوا و لعبا و از روایت  
سابق معلوم شدہ است کہ فعل حرام را متجن

وانداز مرد اہل اسلام سے برآید و مرتد میگردد  
پس خیال باید کرد کہ تعلیم مجلس سماع و رقص  
نمودن بلکہ آنرا اطاعت و عبادت دانستن چه  
شناخت دارد۔ رکتوب ۲۳۹ دفتر اول حصہ  
چہارم ص ۵۷

برائی کا حامل ہے۔

اور ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

خبردار حضرات صوفیاء کی باتوں پر مفتون نہ  
ہونا اور غیر حق تعالیٰ کو حق تعالیٰ نہ سمجھنا یہ جہات  
بواسطہ غلبہ سکر کے اگر مغذ و رہیں اور بصورت  
مجتہد ہونے کے خطا وار تو مؤاخذہ کی گرفت سے  
بچ گئے بہر حال ان کے مقلدین سے کیا معاملہ  
کریں گے پکاش بصورت مقلدین مجتہدین یہ بھی  
مخطی ہوں تو تو مؤاخذہ سے بچ گئے اور اگر ایسا  
نہ کریں تو معاملہ مشکل ہے قیاس اور اجتہاد اصول  
شرعیہ میں سے ایک اصل ہے ہم اس کی تقلید  
کے مانو یہیں بخلاف کشف اور الہام کے کہ  
ہمیں اس کی تقلید کا حکم نہیں فرمایا گیا الہام غیر  
پر حجت نہیں ہے اور اجتہاد مقلد پر حجت ہے  
پس تقلید تو علماء مجتہدین کی کرنی چاہیئے اور  
اصول دین کو ان اکابر کی آراء کے مطابق  
ڈھونڈنا چاہیئے اور حضرات علماء مجتہدین  
کی آراء کے خلاف حضرات صوفیاء جو کچھ کہتے

زہار برترہات صوفیہ مفتون نہ گردی و غیر  
حق راجل سلطانہ حق ندانی اس جماعت بواسطہ  
غلبہ سکر اگر مغذ و نہ دورنگ مجتہد مخطی  
از مؤاخذہ مرفوع اما مقلدان ایشان تاجہ  
معاملہ کنند کاش در رنگ مقلدان مخطی باشند  
و اگر جنیں نہ کنند کار مشکل است قیاس  
و اجتہاد اصلی است از اصول شرعیہ کہ با تقلید  
آں مامویم بخلاف کشف و الہام کہ ملا بہ تقلید  
باں امر نافرمودند الہام بر غیر حجت نیست و  
اجتہاد بر مقلد حجت است پس تقلید علماء  
مجتہدین باید کرد و اصول دین را موافق آرائے  
ایشان باید جست و صوفیہ آنچہ بگویند و بکنند  
مخالف آرائے علماء مجتہدین آں را تقلید نہ باید  
کرد و بحسن ظن از ظن ایشان لب باید بست  
و از شطیحات ایشان باید شرم و از ظاہر صرف  
باید ساخت الحمد للہ رکتوب ۲۴۰ دفتر اول حصہ پنجم ص ۵۸

اور کرتے ہیں ان کی تقلید نہیں کرنی اور حسن  
ظن کرتے ہوئے اپنی زبان کو ان پر طعن کرنے سے  
روکنا چاہیے اور ان کی شطیحات یعنی حضرات صوفیہ  
کرام کی ایسی باتیں جو غلبہ سکھیں ان سے سرزد  
ہوتی ہیں، سے بچنا چاہیے اور ظاہر سے اس کو  
پھیرنا چاہیے۔

لہذا ہم تو محمد اللہ تعالیٰ حضرت مجدد الف ثانیؑ کے اس بہترین اور سبہری مشورے اور نصیحت  
پر عمل کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور حضرات صوفیہ اکرامؒ پر طعن سے بچتے ہوئے عدم ذکر بالظہر  
میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ اور ارشاد کو حق اور صحیح سمجھتے ہیں یا ر لوگ اپنے لئے جس رائے  
کو بہتر سمجھتے ہیں اختیار کر لیں۔

واللناس فیما یعشقون مذاہب

## دوسری بات

ہو سکتا ہے کہ حضرات چشتیہ وغیرہم قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے ذکر جہر ابتدائی مراحل اور  
مبادی تعلیم میں صرف سلوک کی منزلیں طے کرنے والے مبتدیوں کے لئے جائز رکھا ہو تا کہ اس طریقہ  
سے و سوا اس شیطانیہ سے ان کو نجات مل سکے اور غفلت نفسانی دور ہو اور ان کے دلوں میں ریاضت  
کی حرارت اور جذبہ سلوک پیدا ہو اور بعد کے حضرات نے ہو سکتا ہے کہ افراط و تفریط کا شکار ہو کر اس  
نکتہ کو ملحوظ نہ رکھا ہو و جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؑ نے بھی بعض ایسے ہی خلفاء کی شکایت کی ہے  
کہ مگر لیکن اس سلسلہ کے اکابر کا اس میں کیا قصور ہے؟ اور پہلے گزر چکا ہے کہ جن مقامات میں شریعت  
نے ذکر جہر کی اجازت دی ہے ان میں ایک مقام تعلیم بھی ہے اور فتاویٰ بزازیہ کے حوالہ سے یہ  
بات عرض کی جا چکی ہے کہ تعلیم حاصل ہو چکنے کے بعد جہر بدعت ہے اور آج کل ذکر جہر کرنے والے ثواب  
سمجھ کر کرتے ہیں اور ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اگر ہماری اس تاویل اور توجیہ  
پر کسی کو یقین نہیں آتا تو حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ سے سن لیں وہ فرماتے ہیں کہ۔  
شاید حضرت صوفیہ و شیعہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے  
مبتدی کے لئے جہر کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ

و لعل الصوفیۃ المچشتیۃ قدس اللہ اسرارہم



اختاروا الجهر للمبتدی لاقتضاء حکمتہ  
 وھی طرد الشیطان و دفع الغفلة  
 والنسیان و حرادة القلب و اشتعال  
 نائرة الحب بالریاضة و مع ذالک  
 یشترط لذلك الاحتراز عن الریاء  
 و السمعة الخ (تفسیر منہج ص ۳۴۸)

تقاضائے حکمت ہی یہی ہے اور یہ حکمت شیطان  
 کو بھگانا اور غفلت نسیان اور ریاضت کی وجہ  
 سے دل کی گرمی کو اور آتش محبت کے شعلوں  
 کو قہیز کرنا ہے لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے  
 کہ ریاء اور شہرت سے احتراز کیا جائے۔

اس عبارت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضرات چشتیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر بالجہر کی اجازت  
 رسیدہ بزرگوں کو نہیں دی بلکہ مبتدیوں کو دی ہے اور بھی مانتے ہیں کہ مبتدیوں کے لئے یہ اجازت  
 بجز تعلیم کے اور کیا معنی رکھتی ہے؟ حضرت خواجہ نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی حضرت سلطان  
 المشائخ شیخ نظام الحق والدین قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ میں نے ان کی زبان  
 مبارک سے سنا ہے کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک خفی دوسری جلی لیکن سالک کو پہلے جلی شروع کرنا  
 چاہیے پھر خفی ذکر جلی زبان سے تعلق رکھتا ہے زبان سے ذکر جلی کی کثرت کرنی چاہیے تاکہ اس کثرت  
 سے خفی حاصل ہوا اور (منقلا عن العاشقین) اردو ترجمہ ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی  
 ص ۷ طبع لاہور) اس سے معلوم ہوا کہ سالک کی تعلیم کی منزل یہیں سے شروع ہوتی ہے، ہر طبقہ  
 اور ہر سلسلہ میں آگے چل کر کچھ لوگوں نے غلو سے کام لیا مگر یہ ان کا اپنا فعل ہے اکابر کا اس میں  
 کوئی دخل نہیں ہے اور اگر اس سے بہتر باحوالہ کوئی اور توجیہ کوئی صاحب ہمت پیش کر دیں تو  
 ہمیں اس کے ماننے میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ کوئی تاہل نہ ہوگا لیکن قرآن کریم و حدیث شریف اور  
 حضرت امام ابو حنیفہؒ کا دامن چھوڑ کر ہم کہاں جائیں؟ اور کہاں جاسکتے ہیں؟ اور کیسے جاسکتے ہیں؟  
 نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چوں غلام آفتابم ہمدرد آفتاب گویم

تیسری بات

جن حضرات کی عبارتوں میں ذکر بالجہر کی اجازت آتی ہے دگوان میں اکثریت حضرات شوافع  
 اور حضرات صوفیاء کی ہے مگر انہوں نے بھی ذکر جہر کو مطلق نہیں چھوڑا بلکہ اس کے ساتھ متعدد  
 قیود اور شرائط لگائی ہیں اور سعیدی صاحب اور ان کی جماعت ان شرائط میں بیشتر کو نظر انداز

کر دیتی ہے ان اکابر کی عبارات میں سے مفید مطلب جملہ ذکر بالجہر کی اجازت کا تو وہ نے مثلثیتہ مگر دیگر شرائط اور قیود سے کہوت کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں حالانکہ وہ ان کی عبارتوں میں صاف طور پر موجود ہوتی ہیں سابق مفصل اور باحوالہ بحث کے بعد مثالوں کی ضرورت نہیں مگر ہم ایکٹے عرض کئے دیتے ہیں۔  
 الامام ابن حجر کی الشافعی حضرات صوفیاء کرام کے اذکار و اوراد کے اثبات پر پہلے چند احادیث نقل کر کے آگے فرماتے ہیں۔

واذا ثبت ان لما يعتاده الصوفية من اجتماعهم على الاذكار والاورد بعد الصبح وغيره اصلاً صحيحاً من السنة وهو ما ذكرنا فلا اعتراض عليهم في ذلك ثم ان كان هناك من يتأذى بمجرهم كمفضل او نائم ندب لهم الاسرار والآرجعوا لما يأمرون به استاذهم المجامع بين الشريعة والحقيقة لما مر انه كالطبيب فلا يأمر الا بما يزي فيه شفاءً لعلته المريض ولذلك تجد بعضهم يختار الجهر لدفع الوسوس والردية والكيافيا النفسانية وايقاظ القلوب الغافلة واطهار الاعمال الكاملة وبعضهم يختار الاسرار مجاهدة النفس وتعليمها طرق الاخلاق و ايثار الخسول۔

رفقاوی حدیثیہ ص ۲۵ طبع مصر

اور جب یہ ثابت ہوا کہ حضرات صوفیاء جس بات کے معناد ہیں یعنی ان کا اذکار و اوراد پر صبح وغیرہ کے بعد جمع ہونا اس کی سنت سے صحیح اصل موجود ہے اور وہ وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے سو اس سلسلہ میں ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے پھر اگر اس مقام پر ایسے لوگ ہوں جن کو ان کے جہر سے اذیت ہوتی ہے مثلاً نازی یا سونے والا تو پھر ان کے لیے یہ ہے کہ وہ ابستہ ذکر کریں درند اس حکم کی طرف رجوع کریں جو ان کو ان کا شریعت اور حقیقت کا جامع استاد دیتا ہے کیونکہ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ وہ حکیم کی مانند ہے سو وہ اسی چیز کا حکم دے گا جس میں وہ یہ دیکھے گا کہ اس میں بیمار کی علت کی شفا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تو دیکھے گا کہ ان میں سے بعض ردی قسم کے وسوس اور کیفیات نفسانیہ کے دفع کرنے اور خاف دلوں کو بیدار کرنے اور کامل اعمال کے اظہار کے لئے جہر کو پسند کرتے ہیں اور ان میں سے بعض نفس کے ساتھ مجاہدہ اور اس کو

اخلاق کے طریقوں کی تعلیم اور گناہ کی زندگی کو ترجیح دینے کے لئے آہستہ ذکر اختیار کرتے ہیں۔

اس عبارت میں ذکر بالجہر کے سلسلہ میں نمازیوں اور سونے والوں کی نیند اور آرام کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور یہ دو چیزیں صرف بطور مثال کے بیان کی گئی ہیں جہاں بھی کسی کو ذکر بالجہر سے اذیت پہنچے اس کا یہی حکم ہے۔

(۲) علامہ خیر الدین رملی الحنفیؒ کا حوالہ ۱۴۵ میں گندھ چکا ہے جس میں ذکر بالجہر کی بعض شرائط اور قیود کا تذکرہ موجود ہے۔

(۳) علامہ شامیؒ (۱) علامہ سید احمد طحطاویؒ اور (۵) حضرت تھانویؒ کے مفصل حوالے پہلے گزر چکے ہیں جن میں ذکر بالجہر میں لوگوں کی عدم اذیت کو برابر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ خصوصاً ہے کہ آج کل ذکر بالجہر کرنے والے حضرات نے اس کی دیگر قیود و شرائط کو نظر انداز کرنے کے علاوہ ایذا رسیدہ کو بھی اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور حیرت یہ ہے کہ اس پر ثواب کے طالب اور امیدوار ہیں حالانکہ ایذا رسیدہ کو حرام ہے ہم صرف اس مسئلہ کو واضح کرنے کے لئے ایک حدیث اور دو فقہی حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

ما حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ :-

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے فرمایا کہ اے لوگو جو زبان سے تو اسلام کا اظہار کرتے ہو لیکن دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا تم مسلمانوں کو اذیت مت دو اور نہ ان کو عار دلاؤ اور نہ ان کی کوتاہیاں تلاش کرو اس لئے کہ جو شخص مسلمان کی کوتاہی تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی کوتاہی طلب کرے گا اور جس کی کوتاہی کو اللہ تعالیٰ تلاش کرے اس کو وہ اس کے گھر کے اندر ہی رسوا کر دے گا اور

صعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المنبر فنادی بصوت رفیع وقال یا معشر من اسلم بلسانہ ولم یدخل الایمان فی قلبہ لا تؤذوا المسلمین ولا تعیروہم ولا تطلبوا عثراتہم فانہ من یطلب عورة المسلم یطلب اللہ عورته ومن یطلب اللہ عورته یفضحہ ولو فی جوف بیتہ و نظر ابن عمرؓ یوماً الی البیت فقال ما اعظمک

اعظم حرمتك والمؤمن اعظم  
عند الله حرمة منك.  
(مرار النظمان ص ۳۵۹ طبع مصر)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دن بیت اللہ  
کی طرف دیکھا پس فرمایا کہ تو کیا ہی عظمت  
والا ہے اور تیری کیسی بڑی عظمت ہے مگر  
مومن کی عظمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ  
سے بھی بڑی ہے۔

اس روایت سے متعدد مسائل اور فوائد حاصل ہوتے ہیں ایک یہ کہ منبر پر وعظ و نصیحت  
کے موقع پر آواز بلند کرنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور دوسری یہ بات  
ثابت ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمان کو اذیت پہنچانے سے سختی کے ساتھ  
منع فرمایا ہے اور تیسری یہ کہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے معلوم ہوا کہ مومن کی عزت کعبۃ اللہ  
سے بھی بڑھ کر ہے۔

صلح حج اور عمرہ میں حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہے لیکن اگر اس کو بوسہ دینے کی وجہ سے  
کسی مسلمان کو اذیت پہنچتی ہو تو پھر اس کا ترک واجب ہے چنانچہ امام سرخسی تحریر فرماتے ہیں کہ:-  
ولان استلام الحجر سنتہ والتحرز عن  
اذی المسلم واجب فلا ینبغي له  
ان یؤذی مسلماً لاقامة السنۃ۔  
(مبسوط ج ۹ ص ۹ طبع مصر)

اور اس لئے بھی کہ حجر اسود کا چومنا سنت ہے  
اور مسلم کی اذیت سے بچنا واجب ہے سو اس  
کے لئے مناسب نہیں کہ وہ سنت قائم کرنے  
کے لئے کسی مسلمان کو اذیت دے۔

اور صاحب ہدایہ نقل دلیل ذکر کرنے کے بعد عقلی دلیل یہ لکھتے ہیں:-

ولان الاستلام سنتہ والتحرز عن  
اذی المسلم واجب انتہی (ہدایہ ج ۲ ص ۲۸)

اور اس لئے بھی کہ حجر اسود کا چومنا سنت ہے  
اور مسلمان کو اذیت پہنچانے سے بچنا واجب ہے۔

مطلب واضح ہے کہ سنت کی ادائیگی کے لئے واجب کو ترک نہیں کیا جائیگا اور ذکر بالجہر  
تو بقول حضرت مجد والہ ثانیؒ زیادہ سے زیادہ رخصت ثابت کیا جاسکتا ہے اور بعض دیگر  
حضرات کی تحقیق سے مباح یا مستحب یا صرف جائز ثابت ہوتا ہے اندر میں حالات ایک رخصت  
یا مباح یا زیادہ سے زیادہ مستحب اور جائز کو ادا کرنے کے لئے واجب کو نظر انداز کر دینا بھی

طور پر کس طرح درست ہوگا؟ مگر افسوس ہے کہ شور و غل مچانے والے دین اور فقر کی ان باریکیوں کو کیا جانیں؟ ان کو تو صرف اپنے گردہ کی بڑتری اور شور و غل کے ذریعہ اپنی بقا اور شہرت و نمود کی ضرورت ہے۔

طواف کے وقت ذکر اور قراۃ قرآن اور دعا آہستہ ہونی چاہیئے۔

علامہ الشیخ رحمۃ اللہ النذہی الحنفی المتوفی ۱۰۸۰ھ نے مناسک حج کے سلسلے میں ایک مختصر اور بہترین کتاب لکھی ہے جس کا نام باب المناسک ہے اس کی شرح حضرت ملا علی قاری الحنفی نے لکھی ہے جس کا نام المنک المتقطعی المنک المتوسط ہے ان کتابوں کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

(۱) طواف کب کے وقت مستحبات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

والاسرار بالکسرای الاخفاء بالذکر	اسرار کسرہ کے ساتھ ہے جس کے معنی اخفاء
والادعیۃ وفیہ بحث لالہ یحجب	کے میں یعنی آہستہ ذکر اور دعائیں کرنی چاہئیں
الاخفاء اذا کان الجہد مشوشا للٹافین	لیکن اس میں کلام ہے وہ یہ کہ جب
والمصلین فقد صرح ابن الضیاء ان	جہر سے طواف کرنے والوں اور نمازیوں
رفع الصوت فی المسجد حرام ولو	کو تشویش ہوتی ہو تو ذکر اور دعا کا آہستہ
بالذکر ودلعلہ اراد بالاسرار البالغۃ	پر مٹھنا واجب ہے کیونکہ ابن الضیاء نے
فی الاخفاء تبعد اھن السمۃ والیاء	تصریح کی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا
(المنک المتقطعی المنک المتوسط ۱۱)	حرام ہے اگرچہ ذکر ہی کی آواز کیوں نہ ہو اور
طبع مصر)	شاید کہ ان کی آواز آہستہ پڑھنے سے اخفاء
	میں مبالغہ ہو تاکہ شہرت اور ریاضے اس
	فعل کو دور رکھا جائے۔

اس سے بھی بصراحت یہ معلوم ہوا کہ جب ذکر یا بھیر سے طواف کرنے والوں اور نمازیوں کو ذہنی پریشانی ہوتی ہو (اور لازماً ہوتی ہے) تو آہستہ ذکر کرنا واجب ہے اور واجب کی خلاف ورزی حرام ہے بلکہ مسجد میں آواز بلند کرنا گو ذکر ہی کیوں نہ ہو

حرام ہے۔

(۲) اور طواف کے وقت مباح کلام کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

وقراءة القرآن اى فى نفسه لما قالوا فى  
غير موضع يكره ان يرفع صوته بالقرآن  
عند الطواف ولا بأس بقراءته فى  
نفسه فهذا هو الاظهر وعن ابيه  
حنيفة لا ينبغى للرجل ان يقرأ  
القرآن رافعا صوته فى الطواف ولا  
فى نفسه قال وهو الاصح انتهى وهو  
مختار بعض الشافعية كالحلي والاذاعى  
وفى المنتقى وعن ابى حنيفة لا ينبغى  
للرجل ان يقول فى طوافه ولا بأس  
بذكر الله تعالى انتهى وهو قابل ان  
يحمل على رفع الصوت واما قوله  
ولا بأس بذكر الله فهو هم ان السكوت  
هو السنة وليس كذلك ولا يتصور ان  
يقيد برفع الصوت فى الذكر فانه  
ممنوع ولعله اراد بانه لا بأس بالاذكار  
المصنوعة المسطورة من غير الاذكار  
والادعية المأثورة۔

المسلك المتقسط ۱۱۱ و ۱۱۲

اور قرآن کریم کا پڑھنا یعنی اپنے دل میں کیونکہ  
حضرات فقہاء کرام نے متعدد مقامات میں کہا  
ہے کہ طواف کے وقت قرآن پڑھتے ہوئے  
اپنی آواز کو بلند کرنا مکروہ ہے اور اپنے دل  
میں پڑھنے کا کوئی حرج نہیں اور یہی ظاہر تربت  
ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ سے روایت ہے  
انہوں نے فرمایا کہ طواف کرتے وقت آدمی کو مناسب  
نہیں کہ وہ بلند آواز سے اور اسی طرح آہستہ  
دل میں قرآن کریم پڑھے فرمایا کہ یہی صحیح بات ہے  
ان کا کلام ختم ہوا اور بعض شوافع حضرات مثلاً  
حلیہ اور اوزاعی جیسے مختار ہے منتقی میں ہے  
کہ حضرت امام ابو حنیفہ سے روایت ہے انہوں  
نے فرمایا کہ آدمی کو مناسب نہیں کہ طواف کرتے  
وقت قرآن کریم پڑھے ہاں اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے  
میں کوئی حرج نہیں ہے ان کی بات ختم ہوئی اور یہ  
روایت اس قابل ہے کہ اس کو بلند آواز کے ساتھ  
پڑھنے پر حمل کیا جائے باقی رہا ان کا یہ قول کہ اللہ  
تعالیٰ کا ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اس سے  
یہ وہم پڑتا ہے کہ خاموش رہنا ہی سنت ہے حالانکہ  
ایسا نہیں ہے اور یہاں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ  
اس کو بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے سے عقیدہ رکھا جائے

کیونکہ بلند آواز سے ذکر کرنا خود ممنوع ہے اور شاید کہ ان کی مراد یہ ہو کہ وہ اذکار جو اذکار اور ادعیہ مانورہ کے علاوہ بنائے اور نکلے گئے ہیں، ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

آج کل مناسک حج کی اکثر کتابوں اور رسائلوں میں ایسی دعائیں اور اذکار بھی ملتے ہیں جن کا صحیح احادیث و آثار سے کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن چونکہ توحید و سنت کے کسی ضابطہ سے وہ متصادم نہیں ہیں اس لیے ہر مکتب فکر کے علماء کرام ان سے چشم پوشی کرتے ہیں اور پڑھنے والوں کو منع نہیں کرتے۔

(۳) طواف کے وقت جو جو چیزیں مکروہ ہیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ  
 ورفع الصوت ولو بالقرآن والذكر  
 اور آواز بلند کرنا اگرچہ قرآن اور ذکر اور دعا پڑھتے ہوئے ہو یعنی بایں طور کہ طواف کرنے والوں اور نمازیوں کو اس جہر سے تکلیف ہوتی ہے (اگر اس قدر جہر ہو کہ خود سنتا ہو تو کوئی حرج نہیں) الطائفین والمصلین (المسلک المتقسط ص ۱۱۳)

اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کی موجودگی میں قرآن کریم کے آہستہ پڑھنے کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد موجود ہے، چنانچہ حضرت ابو سعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ

اعكتف رسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد فسمعهم يجهرون بالقرأة فكشف الستر وقال الا ان كلکم مناج ربہ فلا یوذین بعضکم بعضا ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القرأة او قال فی الصلوة (رواہ ابو داؤد باسناد صحیح المجمع شرح المنہج ج ۳ ص ۳۹۲ طبع مصر)

آنحضرت ﷺ مسجد میں اعتکاف بیٹھے تھے کہ آپ نے لوگوں کو سنا کہ وہ بلند آواز سے تلاوت کر رہے ہیں، آپ نے پردہ ہٹایا اور فرمایا کہ خبردار تم بھی اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کر رہے ہو پس تم میں ہرگز بعض بعض کو لذیت نہ دیں اور نہ قراءۃ میں یا نماز میں ایک دوسرے پر آواز بلند کریں

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں لوگوں کا خارج از نماز قرآن پڑھتے یا نماز میں قراءت کرتے وقت اس قدر جہر کرنا کہ دوسروں کو آذیت ہو، ممنوع ہے۔ حدیث شریف اور فقہ کے کچھ حوالے اس سلسلہ میں پہلے بھی بیان ہو چکے ہیں۔

درس و تقریر پر اعتراض اور اس کا جواب: مولف ذکر بالجہر ص ۷۷

میں لکھتے ہیں 'علاوہ ازیں گزارش ہے کہ آپ لاؤڈ سپیکر پر درس دیتے ہیں 'تقریریں کرتے ہیں۔ اس وقت بھی آخر نمازی نماز پڑھتے ہیں۔ کیا اب نماز میں خلل نہیں پڑتا؟ اگر واقعی آپ لوگوں کی نمازوں کے ایسے ہی ہمدرد ہیں تو آپ یا درس اور تقریریں بھی ختم کیجئے یا پھر یہ کام مکروہ وقت میں کیا کریں جب سجدہ جائز نہ ہو لیکن آپ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ یہ آپ کی روزی کا معاملہ ہے الخ

**الجواب:** بجائے اس کے کہ ہم اپنی طرف سے اس کا جواب دیں 'مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہی کی جماعت کے مفتی اعظم احمد یار خان صاحب کا جواب عرض کروں۔ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں 'فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر بالجمہر سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے 'اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہوں اور یہ ذکر بالجمہر کر رہا ہو 'یہ منع ہے۔ نہ یہ کہ نماز بھی ہو چکی ہو 'لوگ فارغ ہو کر اب ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے اب کوئی شخص تارک الجماعت بعد میں آیا تو اپنی نماز کے حیلے سے سب کو خاموش کرتا پھرے کہ چونکہ مجھے اب نماز پڑھنا ہے لہذا اے نمازیو! اے قرآن یاد کرنے والو! واعظو! تم سب خاموش ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اول کا ہوتا ہے جس پر بہت سے شرعی مسئلے متفرع ہیں۔ مکہ معظمہ میں صرف جماعت اولیٰ کے لیے طواف بند ہوتا ہے۔ جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف شروع ہوا اور طواف میں دعاؤں کا اس قدر شور ہوتا ہے کہ کلن پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کئی وہاں اس ذکر بالجمہر کا کیا حکم ہے؟ کیا نمازوں میں خلل کی وجہ سے طواف بند کراؤ گے۔ انہی (جاء الحق ص ۳۴۱) چونکہ عموماً درس اور تقریریں نماز کے بعد ہوتی ہیں لہذا بقول مفتی احمد یار خان صاحب کسی تارک الجماعت کو حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی نماز کے حیلے سے وعظ و درس بند کرتا پھرے۔ امید ہے کہ اتنا ہی جواب کافی ہو گا۔ باقی مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ طواف کے وقت شور و غل ہوتا ہے 'اس وقت ذکر بالجمہر کا کیا حکم ہے؟ تو اس کا حکم حضرت ملا علی نقی القاری حنفی کی مرقات اور المسلك المنقسط وغیرہ کی عبارات میں دیکھ لیں جو عرض کر دی گئی ہیں۔ البتہ حضرات فقہاء کرام کی عبارات کا یہ مطلب بیان کر کے مفتی صاحب نے سخت غلطی کی ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو 'لوگ نماز میں مشغول ہوں اور یہ ذکر بالجمہر کر رہا ہو الخ۔ اس لیے کہ حضرات فقہاء کرام نے جماعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔ انہوں نے مسجد میں مطلقاً ذکر بالجمہر کو حرام اور مکروہ قرار دیا ہے جب کہ کوئی نماز میں مصروف ہو یا نیند میں محو ہو 'ہاں اگر کسی کی نماز اور نیند وغیرہ میں کوئی خلل نہ پڑتا ہو تو اس کا معاملہ جدا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ رہا مولف ذکر بالجمہر کا یہ طعن کہ یہ تمہاری روزی کا معاملہ ہے تو یہ ایک احتقانہ خیال ہے کیونکہ علماء حق کا وہ طبقہ جو لاؤڈ سپیکر کی بجائے سے پہلے گزر چکا ہے کیا وہ روزی نہیں کھاتا تھا؟ اور کیا آج بھی علماء حق کا



ہر فرد لاؤڈ سپیکر استعمال کرتا ہے اور درس ہی دیتا ہے تب ہی اس کو روزی نصیب ہوتی ہے؟ کیا وہ حضرات جو نہ تو درس دیتے ہیں اور نہ آگہ کبر الصوت استعمال کرتے ہیں وہ روزی نہیں کھاتے؟ بجائے اس کے کیا یہ قرن قیاس نہیں کہ صحیح اور ٹھوس دینی خدمت سے تو آپ لوگ ویسے محروم ہیں جس کو ہر عقل مند اور منصف مزاج آدمی تسلیم کرے گا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے اور اپنی کارگزاری بتلانے کے لیے روزی کمانے کا یہ ذہنگ آپ لوگوں نے اختیار کر لیا ہے کہ چلا چلا کر ذکر کرتے اور درود شریف اور فلمی طرز کی لغتیں پڑھتے ہیں تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ مسجد میں کچھ ہو رہا ہے اور گیارہویں اور عرس وغیرہ میں لوگوں کو ترغیب دے دے کر اس کارروائی کو اپنی روزی اور حلوے مانڈے کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور طعنہ اہل حق کو دیا جا رہا ہے کہ یہ تمہاری روزی کا معاملہ ہے۔ سچ ہے کہ چھاننی نے لوٹے کو یہ طعنہ دیا کہ تیرے اندر دو سوراخ ہیں اور اپنی خیر سے خبری نہیں کہ اس میں کتنے سوراخ ہیں۔ کیا خوب کہا گیا ہے کہ۔

میری نگاہ شوق پہ اتنی ہیں سختیاں  
اپنی نگاہ شوق کی کچھ بھی خبر نہیں

علاوہ ازیں مولف ذکر بالجمہر کا یہ کہنا کہ یا پھر کام مکروہ وقت میں کیا کریں اہل کیا وعظ و تقریر کے لیے بھی شرعاً کوئی وقت مکروہ ہے جس طرح نمازوں کے لیے مثلاً طلوع آفتاب، استواء اور غروب آفتاب وغیرہ کے اوقات مکروہ ہیں؟ پھر سجدہ کے مکروہ ہونے اور درس و وعظ کا آپس میں کیا تعلق اور جوڑ ہے کہ اس کا پیوند اس کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور یوں لب کشائی کی ہے کہ یا پھر یہ کام مکروہ وقت میں کیا کریں اہ

اصل بات یہ ہے کہ اہل بدعت دین کی صحیح بصیرت سے تو ویسے ہی محروم ہیں۔ اگر کسی میں کوئی معمولی جھلک ہے بھی تو وہ شرک و بدعت کے دبیز پروں کے نیچے دب گئی ہے اور حلوئی، کبیر اور مرغین غذاؤں کی اس پر ہر طرف سے خوب لپائی ہو چکی ہے، لہذا ان سے صحیح بات کی قبولیت کی سرے سے کوئی توقع ہی نہیں الا من شاء اللہ تعالیٰ۔ اس لیے عاتہ المسلمین کو خود اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے طفیل سے سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین ثم آمین۔ وصلى الله تعالى على خير خلقه خاتم النبیین محمد وعلى آله واصحابه وبارک وسلم

احقر انوار ابد محمد سرفراز خطیب  
جامع مسجد گکھڑ و صدر مدرس مدرسۃ العلوم  
گوجرانوالہ

۴ رجب ۱۳۹۹ھ  
۲۵ جولائی ۱۹۷۸ء

# مکتبہ صفدریہ نزدگنٹھ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

ازالۃ الريب مسئلہ غیب پر مدلل بحث میں غفر	الکلام المفید مسئلہ تقلید پر مدلل بحث	تسکین الصدور مسئلہ حیات الہی پر مدلل بحث میں غفر	احسن الکلام مسئلہ فاتحہ خلف الامام کی مدلل بحث میں غفر	خزائن السنن تقریر ترمذی طبع سوم
ارشاد الشیعه شیعہ تحریکات کا مدلل جواب	طائفہ منصورہ نہایت پرانے لکرو کی علامت	احسان الباری بخاری شریف کی ابتدائی احادیث	آنکھوں کی ٹھنڈک مسئلہ حاضرہ و غی پر مدلل بحث	راہ سنت رد بدعات پر بلا جواب کتاب
دل کا سرور مسئلہ نکاح کی مدلل بحث	گلدستہ توحید مسئلہ توحید کی وضاحت	تبلیغ اسلام ضروریات دین پر مختصر بحث	عبادات اکابر اکابر علماء دین کی عبادات پر اعتراضات کے جوابات	درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ
مسئلہ قربانی قربانی کی غفلت اور اہم قربانی پر مدلل بحث	چراغ کی روشنی سیرت النبی کے بارش کا ادبی و علمی کے اعتراضات کے جوابات	ینابیع غیر مقلد عالم مولانا نظام رسول کے در سال تراویح کا اردو ترجمہ	بانی دارالعلوم ادریس مولانا محمد ادریس دہلوی کے حالات زندگی اور ان پر اعتراضات کے جوابات	راہ ہدایت کرامت و معجزات کے بار میں کچھ حقیقہ کی وضاحت
توضیح المرام فی نزول حکم علیہ اسلام	حلیۃ المسلمین واڑھی کا مسئلہ	اتمام البرہان رد توحیح البیان	المسلک المنصور	مقالہ ختم نبوت قرآن و حدیث کی روشنی میں
الکلام الحادی سادات کیلئے زکوٰۃ وغیرہ لیکھی مدلل بحث	باب جنت جواب راہ جنت	تنقید متین بر تفسیر فقہ الدین	ملا علی قاری اور مسئلہ علم غیب و حاضرہ و غایہ	شوق حدیث حجیت حدیث پر مدلل بحث
اظہار العیب بجواب اثبات علم اظہار	الشہاب المبین بجواب الشہاب الثاقب	عمدۃ الاثبات تین طاہراتوں کا مسئلہ	چہل مسئلہ حضرات بریلویہ	تفریح الخواطر بجواب خوبیاں الخواطر
شوق جہاد	حکم الذکر بالجہاد	صرف ایک سلام	مقام ابی حنیفہ	چالیس دعائیں
اخفاء الذکر ذکر آہستہ کرنا چاہیے	مولانا ارشاد الحق اثری کا مجدد بانہ و اویل	مرزائی کا جنازہ اور مسلمان	انکار حدیث کے نتائج منکرین حدیث کا رد	اطیب الکلام مختص احسن الکلام

غیر مقلدین کے متضاد فتوے	مسئلہ ابی حنیفہ کا عادلانہ دفاع	حمیدیہ فی ما غریب کتاب رحمہ اللہ	جنت کے نظام کے مسائل فقہی کی کتاب مادہ الامار کا اردو ترجمہ	خزائن السنن جلد دوم کتاب المبرور	مطبوعات عمر اکادمی بخاری شریف غیر مقلدین کی تحفہ
مردہ قضاے عمری بدعت ہے	الدروم الواضحہ فی شرح الکافیہ	تین طاہراتوں کے مسئلہ مقالہ کا جواب مقالہ	فیہک کتاب عدل و عدل کے اصول و ضوابط کی کتاب وضو کا طریقہ مسنون طریقہ	ایضاح سنت کتاب مصباح سنت	احسن کلام علیہ السلام فیہک کتاب عدل و عدل کے اصول و ضوابط کی کتاب وضو کا طریقہ مسنون طریقہ